(جلداول)

روبرو

مذہبی، مسلکی اور ملی مسائل پر ممتاز علما و مشائخ سے گفتگو

خوشتر نورانی

ادارۂ فکر اسلامی، دہلی

©All rights reserved

Rubaroo(Volume:1)
By:Khushtar Noorani
First edition: November 2010
Price:

Idara-e-Fikre Islami,Delhi
Distributed by:Maktaba Jaam-e-Noor
422 Matia Mahal,Jama Masjid,Delhi-6
Phone:011-23281418
email: ifikreislami@gmail.com

انتساب

علامہ ارشد القادری

(۱۹۲۵ء/۲۰۰۲ء)

کے نام

جن کا قلم ہمیشہ آسودہ حال مسلمانوں اور قائد + کومیڈیا کی اہمیت، ضرورت اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا احساس دلاتا رہا

فہرست

اظہاریہ	خوشتر نورانی	06
● شیخ ابوسعید احسان اللہ چشتی		18
● مولانا احمد القادری		27
● مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری		37
● پیرزادہ اقبال احمد فاروقی		45
● امام زید شاکر		54
● پروفیسر سید محمد امین قادری		64
● مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی		77
● قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی		86
● مولانا سید رکن الد + اصدق		102
● مولانا شاکر علی نوری		112
● ڈاکٹر سید شمیم احمد منعمی		121
● مولانا عبدالحکیم شرف قادری		132
● شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری		142
● مولانا عبدالمبین نعمانی		150
● مفتی عبدالمنان اعظمی		162
● مفتی عبدالمنان کلیمی		169
● مفتی عبدالواجد قادری		179
● ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی		186

- شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں 199
- ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی 209
- ڈاکٹر غلام زرقانی قادری 226
- مولانا سید قاسم اشرف کچھوچھوی 236
- مولانا قمر احمد اشرفی 246
- مولانا کوکب نورانی اکاڑوی 252
- مولانا مبارک حسین مصباحی 273
- مفتی محمد خان قادری/مولانا منشا تابش قصوری 281
- مفتی محمد مکرم احمد نقش بندی 294
- مفتی محمد میاں ثمر دہلوی 305
- مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی 313
- مولانا منظر الاسلام ازہری 322
- مفتی نظام الد + رضوی 335
- مولانا وارث جمال قادری 341
- مولانا یٰسین اختر مصباحی 355

باسمہ تعالیٰ

اظہاریہ

مسلم صحافت کی تاریخ پونے دوسو سال پرانی ہے، اس طویل عرصے میں اپنی تمام تر جد و جہد اور صحافتی تقاضوں کی تکمیل کے باوجود اسے کبھی Ì وہ عروج حاصل نہیں ہوسکا جو دوسری قوموں کی صحافت کا مقدر ٹھہرا- ان پونے دوسو سالوں میں ذرائع ابلاغ کا دائرۂ کار وسیع تر ہوتا گیا، لیکن مسلم صحافت غیر منقسم ہندوستان سے مسلم سماج اور اس کے ^ مسلمانوں کے مذہبی یا اردو پسند حلقوں میں سمٹتی چلی گئی- ان گزرے ہوئے سالوں میں کبھی کسی تحریک یا جذبے کے زیر اثر مسلم صحافت کا دائرہ وسیع ہوتا ہوا دکھا Ì تو صرف اس وقت تک جب تک مذکورہ تحریک یا جذبے میں حرارت باقی رہی- ان کی یخ بستگی کے ساتھ ہی مسلم صحافت کی یہ وسعت سمٹ کر پھر اپنے محور پر گردش کرنے لگی- آگے چل کر مسلم صحافت کے بطن سے ہی مسلمانوں کی مذہبی صحافت نے Ì اپنے بال و پر نکالے، لیکن بہ استثنائے چند ان کے ذمہ داران کی صحافتی تقاضوں سے بے خبری مذہبی رسالوں کو طویل زندگی نہیں دے سکی اور اگر وسائل کی فراوانی نے کسی کو لمبی عمر تک زندہ Ì رکھا تو اسے عوام کی جانب سے قبولیت کا خلعت عطا نہیں ہوسکا-

مذہبی صحافت کی عدم مقبولیت نے ہی شاید مؤرخین کو اس کی مبسوط تاریخ لکھنے سے بے پروا رکھا، ناقد + نے اس کے محاسن و معائب پر گفتگو نہیں کی اور محققین نے اس کے لیے اپنی بساط تحقیق نہیں بچھائی- دنیا کی مختلف قوموں اور زبانوں یہاں تک کہ مسلم صحافت

کی تاریخ اور عروج وزوال پر آ ہمیں کثیر سرمایہ ملتا ہے، جب کہ مذہبی صحافت کی تاریخ، اس کے عناصر واسالیب، رجحانات اور محاسن ومعائب پر مشتمل چند مبسوط علمی وتحقیقی مضامین آ نہیں ملتے- کسی آ ترقی یا زوال کے دو بنیادی عناصر ہوتے ہیں: ایک داخلی اور دوسرا خارجی- داخلی عناصر کا تعلق صلاحیت، پیش کش اور طر & کار سے ہوتا ہے، جب کہ خارجی عناصر حالات اور ماحول پر مشتمل ہوتے ہیں- ترقی کا مدار دونوں عناصر کی صحیح تنظیم وترتیب پر ہے، ان میں سے کسی ایک کی ناہمواری زوال اور نامقبولیت کا باعث بن جاتی ہے- عام مسلم صحافت اور مسلم مذہبی صحافت کی تاریخی کڑ-ں کو مختلف ادوار میں جوڑنے کی کوشش کی جائے تو ہر دور میں ذرائع ابلاغ کے ہمہ گیر اثرات کے باوجود دونوں کی نامقبولیت کو مذکورہ نکتے میں دیکھا جاسکتا ہے-

مسلم صحافت کے داخلی عناصر تو ہر دور میں صحیح رہے، لیکن بدقسمتی سے اس کے دائرۂ اثر کو خارجی عناصر نے کبھی وسیع اور ہمہ گیر ہونے کا موقع نہیں دیا، یہ خارجی عناصر مختلف زمانے میں مختلف رہے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- انگریزی سرکار کی سیاسی قلابازیاں
۲- ۱۸۵۷ء کے المناک حادثے
۳- لسانی تعصب
۴- ہندوؤں اور مسلمانوں کا مذہبی اور معاشرتی تناؤ
۵- تقسیم ہند
۶- اردو زبان کا اسلامائزیشن
۷- تقسیم ہند کے ^ اقلیتی اور اکثریتی مفادات پر حکومتوں کا جانب دارانہ رویہ

جب کہ مذہبی صحافت سے عوام کی عدم دلچسپی کا سبب خارجی عناصر کے ساتھ داخلی عناصر آ رہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱- پیش کش کا روایتی طر & کا
۲- Outdated موضوعات کا انتخاب

۳- عصری مفاہیم اور اسالیب سے بے خبری
۴- صحافتی اصول سے ناآشنائی
۵- فروعی مسائل پر جنگ وجدال
۶- رسائل کی اشاعت میں وقت، محنت اور توجہ کی کمی
۷- صحافت کی اہمیت واثرات سے غفلت

برصغیر میں مسلم صحافت کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا دور ۱۸۳۳ء سے ۱۸۵۷ تک، دوسرا دور ۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۰ء تک، تیسرا دور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۴۷ء تک اور چوتھا دور ۱۹۴۸ء سے تاحال- جبکہ مذہبی صحافت کا آغاز ۱۸۷۰ء سے ہوتا ہے-

مسلم صحافت کے پہلے دور میں مسلمانوں کی مذہبی صحافت کی بات کی جائے، جس میں عموماً مذہبی امور پر مسلمانوں کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے، اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت ہوتی ہے اور مذہبی وملی مسائل کا تاریخی وتجزیاتی مطالعہ ہوتا ہے، مسلم صحافت کے اس پہلے دور میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا- حیرت کی بات ہے کہ انگریزوں نے اپنی طاقت کے ابتدائی مرحلے میں ہی عیسائیت کی تبلیغ کا آغاز مختلف شعبوں سے کردیا تھا جس میں صحافت بنیادی کردار ادا کررہی تھی، لیکن مسلمانوں کی جانب سے کوئی مجلّہ یا رسالہ شروع نہیں کیا گیا، حالانکہ ردعمل میں اس کام کا آغاز ناگزیر تھا- اس کے علاوہ ۵۷ء سے پہلے ملک کے سیاسی حالات آ ایسے نہیں تھے جیسا کہ اس کے ^ ہوئے، مادی انقلاب نے ہندوستان کے دروازے پر دستک آ نہیں دی تھی اور نہ ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تپش کو کسی ''ازم'' نے ٹھنڈا کیا تھا- یہ سچائی ہے کہ اس وقت مسلمان سیاسی سطح پر جوUا رہے تھے مگر مسلم دشمنی کی ایک بڑی وجہ ان کے مذہبی اور ایمانی معاملات آ تھے- انگریزوں کے ذریعے فارسی زبان کے خاتمے کی کوشش اور اسلامی علوم وفنون کو مٹانے کی جدوجہد اسلام دشمنی کے روشن استعارے تھے-

یہ آ حقیقت ہے کہ ہر د + کی رہنمائی اور اشاعت اس کے علما ہی کرتے ہیں، اسلام

کا استحکام اور تبلیغ Ì علمائے شریعت کے ذریعے ہی ہوتی رہی ہے- حیرت ہے کہ برصغیر میں مسلم صحافت کے آغاز اور عروج میں علما نے ہی کمان سنبھالی، لیکن اپنے پہلے صحافتی دور میں انھوں نے ہی مذہبی صحافت کو بالکل نظر انداز کر دیا، دوسرے لفظوں میں صحافت کے ذریعے اسلام کے استحکام و تبلیغ کی کوشش سے پہلوتہی کی گئی- مسلم صحافت کا آغاز و ارتقا اگر علما کے ذریعے نہیں ہوا ہوتا تو یہ شکایت اتنی برمحل نہیں ہوتی جتنی مذکورہ حالت میں ہو جاتی ہے- یہ شکایت اس وقت اور Ì بامعنی ہو جاتی ہے جب یہ تکلیف دہ تاریخ سامنے آتی ہے کہ اس وقت علما کا ایک بڑا طبقہ منقولات اور دینی و ملی ضرورتوں سے صرف نظر کر کے -نانی فلسفے کی درس و تدریس اور عقول عشرہ، خرق والتئام فلک اور جزء الذی لایتجزیٰ کے رد و ابطال میں مصروف تھا- قد * فلسفے کی تردید پر مشتمل ان لاحاصل مصروفیات کا ایک عظیم دفتر آج Ì ریادگار لائبریر -ں میں محفوظ ہے- ستم یہ ہے کہ علما کی تدریس کا ایک بڑا حصہ آج Ì ان کے بطلان پر صرف ہو رہا ہے، حالانکہ برصغیر میں نہ اس وقت مذکورہ نظریات کا کوئی پرستار تھا اور نہ آج کوئی ان کا حامی و موید ہے- ایسے میں یہ سوال اپنی پوری توانائی کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے کہ مذہبی حلقے میں -نانی فلسفے کے تردید و ابطال کی یہ ہنگامہ آرائیاں کیوں اور کس کے لیے تھیں؟ ہزار کوششوں کے باوجود Ì میں آج تک اس کا کوئی تسلی j جواب اپنے آپ کو دے کر مطمئن نہیں کر سکا- یہ بات Ì بڑی حیران کن ہے کہ ستر ہو , اور اٹھارہو , صدی میں ہی -روپ کے اندر برپا ہونے والے جدید سائنسی انقلاب نے -نانی فلسفے کو رد کر دیا تھا اور اس کے بالمقابل ڈارون ازم، مارکسزم اور فرائڈ کے جنسی فلسفے کی بنیاد رکھ دی گئی تھی، جو براہ راست مذہبی ا° روعقائد سے متصادم تھے اور بشمول برصغیر دنیا کے بڑے خطے کے ذہن و فکر کو تہ و بالا کر رہے تھے، مگر -روپ کا یہ جدید فلسفہ نہ اس وقت علما کی دلچسپی کا موضوع تھا اور نہ آج ہے- ممکن ہے دو سو سالوں کے ^ جب کسی نئے فلسفے کی بنیاد پڑے تو وہ -روپ کے مذکورہ نظریات کی تدریس و تردید کی طرف متوجہ ہوں-

مسلم صحافت کے پہلے دور کی طرح دوسرے دور میں Ì مذہبی صحافت کا نام و نشان

نظر نہیں آتا، سوائے اس کے کہ کچھ اخبارات و رسائل کبھی کسی شمارے میں اپنی مضامین شائع کر دیا کرتے تھے- سرسید کے اخبار کے علاوہ دوسرے دور کی پوری مسلم صحافت پہلے پہل صحافت برائے صحافت پر عامل رہی، لیکن اپنے اخیر دور میں اس کی پوری توجہ آزادی وطن کی جدوجہد پر مرکوز ہو گئی- یہ صحیح ہے کہ دوسرے دور میں مسلم صحافت کا مرکزی موضوع آزادی وطن رہا اور یہ Ì سچ ہے کہ اس دور میں مذہبی صحافت کہیں نظر نہیں آتی، لیکن میری رائے میں باقاعدہ مذہبی صحافت کا آغاز اسی دور سے ہوتا ہے- یہ الگ بات ہے کہ اس آغاز کو وسعت نہیں مل سکی-

برصغیر میں صحافت کی مفصل تاریخ کا مطالعہ C تا ہے کہ سرسید احمد خاں نے ہی مذہبی صحافت کی بنیاد رکھی اور ۲۴ر دسمبر ۱۸۷۰ء میں علی گڑھ سے ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا- اس رسالے کا مقصد مسلمانوں کی دینی رہنمائی اور ان کی معاشرت کی اصلاح تھی- سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' کے پہلے ہی شمارے میں ''تمہید'' کے زیرعنوان اپنے مقصد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''بس ہمارا مطلب ہندوستان کے مسلمان , ئیوں سے ہے اور اس مقصد کے لیے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اس پرچے کے جہاں تک ہو سکے ان کے د + ودنیا کی بھلائی میں کوشش کر , -'' (ص:ا)

اس رسالے کے تعلق سے محمد افتخار کھوکھر نے تاریخ صحافت میں لکھا ہے کہ:

''تہذیب الاخلاق نے مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا- اس اخبار نے مسلمانوں کو فرسودہ روایات، رسومات کی اندھا دھند تقلید ترک کرنے کا مشورہ دیا، مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنی زندگیوں میں اسلام کو رائج کر , ،لڑکیوں کے لیے Ì تعلیم کا انتظام کر , اور ہر قسم کے علوم و فنون سے استفادہ کر , -''

(ص:۸۳ر مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان)

یہ بات Ì بڑی عجیب ہے کہ تہذیب الاخلاق کی بے پناہ شہرت و مقبولیت کے باوجود اس صدی کے آخر تک مذہبی صحافت کا کوئی دوسرا نقش سامنے نہیں آسکا، اس عرصے

میں اگر کوئی مذہبی رسالہ جاری ہوا Ì ہوگا تو اس کی عدم مقبولیت تاریخ صحافت میں اپنا اندراج نہیں کرا سکی- مسلم صحافت کے پہلے دور کی طرح دوسرے دور میں Ì مسلم صحافیوں اور علما کی سرگرمیوں کے موضوعات اور ان کی ترجیحات مختلف تھیں، جن میں مذہبی صحافت کی گنجائش نہیں تھی، جس کا خمیازہ مؤرخین کی بے اعتنائی، عوام کی عدم دلچسپی اور نامقبولیت کی شکل میں مذہبی صحافت آج تک بھگت رہی ہے، جب کہ اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا یہ ایک بڑا اور مؤثر ذریعہ ہوسکتا تھا- سرسید نے اس نوشتہ د-ار کو پڑھ لیا اور مذہبی صحافت کے ذریعہ مسلم سوسائٹی میں ذہنی وفکری انقلاب برپا کردیا- آج اسی کا نتیجہ ہے کہ برصغیر کی اصلاحی، صحافتی، ادبی اور تعلیمی تاریخ کے حوالے سے مؤرخین، محققین اور لکھنے والوں کی کوئی بات سرسید کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی-

مذہبی صحافت کے آغاز وارتقا میں سرسید کے نمایاں کردار کے اعتراف کے ساتھ یہ بات Ì اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ انہوں نے اپنی مذہبی صحافت اور مذہبی تحریروں کے زریعے د + کی جو تعبیر وتشریح پیش کی وہ ''اعتزالی فکر'' کی نئی شکل تھی، جو امت مسلمہ کے شدید مذہبی انحرافات کا سبب بن گئی- سرسید کی تعلیمی، صحافتی اور اصلاحی میدانوں میں گرانقدر خدمات کے باوجود علما سے ان کے شدید اختلافات کی وجہ مذکورہ تعبیر وتشریح ہی تھی- یہ نظریاتی اختلافات آگے چل کر ان کی تعلیمی، اصلاحی اور صحافتی تحریکوں پر Ì براہ راست اثر انداز ہوئے- سرسید کی مذہبی تشریحات اور امت مسلمہ پر ان کے اثرات کے حوالے سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ اقتباس قابل مطالعہ ہے:

''سرسید کے کام کو اصلاح اور تنقید عالی کے الفاظ سے تعبیر کرنا اور یہ کہنا کہ مسلمانوں میں ان کے ^ جتنی اہم مذہبی، سیاسی، اجتماعی، ادبی، تعلیمی تحریکیں اٹھی ہیں ان سب کا سررشتہ کسی نہ کسی طرح ان سے ملتا ہے، دراصل مبالغہ کی حد سے متجاوز ہے- سچ یہ ہے کہ ۵۷ء کے ^ سے اب تک جس قدر گمراہیاں مسلمانوں میں پیدا ہوئیں ان سب کا شجرۂ نسب بالواسطہ یا بلاواسطہ سرسید کی ذات تک پہنچتا ہے، وہ اس سرزمین میں تجدد کے امام اول تھے اور پوری قوم کا مزاج بگاڑ کے دنیا سے رخصت ہوئے-'' (ترجمان القران، شوال

۱۳۵۹ھ f الہ مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف، مولانا منظور نعمانی، ص:۹۲، مطبوعہ الفرقان بک ڈپو لکھنؤ)

مسلم صحافت کے تیسرے دور کو انقلابی عہد کہا جاسکتا ہے اس دور میں مسلم صحافت اپنے عروج پر تھی- اس دور میں اگر مذہبی صحافت کی بات کی جائے تو بیسو , صدی کے آغاز سے مذہبی صحافت کا باقاعدہ اجرا اور برصغیر کے مختلف خطوں سے اس کی اشاعتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے- اس عرصے میں ۱۹۴۷ء تک تقریباً ڈیڑھ سو مذہبی رسائل وجرائد کا سراغ ملتا ہے- مسلم صحافت کے اس تیسرے دور میں مولانا آزاد کے ''الہلال'' کو اگر مذہبی صحافت کے زمرے میں لایا جائے تو اس کے علاوہ کوئی Ì مجلّہ یا رسالہ شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی تک نہیں پہنچ سکا جہاں تک الہلال کے رسائی تھی- جہاں تک اس دور کی مذہبی صحافت کی افادیت کا تعلق ہے، اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اس ڈیڑھ سو رسائل کی فہرست میں ایسے کئی رسائل اور مجلّات سامنے آئے جو اپنے اپنے حلقوں میں مسلمانوں کی دینی وشرعی رہنمائی کا ذریعہ ¶ نیز ان کے ذریعے بالواسطہ اردو زبان کا فروغ Ì ہوا، کیونکہ اس دور میں فارسی زبان عملی طور پر ختم ہوچکی تھی اور جتنے Ì رسائل وجرائد منظر عام پر آرہے تھے وہ سب کے سب اردو میں تھے- ان میں قاضی عبدالوحید فردوسی کا ماہنامہ تحفۂ حنفیہ، پٹنہ (۱۹۰۸ء) اور مفتی عمر نعیمی کا السوادالاعظم، مرادآباد (۱۹۱۸ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں- اول الذکر نے تحریک ندوہ کے مسلکی اشتراک واتحاد کی پالیسی کے خلاف اہل سنت وجماعت کی طرف سے بنیادی کردار ادا کیا جبکہ موخرالذکر نے قیام پاکستان کی تحریک میں اپنے مشمولات اور فکر انگیز مضامین کے ذریعے نمایاں حصہ لیا- لیکن پہلا قاضی عبدالوحید کے انتقال کے ^ اور دوسرا تقسیم ہند کے ^ جاری نہ رہ سکا- ان کے علاوہ اس دور کے مذہبی رسائل وجرائد میں ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر (۱۹۱۸ء) ماہنامہ ترجمان القرآن، حیدرآباد (۱۹۳۲ء) ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ (۱۹۱۶ء) اور ہفت روزہ پیغام، کلکتہ (۱۹۲۱ء) کافی اہم تھے اور اپنے مشمولات اور اثرات کے اعتبار سے تمام معاصر رسائل پر فوقیت رکھتے تھے لیکن جب بات صحافت کے وسیع اثرات کی کی جائے تو اس بات کو Ì ماننا ہوگا کہ اس دور

میں کوئی Ì مذہبی مجلّہ یا رسالہ وسیع پیمانے پر مسلم معاشرے میں قابل ذکر اثرات قائم نہیں کرسکا-اس کی بنیادی وجہ ''داخلی عناصر'' (جس کی تفصیل ابتدا میں Ò ن کردی گئی) کی بے ترتیبی کے ساتھ ''مسلمانوں کی مسلکی تقسیم'' Ì تھی-

برصغیر کی مسلم تاریخ میں محققین کے ذریعے یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان مسلکی فرقہ بندی کی ابتدا شاہ اسماعیل دہلوی (۱۷۷۹ء/۱۸۳۱ء) کے ذریعے ہوئی ،جب انھوں نے ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴/۲۵ء) میں 'تقویۃ الایمان' نامی کتاب لکھی-اس کتاب کی اشاعت سے قبل مسلمانوں میں دو ہی فرقے مشہور تھے،ایک شیعہ اور دوسرا سنی-اس کتاب کی اشاعت کے ^ مختلف ادوار میں متعدد فرقے وجود میں آئے، جیسے وہابی،اہل حدیث،اہل قرآن، د - بندی، چکڑالوی، نیچری وغیرہ- ہر فرقہ اصول اور فروع میں خاص نظریات کا حامی وداعی تھا-اس طرح مسلمانان ہند مختلف فرقوں اور مسلکوں میں بٹتے چلے گئے-ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی یہ مسلکی تقسیم صرف نظریاتی اور فکری سطح تک محدود نہیں رہی، بلکہ ۵۷ء کے ^ ایک انسٹی ٹیوشن کی شکل میں جتنے مدارس وجود میں آئے ،مساجد تعمیر ہوئیں، تنظیمیں اور تحریکیں تشکیل پائیں، کتابیں لکھی گئیں ان سب پر مسلکی رنگ غالب رہا، کیونکہ ہر سطح اور ہر محاذ سے اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ اور دفاع کی کوششیں کی جارہی تھیں-اس ماحول میں جب مذہبی صحافت کی ابتدا ہوئی تو مسلکی تقسیم کا اثر اس پر Ì پڑا-کسی Ì مسلک کے صحیح یا غلط اور اس کے حق تبلیغ ودفاع کی c سے قطع نظر اس دور کے تمام مذہبی رسائل اپنے اپنے مسلک کی نمائندگی کررہے تھے،اس لیے ان میں سے کوئی ایک Ì امت کا رسالہ نہیں بن سکا- مذہبی صحافت کی یہ مسلکی تقسیم اس کی عام مقبولیت ،توسیع اور اثرات میں رکاوٹ بن گئی،اس لیے کہ ہر پرچہ اپنے خاص مسلکی نظریات کے ساتھ صرف اپنے ہی حلقے میں پڑھا جارہا تھا-یہ بات بالکل قطعی ہے کہ ہر چیز کے کچھ اپنے تقا 2 اور اصول ہوتے ہیں ،جن کی پاسداری ضروری ہوتی ہے-صحافت کے Ì اپنے تقا 2 اور اصول ہیں،جس کو حد سے زیادہ نظریاتی تسلط،تقسیم،ادعائیت،موضوعیت اور جانب داریت راس نہیں آتی-

۴۷ء کے ^ مسلم صحافت کے آخری دور میں اگر مذہبی صحافت کی بات کی جائے تو اس کی اشاعت واثرات کو دیکھ کر 1 خوشی نہیں ہوتی - ۴۷ء سے قبل مذہبی صحافت کی جو داخلی اور خارجی صورت حال تھی، وہ ۴۷ء کے ^ مزید بگڑتی چلی گئی اور جو اہم مذہبی رسائل و جرائد تھے، وہ یا تو بند ہوگئے یا پھر تقسیم کے ^ پاکستان منتقل ہوگئے- وقت گزرنے کے ساتھ برصغیر کے مذہبی کینوس پر مسلکی تقسیم کا رنگ جب مزید گہرا ہوا تو مذہبی صحافت کا دائرۂ اثر Ì 1 محدود ہوتا چلا گیا- اب ہمیں اگر مذہبی صحافت کی اشاعت، اثرات اور مشمولات کا جائزہ لینا ہو تو انہیں مسلکی خانوں میں تقسیم کرکے ہی لیا جاسکتا ہے-۴۷ء کے ^ کی یہ تمام صورت حال کے باوجود اگر مذہبی صحافیوں نے اس کے داخلی عناصر پر توجہ دی ہوتی تو آج مذہبی صحافت کا رنگ ہی الگ ہوتا، کیوں کہ —ل شخصے دنیا میں دو ہی چیز , قابل فروخت ہیں، ایک جنسیات اور دوسری مذہبیات- دراصل انسان مجموعہ ہے جسم اور روح کا-اس کی جسمانی طلب کی انتہا اگر جنسی لذتوں کا حصول ہے تو روحانی تسکین کا ذریعہ مذہب-اس لیے مذہبی صحافت سے عوام کی عدم دلچسپی، اس کی محدود اشاعت، مختصر زندگی اور بے ثمری کا ٹھیکرا عوام اور صحافت کے ''مذہبی عنوان'' کے سر پھوڑنے کی O ئے اپنے رو-ں پر غور کرنا چاہیے- اپنا محاسبہ انہیں یہ احساس ضرور دلائے گا کہ ہائی ٹیک ذرائع ابلاغ کی موجودہ صدی میں مذہبی رسائل کی پیش کش کا طر& کار کتنا پرانا ہے- سائنسی انقلاب کے ذریعے مادیت اور صارفیت کا جو سیلاب آیا ہے وہ مذہب، روحانیت اور انسانیت کو نگلنے کے لیے بے تاب ہے-جس سے معاشرے میں بے شمار جدید مسائل پیدا ہوگئے ہیں-ان جدید مسائل سے منہ پھیر کر مذہبی صحافت کے لیے جن موضوعات کا انتخاب کیا جارہا ہے، وہ کتنا غیر مفید اور بے فیض ہے-موجودہ صدی میں صحافت کو مؤثر تر + ¯ نے کے لیے ترسیل کی زبان کو دلچسپ، معروضی اور عام فہم ¯ نے کی کوشش تیز تر ہوتی جارہی ہے، جب کہ مذہبی صحافت کا اسلوب کتنا پیچیدہ اور فہم سے بالا تر ہے-مسلمانوں کی معاشی، تعلیمی اور سماجی مسائل پر توجہ مرکوز کرنے کی O ئے دور جاہلیت کے قبائل کی طرح فروعی مسائل پر طویل جنگ وجدال ان پر مستزاد-

مذہبی صحافت کے مذکورہ تمام مسائل کے ساتھ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں کچھ رسائل ایسے اٰ نکلے جو معاصر مذہبی رسائل میں اپنی تحریری، فکری اور علمی انفرادیت کی وجہ سے اپنے اپنے حلقوں میں مقبول ہوئے- ان میں اہل سنت و جماعت کا پندرہ روزہ ''جام کوثر'' کلکتہ، ماہنامہ ''جام نور'' کلکتہ، ماہنامہ ''پاسبان'' الٰہ آباد اور ان کے ^ ماہنامہ ''حجاز جدید'' دہلی (۱۹۸۸ء) قابل ذکر ہیں- اول الذکر دونوں رسائل علامہ ارشد القادری (۱۹۲۵ء/۲۰۰۲ء) کی زیر ادارت ۶۱/۱۹۶۰ء میں نکلے اور تین چار سالوں میں بند ہو گئے- اپنے مختصر عہد میں یہ دونوں رسائل اپنے مدیر کے اسلوب تحریر اور انداز فکر کی وجہ سے بے حد مقبول ہوئے- اسی طرح د - بندی مکتب فکر کا ''الجمعیۃ'' دہلی اور ماہنامہ ''تجلی'' د - بند- جماعت اسلامی کا سہ روزہ ''دعوت'' دہلی اور مولانا وحید الد + خان کا ''الرسالہ'' دہلی مذہبی معاصر رسائل و اخبارات میں نمایاں رہے- اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ صحافت خواہ وہ سیاسی ہو، ملی یا مذہبی، اپنے آپ میں کشش اور اثر اندازی کی صلاحیت رکھتی ہے- اس کے ذریعے وسیع پیمانے پر ذہن سازی، فکری تعمیر و ترقی، دعوت و تبلیغ اور اصلاحات کا ناقابل تنسیخ نقش معاشرے میں قائم کیا جا سکتا ہے- شرط یہ ہے کہ صحافت کو جبری اصول و نظام کی Oئے اس کے اپنے اصول اور تقاضوں کے تحت چلایا جائے-

---

مذہبی صحافت کی مذکورہ تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے ۲۰۰۲ء میں ہم نے ماہنامہ جام نور کی نشأۃ ثانیہ کا فیصلہ کیا اور اسی سال اکتوبر میں اس کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا- جدید پیش کش، updated موضوعات اور عصری اسلوب کے ساتھ اس کے داخلی عناصر کی صحیح تنظیم و ترتیب پر ½2 پور توجہ دی گئی، جس کا اثر یہ ہوا کہ مذہبی صحافت کے زوال کی کہی ان کہی داستانوں کو یکسر مسترد کرتے ہوئے یہ رسالہ ہند و پاک کے وسیع حلقے کی آواز بن گیا- اس کی اشاعت کے آٹھ برسوں میں کئی اہم تر + موڑ آئے، جہاں اس کی مقبولیت اور شہرت میں اضافہ ہوا، یہاں تک کہ مئی ۲۰۱۰ء سے اس کی اشاعت پاکستان سے ہونے لگی- شاید جام نور کی اشاعت اور مقبولیت کا یہ ایسا تاریخی سنگ میل ہے، جہاں تک مذہبی صحافت کی

پوری تاریخ میں کوئی دوسرا رسالہ نہیں پہنچ سکا- یہ بات ایک طرف جام نور کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور انفرادیت کا اشاریہ ہے تو دوسری طرف اس بات کا ثبوت کہ اگر موجودہ دور میں مذہبی صحافت عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور سنجیدہ و علمی لب لہجے میں ہو تو نہ صرف وہ وسیع حلقے میں پڑھی جائے گی بلکہ اس کے دوررس اثرات اٰ مرتب ہوں گے-

جام نور کو مقبولیت اور انفرادیت بخشنے میں دیگر 1 سے عوامل کے ساتھ جدید تقاضوں پر مشتمل اس کے مستقل کالمز کا نمایاں حصہ رہا ہے، ان کالموں میں خاص طور پر ''روبرو''، ''تحریری مباحثہ'' اور ''خامہ تلاشی'' قابل ذکر ہیں- ان میں اول الذکر کالم 'روبرو' کے تحت ہم نے برصغیر کی معروف مذہبی، ملی، سیاسی، ادبی، تعلیمی، تحریکی اور صحافتی شخصیات سے انٹرو - زلینے کا آغاز پہلے شمارے سے ہی کیا- اب جبکہ جام نور اپنی مسلسل اشاعت کے ۱۰۰/شمارے پورے کر چکا ہے، انٹرو - زلینے کی رسم اسی تسلسل سے جاری ہے- میرا خیال ہے کہ مذہبی رسائل و جرائد کی دنیا میں اس مستقل کالم کو جام نور کی ''اوّلیات'' میں شمار کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کیونکہ مذہبی صحافت کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں کسی اٰ رسالے یا جریدے نے مستقل کالم کے تحت مسلسل انٹرو - زلینے کا اہتمام نہیں کیا-

جام نور کی آٹھ سالہ اشاعت میں اب تک ہند و پاک کی تقریباً ۱۰۰/معروف شخصیات اور ان ا° روخیالات سے ہم اپنے قارئین کو متعارف کرا چکے ہیں- خیال آیا کہ ذاتی ا° ر، عالمی و ملکی حالات، شعر و سخن، علم و ادب، تاریخ و تصوف اور مسلمانوں کے داخلی اور خارجی مسائل پر مبنی ان گراں قدر انٹرو - زکو کتابی شکل میں محفوظ کر لیا جائے تاکہ آنے والی نسل اٰ ان ا° روخیالات سے رہنمائی لیتی رہے- زیر نظر مجموعے میں جن شخصیات کا انٹرو - ز شامل ہے ان کا تعلق مختلف میدانوں اور شعبوں سے ہے، اس لیے ''روبرو'' کے نام سے انٹرو - ز کے اس مجموعے کو تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلی جلد: علما و مشائخ پر مشتمل ہے-

دوسری جلد: ادبا، شعرا اور ناقد + ادب پر مشتمل ہے-

تیسری جلد: ملی، سیاسی، تعلیمی، تحریکی اور صحافتی شخصیات پر مشتمل ہے-

تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلے تین جلدوں میں انٹرو-ز کے اس منفرد مجموعے کو پیش کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ انٹرو-ز لینے میں مناسب شخصیت کا انتخاب سے لے کر سوالات کی ترتیب، وقت کا تعین، ریکارڈ کردہ جوابات کی نقل، اس کی ترتیب وایڈیٹنگ اور تعارفی خاکہ لکھنے تک جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان کی انجام دہی میں جام نور کی پوری ٹیم خاص طور پر مدیر جام نور ذیشان احمد مصباحی کا نمایاں رول رہا ہے- ان کی حصہ داری کے بغیر اس کام کا خوش اسلوبی سے انجام پانا ممکن نہیں تھا-

خوشتر نورانی

۱۰/نومبر ۲۰۱۰ء

شیخ ابوسعید احسان اللہ چشتی

زیب سجادہ آستانہ چشتیہ عارفیہ، سید سراواں (الہ آباد)

سید سراواں الہ آباد کی معروف خانقاہ عارفیہ، سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ صفویہ کی شاخ ہے جس کو عارف باللہ حضرت مخدوم شاہ عارف صفی قدس اللہ سرہ (متوفی ۱۳۲۰ھ) نے قائم کیا تھا- شیخ طریقت حضرت شاہ ابوسعید احسان اللہ محمدی چشتی صفوی اسی آستانے کے زیب سجادہ ہیں- آپ اپنے والد گرامی کے چچا، شہزادۂ بانیٔ خانقاہ حضرت شاہ احمد صفی قدس اللہ سرہ کے مرید وخلیفہ ہیں- آپ کی ولادت سید سراواں کے قد * عثمانی خانوادے میں ۱۹۵۸ء میں ہوئی - ابتدائی تعلیم جناب علی ظہیر چشتی صابری نقشبندی علیگ مرحوم اور والد گرامی حضرت حکیم آفاق احمد ملقب نہال عارف قدس اللہ سرہ سے حاصل کی، جبکہ آپ کی پرورش آپ کے خالو جناب شکیل احمد عثمانی کی کفالت وسرپرستی میں ہوئی - جولائی ۱۹۷۵ء میں آپ نے علی گڑھ مسلم - نیورسٹی میں بی-اے (فارسی) میں داخلہ لیا - علی گڑھ میں تعلیم کے درمیان ہی بانیٔ خانقاہ کے سالانہ عرس کے موقع پر ۱۷/ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ کو آپ کے مرشد نے آپ کو بیعت کیا اور سلاسلِ ار > کی خلافت واجازت اور آستانے کی سجادگی سے نوازا - ۱۹۹۳ء میں فقہ وتصوف اور شریعت وطریقت کے جامع افراد تیار کرنے کے لیے ''جامعہ عارفیہ'' قائم کیا - آپ کی مثنوی ''نغمات الاسرار فی مقامات الابرار'' مسائل ومباحث تصوف میں اردو میں متن کی حیثیت رکھتی ہے- آپ بیعت وخلافت میں نہایت محتاط ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے مرید + وخلفاء کی تعداد کم ہے، غیر مسلموں میں آپ نے دعوت وتبلیغ کا اہم کام انجام دیا ہے، تقریباً سو سے زائد لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے ہیں- حال ہی میں آپ کی نگرانی میں تصوف پر برصغیر سے پہلی بار علمی ودعوتی مجلّہ کتابی سلسلہ ''الاحسان'' شائع ہوا ہے-

سوال:-علماے ربانیین کون ہیں؟اور علماے سوء کی شناخت کیا ہے؟

شیخ ابوسعید چشتی:-علماے ربانیین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی صحبت میں اللہ یاد آئے اور آخرت کا یقین مضبوط ہو جن کی زندگی "**اِنّ صَلاتی وَنُسکی ومحیایَ ومماتي لِلّٰہ رب العٰلمین**" کا کامل مظہر ہو، جو دنیا میں رہتے ہوئے Ĩ دنیا سے الگ ہوں، جنہیں دنیوی کاروبار اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر سکے، ان کے پیش نظر صرف د + کی اشاعت وتبلیغ ہو، ان کی قربت ومعیت میں انسان کو اپنی خامی وکوتاہی کا اعتراف ہو، عجز وانکسار پیدا ہو، معصیت سے بچنے کا عزم وارادہ محکم ہو، طاعات کی طرف میلان وشوق میں اضافہ ہو، راہ خدا میں انفاق کا جذبہ بیدار ہو-

اور علماے سوء وہ ہیں جو د + کو دنیا حاصل کرنے کے لیے استعمال کر , ، جن کے قول وفعل میں تضاد ہو، دوسروں کو اللہ کا راستہ C ئیں اور خود عمل سے دور رہ کر حقیر دنیا کی تلاش میں سرگرداں رہیں، جن کی صحبت د + سے بے رغبتی پیدا کرے، اللہ سے غفلت کا سبب ¶ ، غرور وتکبر کا باعث ہو اور وحسد، کینہ وعداوت اور غیبت وعیب جوئی جیسے ناپسندیدہ امور کی طرف لے جائے- ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے بزرگوں نے منع فرمایا ہے-

سوال:-اسلامی دعوت کا سلسلہ جو ابتدائی ادوار میں تھا، ^ میں کیوں رک گیا؟

شیخ ابوسعید چشتی:-افراد امت کے دل ودماغ پر جب تک "**کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر**" کا حقیقی مفہوم غالب رہا "**قوا انفسکم واهلیکم نارا**" پر جب تک عمل پیرا رہے اور "**ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة**" کے مقتضا ومنشا پر تبلیغ قائم رہی تو اسلامی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہا، اور جیسے جیسے خیر امت کو اپنی ذمہ دار -ں اور دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت کا احساس ختم ہوتا گیا، اسلامی دعوت کا کام ماند پڑتا گیا، حالانکہ د + کا کام جوش وجذبہ اور اخلاص کے ساتھ ساتھ ایثار وقربانی چاہتا ہے ۔

خود خدا کہتا ہے تم میں کچھ کر , تبلیغ د ,

اس کا یہ مطلب نہیں نا اہل Ĩ دیکھے یہ خواب
کا رِد , اوروں کی خاطر کودنا ہے آگ میں
یہ نہیں سبزوں کی جانب â بکری کا شتاب

آج Ĩ اگر افراد امت اسی احساس اور جذبہ وخلوص کے ساتھ دعوت واصلاح کا کام کر , تو ان شاء اللہ ضرور ہوگا-

سوال:-موجودہ ہندوستانی پس منظر میں آپ تصوف اور خانقاہ کو کتنا متحرک پاتے ہیں؟

شیخ ابوسعید چشتی:-موجودہ ہندوستانی پس منظر میں خانقاہیں اس طرح متحرک نہیں جیسا کہ ہونی چاہیے، **الا ماشاء اللہ**، البتہ علمی تصوف کچھ نہ کچھ متحرک ضرور ہے، لیکن یہ حرکت انسانیت کو روحانی سکون فراہم کرانے کے لیے کافی نہیں ہے-

سوال:-ایک خاص طبقہ کا الزام ہے کہ تصوف جامد غیر فعال اور اباحیت پسند ہے، اس تعلق سے آپ کیا فرماتے ہیں؟

شیخ ابوسعید چشتی:-تصوف نام ہے اسلام اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے تزکیۂ نفس، اخلاق حسنہ اور احسان کو حاصل کرنے کا، جب اصل تصوف یہ ہے تو بلا شبہ تصوف جامد غیر فعال اور اباحیت پسند ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسلام وایمان کا تقاضا اس کے بر خلاف ہے- وہ لوگ تو تصوف اور حقیقتِ تصوف سے آشنا ہی نہیں ہیں جو اس طرح کی بے بنیاد تہمتوں پر اپنا نظریہ قائم کرتے ہیں، جو کچھ وہ تصوف کے نام پر اپنے اردگرد پا رہے ہیں اس کا حقیقی تصوف سے دور کا Ĩ واسطہ نہیں ہے، اس طرح کا الزام لگانے والے معذور ہیں، ان کو چاہیے کہ تصوف کو کسی حقیقی صوفی کی صحبت میں رہ کر سمجھیں کیونکہ تصوف صرف ایک فکر نہیں بلکہ مکمل عمل پیہم کا نتیجہ ہے-

سوال:-تصوف، سریت وباطنیت میں بنیادی فرق کیا ہے؟

شیخ ابوسعید چشتی:-شریعت کے ظاہری احکام پر عمل کرتے ہوئے ان کے باطنی آداب کی رعایت وپاس داری کا نام تصوف ہے- اور شرعی احکام کو غیر ضروری سمجھ کر ظاہری

عمل کو ترک کر دینا، صرف باطن پر توجہ کا دعویٰ کرنا باطنیت ہے جو سراسر گمرہی اور اسلامی نظریہ کے منافی ہے۔

سوال:- رہبانیت کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور ایک صوفی اور ایک راہب میں کیا فرق ہے؟

شیخ ابوسعید چشتی:- رہبانیت (عزلت، گوشہ نشینی، اعتکاف) کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اسلام کے اصولوں اور احسان کے ضا ں پر عمل کرتے ہوئے خوف خدا اور رضائے الٰہی کی خاطر تزکیہ نفس میں مشغول ہوجانا جسے مجاہدۂ نفس آ کہتے ہیں سورۂ حدید کے اندر اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رأفۃ ورحمۃ ورهبانیۃن ابتدعوها ما کتبنا ها علیهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعو ها حق رعایتها فاٰتینا الذین اٰمنو ا منهم اجرهم و کثیر منهم فٰسقون مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے کچھ تقا 2 ہیں جن کی پاس داری از حد ضروری ہے۔ ان تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر کوئی اسے اختیار کرتا ہے تو ایسی رہبانیت باعث اجر وثواب ہے ورنہ عذاب وعتاب کا سبب۔

جیسا کہ مذکورہ آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ قوم نے رضائے الٰہی کے لیے رہبانیت ایجاد کی حالانکہ اللہ نے ان پر یہ فرض نہیں کیا تھا پھر ان میں سے اکثر لوگ اس کے حقوق کی رعایت نہ کر سکے جس کے سبب وہ عذاب کے مستحق ٹھہرے اور جن لوگوں نے اس کی رعایت کی ان کو ان کے رب کی طرف سے اجر عطا کیا گیا۔

اگر رہبانیت عبث ہوتی تو اصحاب کہف نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ آ عبث ہوتا مگر ان کی رہبانیت میں شریک ہونے والا کتا آ جنتی ہوگیا اور اگر مطلق یہ ممنوع ہوتی تو نبی کر* ﷺ غار حرا میں نہ جایا کرتے اور نہ اصحاب صفہ گھر بار چھوڑ کر مسجد میں گوشہ نشین ہوتے۔ حدیث "**لا رهبانیة فی الاسلام**" کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسے کہ "**کل بدعة ضلالة**"۔ نہ ہر بدعت گمراہی، نہ ہر رہبانیت ممنوع۔

ابن جریر نے ابن مسعود کے حوالے سے 0ن کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: ہم سے پہلے لوگ اکہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے ان میں سے صرف تین فرقوں نے نجات پائی باقی ہلاک ہوگئے، ان میں سے ایک فرقہ بے د + وظالم بادشاہ کے سامنے سینہ سپر ہوگیا اور ان سے د + عیسوی کی حمایت میں قتال کیا تو بادشاہ نے ان کو شہید کر دیا دوسرا فرقہ جس میں قتال کی قوت نہ تھی پھر آ انھوں نے د + عیسوی کی تبلیغ جاری رکھی، بادشاہ نے انہیں آ شہید کروا دیا تیسرا فرقہ جس کے اندر نہ تو قتال کرنے کی قوت تھی اور نہ ہی تبلیغ کے لیے حالات سازگار تھے جس کی وجہ سے وہ پہاڑوں میں روپوش ہوگئے اور رہبانیت اختیار کی۔

سوال:- وحدۃ الوجود کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور کیا یہ تصور ہندو فلسفے سے ماخوذ ہے؟

شیخ ابوسعید چشتی:- وحدۃ الوجود کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ واجب الوجود کے سوا موجود بالذات حقیقت میں کوئی نہیں، وجود حقیقی صرف اور صرف اسی کا ہے، جو ہر اعتبار سے حلول واتحاد اور شرکت ودوئی سے پاک ومنزہ ہے۔ **قل هو اللہ احد، ولم یکن له کفوا احد** اللہ تھا اور نہیں تھی اس کے سوا کوئی شئ **کان اللہ ولم یکن معه شئ غیرہ** وہ اپنی ذات وصفات میں تغیر وتبدل سے پاک ہے **الآن کما کان** اب آ وہ ایسا ہے جیسا کہ تھا۔

محال تھا کوئی ہوتا یہاں سوا اس کے
یہ کل جہان ہے منت پذیر کم نظری
جو آ کائنات میں نظر آ رہا ہے
سب کمال نگہ ساقی میخانہ ہے
موج مے ہے نہ صراحی ہے نہ پیمانہ ہے

یہ تصور کہ وحدۃ الوجود ہندو فلسفہ سے ماخوذ ہے ہرگز درست نہیں۔ یہ تو خالص ایمان اور حقیقی اسلام ہے کہ موجود بالذات صرف اور صرف اللہ ہے، وہی حاضر ہے، وہی ناظر ہے، وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے، وہی مالک الملک وحدہ لا شریک لہ ہے۔ حقیقت میں صرف وہی مطاع اور حاکم ہے، ارادہ اور مشیت ہے تو صرف اسی کا ہے، فاعل مطلق ہے تو صرف وہی ہے، کتاب وسنت کے مطابق لا موجود الا اللہ کے

معنی یہی ہیں-واجب الوجود کے سوا جو Ì وجود ہے ممکن الوجود ہے، باقی صرف اور صرف اسی کی ذات ہے جو واجب وقد * ہے" **کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام**"

ممکن الوجود پر نظر کے اعتبار سے ''ہمہ از اوست'' یعنی ہمہ تجلیات از اوست-اور واجب الوجود پر نظر کے اعتبار سے ''در ہمہ تجلیات متجلی خود اوست''

سوال :-وحدۃ الوجود لوگوں کو منجمد کرتا ہے، اس رائے سے آپ کہاں تک اتفاق کرتے ہیں؟

شیخ ابوسعید چشتی:-ہم اس رائے سے بالکل اتفاق نہیں رکھتے، اس لیے کہ وحدۃ الوجود ایک حال ہے جو سالک پر طاری ہوتا ہے غیر سالک اس کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے، سالک اس حال میں اپنی ذات سے فانی اور حق سے باقی ہوتا ہے، وہ اپنی مرضی سے کوئی فعل نہیں کرتا بلکہ اس کا ہر فعل اللہ کے ارادہ ومشیت کے تحت صادر ہوتا ہے- سالک اس حال میں ایک آلہ کی مانند ہوتا ہے اور حق تعالیٰ فاعل ہوتا ہے ۔

اختیارم چوں قلم باشد بدست ذات او
کار او کار من است وکار من کار اوست

سوال:-موجودہ دور میں خانقاہیں دعوت وتبلیغ میں کیا کردار ادا کرسکتی ہیں؟

شیخ ابوسعید چشتی:-موجودہ دور روحانی اضطراب اور بے چینی کا دور ہے، ہر عام وخاص روحانی سکون کی تلاش میں ہے اور صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں افراد آئے دن گمراہ ہو رہے ہیں، انسان اختلافات سے دور ہو کر پرسکون اطمینان j زندگی کا متلاشی ہے مطلوب تک رسائی کے درست طریقے ہاتھ نہ آنے کی بنیاد پر اکثر لوگ ''وحدۃ ادیان'' کا قول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو بلاشبہ گمراہی ہے، ایسا صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ خانقاہیں متحرک نہیں ہیں، خانقاہیت کا مقصد فوت ہو گیا ہے، اکثر خانقاہوں میں شیروں کی جگہ لومڑ-ں نے لے لی ہے ۔

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی

آج Ì اگر تمام خانقاہیں مکمل طور سے فعال ہو جائیں تو خانقاہوں کا برپا کیا ہوا ایمانی وروحانی انقلاب تمام عالم پر چھا جائے-

دعوت وتبلیغ کے لیے یہ دور ادوار ماضیہ سے زیادہ مناسب ہے، دعوت واصلاح کے میدان میں جن دشوار-ں کا سامنا ہمارے متقدمین صوفیہ کو رہا وہ دشواریاں ہمارے لیے نہیں ہیں- بلکہ ذرائع ووسائل کی فراہمی کے سبب موجودہ دور میں دعوت وتبلیغ کا کام آسان سے آسان تر ہو گیا ہے، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ موجودہ دور میں خانقاہیں دعوت وتبلیغ کے میدان میں اہم کلیدی رول ادا کرسکتی ہیں شرط ہے کہ خانقاہیں حقیقت میں خانقاہ ہو جائیں اور خانقاہوں میں رہنے والے حضرات مکارم اخلاق کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال کر صداقت وامانت کا پیکر بن جائیں-

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکر عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا

سوال:-آپ خانقاہیت اور درگاہیت میں کسی تفر & کے قائل ہیں؟

شیخ ابوسعید چشتی:-نام سے کچھ نہیں ہوتا نیت اور خلوص سے ہوتا ہے ۔

جو ہو للّٰہیت تو د + بن جاتی ہے یہ دنیا
اگر اغراض ہوں تو د + Ì بدتر ز دنیا ہے

نام کچھ Ì رکھ دیا جائے کام اچھا ہو تو اچھا، ورنہ نہیں، خانقاہیت کو درگاہیت کہا جائے یا درگاہیت کو خانقاہیت کہا جائے بات برابر ہے، اپنی اپنی اصطلاح ہے، جیسے مسلسل اعتکاف کرنے کو رہبانیت کہے یا وہ رہبانیت جو رہبانیت کا سبب ¶ اعتکاف مسلسل کا نام دے دے، ایک انسان تجارت میں غرق ہے اور مقصد ہے کہ جو مال حاصل ہو گا د + کی اشاعت میں صرف کروں گا، تو یہ انسان اس عابد شب زندہ دار سے بہتر ہے جو عابد شمار ہونے کے جذبہ کے تحت عبادت کرتا ہے، حالانکہ ظاہر برعکس ہے-کمال صرف نیت وارادہ کا ہے ''**انما الاعمال بالنیات**''

سوال :-تصوف اور تفقہ میں باہم کیا رشتہ ہے؟ اور ایک خانقاہ اور ایک مدرسے میں کیا تعلق ہونا چاہیے؟

شیخ ابوسعید چشتی :-تعلق باللہ پیدا کرنے کے لیے نفس کے تزکیہ کا نام تصوف ہے اور تعلق باللہ کے لیے غور وفکر کے ذریعے علوم وذرائع کی تفتیش وتحقیق کا نام تفقہ ہے گویا کہ تفقہ ایک تفکیری عمل ہے اور تصوف اس تفکیری عمل کا عملی سلوک ہے، اسے -ں ا واضح کیا جا سکتا ہے کہ تفقہ عمارت کے تعمیری لوازمات ومنسلکات ہیں اور تصوف تعمیری عمل ہے -تفقہ اور تصوف دونوں کا مطلوب ومقصود ایک ہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ دونوں دو الگ الگ مرحلے کا نام ہے-

مدارس وخانقاہ دونوں کا مدعا ومطلوب 3/4 حال ایک ہے مگر دونوں کے کام الگ الگ ہیں نوعیت کار بدلی ہوئی ہے، اسی تبدیلی کے سبب دونوں میں فرق نظر آتا ہے مگر واضح رہے کہ دونوں غیر مربوط نہیں بلکہ ایک دوسرے سے متعلق ہیں، اس لیے کہ مدرسہ علوم وفنون کے حصول کی جگہ ہے اور خانقاہ ان علوم کو تعلق باللہ کے لیے عملی شکل دینے کی جگہ-

تفقہ وتصوف اور مدرسہ وخانقاہ کا باہمی ارتباط اس طرح ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ناقص و نامکمل ہیں- اگر کوئی صرف تفقہ میں لگ جائے اور تصوف سے علاحدگی اختیار کر لے تو ناپختہ اور دم بریدہ ہے، ایسے ہی جو کوئی تفقہ کے بغیر تصوف میں غرق ہو تو وہ گمراہ وزند& ہو سکتا ہے- اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تلاش منزل میں نامعلوم راستہ پر چل پڑے-

اس لیے تفقہ اور تصوف دونوں کو ایک دوسرے سے الگ تصور کرنا غلط ہے- ان کے باہمی ربط کو سمجھنے کے لیے امام مالک کا یہ قول نہایت جامع ہے "**من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق**" (جس نے فقہ حاصل کیا اور صوفی نہیں — وہ فاسق ہو گیا اور جو صوفی — مگر فقہ حاصل نہیں کیا وہ زند& ہو گیا اور جس نے دونوں چیز , حاصل کر لیں اس نے حقیقت کو پالیا-) اور امام اعظم کا ارشاد فرمانا "نعمان ہلاک ہو گیا ہوتا اگر دو سال جعفر صادق رضی اللہ

عنہ کی صحبت میں نہ رہتا"-

سوال:-تصوف اور صوفیہ کا مستقبل کیا ہے؟ کیا تصوف کا دور ختم ہو گیا؟

شیخ ابوسعید چشتی:-"ماہما نیم کہ بود * وہماں خواہد بود" تصوف کا دور تھا، ہے اور رہے گا-تصوف کا کام ہے انسانی روحوں کو سکون فراہم کرنا، معاشرہ کو پرامن — نا اور بندوں کا تعلق ان کے رب حقیقی سے جوڑنا، انسانیت کو اس کی ہمیشہ ضرورت ہے، جب دنیا میں بد امنی وانتشار کا ماحول پیدا ہوتا ہے تو انسانیت بلبلا اٹھتی ہے اور سکون واطمینان کی متلاشی ہوتی ہے، مالک حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتی ہے اور اس کا مداوا صرف اور صرف تصوف ہے- بلاشبہ تصوف کا دور باقی رہے گا اور جب تک تصوف رہے گا صوفیہ پیدا ہوتے رہیں گے- جب جب انسانوں کو کسی مربی اور مرشد کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ ایسے افراد دنیا میں بھیجتا رہے گا، اس کی رحمت کے دروازے بند نہیں ہوئے ہیں-

عالمی تناظر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تصوف اور صوفیہ کا مستقبل اچھا اور روشن ہے، کیونکہ آج کا انسان داخلی وخارجی اضطراب سے عاجز آ کر روحانی سکون کی تلاش میں ہے اور یہی وہ وقت ہے جہاں صوفیہ کی ضرورت بڑھ جاتی ہے-

سوال:- ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

شیخ ابوسعید چشتی:- ماہنامہ جام نور مذہبی رسائل میں اپنی ایک جداگانہ شناخت رکھتا ہے، ہر ماہ علمی، تحقیقی اور اصلاحی مواد پیش کرتا رہتا ہے- قارئین "**خذ ما صفا ودع ما كدر**" پر عمل کرتے ہوئے اس سے استفادہ کر , - ماہنامہ کے ذمہ داروں سے گزارش ہے کہ وہ صدق واخلاص کے ساتھ اس دینی مشن پر قائم رہیں اور اس رسالے کو دنیا کے O ئے آخرت کا توشہ — ئیں- اللہ ہم سب کو شریعت حقہ پر عمل کرتے ہوئے ارادت کاملہ کے ساتھ صوفیہ کی خدمت کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین **بجاہ سید المرسلین** □□□

(شمارہ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

مولانا احمد القادری مصباحی

بانی وسربراہ اسلامک اکیڈمی، امریکہ

مولانا احمد القادری مصباحی کا شمار ذی علم شخصیات میں ہوتا ہے- آپ کی پیدائش ۱۲ر رجب ۱۳۷۸ھ ضلع اعظم گڑھ - پی کے ایک گاؤں ''بھیرہ ولید پور'' میں ہوئی- ابتدائی تعلیم کے ^ حفظ قرآن کے لیے مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد گئے اور تکمیل الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں کی، یہیں سے قرات حفص اور درس نظامی کی سند Ì اعلی پوزیشن کے ساتھ ۱۹۸۳ء میں حاصل کی- علم حدیث وفقہ اور طریقت میں Ì متعدد اکابر سے آپ کو اجازت حاصل ہے- فراغت کے ^ بالترتیب دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، دارالعلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد، مدرسہ مدینۃ العلوم ¯رس اور پھر اخیر میں الجامعۃ الاشرفیہ میں تدریسی خدمات سے منسلک رہے- مولانا احمد القادری بہتر + مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ داعیانہ خوÇں سے Ì متصف ہیں، انہیں خوÇں کی وجہ سے ۱۹۹۵ء میں افریقہ کا سفر کیا- یہاں آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے دوران تقریباً ایک سو افراد آپ کے ہاتھ پر اسلام سے مشرف ہوئے- اسی غرض سے ۱۹۹۷ء میں امریکہ کا سفر کیا- یہاں پہنچ کر آپ نے ''اسلامک اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی، اکیڈمی کے تحت حفظ وقراءت، افتاء وارشاد اور درس نظامی جیسے اہم شعبے ہیں اور تاحال اس کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا فریضہ Ì انجام دے رہے ہیں- مولانا تبلیغ وتدریس کے ساتھ ساتھ فقہ وافتاء میں Ì اچھا درک رکھتے ہیں، امریکہ پہنچ کر انہوں نے سمت قبلہ، اوقات نماز جیسے بڑے بڑے مسئلوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے- ان سب کے ساتھ ایک اچھے قلمکار Ì ہیں، اب تک ان کے تقریباً نصف درجن تراجم اور رسالے شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں-

سوال :- مشرق کی ایک عظیم دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ کے منصب تدریس کو چھوڑ کر مغرب میں منصب دعوت وتبلیغ سنبھالنے کے ^ آپ نے کیسا محسوس کیا؟

مولانا احمد القادری:- الجامعۃ الاشرفیہ اپنا مادر علمی ہے، وہاں جو سہولتیں حاصل ہیں، یہاں کہاں میسر؟ وہاں طلبہ اور شائقین علم د + کی کثرت ہے- گنجائش نہ ہونے کے سبب کتنے طلبہ اشرفیہ سے واپس ہوتے ہیں، یہاں طالبان د + چراغ لے کر تلاش کرنے سے Ì ضرورت کے مطابق نہیں مل پاتے- وہاں مشفق اساتذہ کرام کی سرپرستی حاصل ہے، پیچیدہ عبارات اور علمی مسائل میں ان کی رہنمائی مل جاتی ہے اور یہاں سب مفقود ہے- وہاں کام کرنے کے لیے µ¯ئی فیلڈ موجود ہے اور یہاں ¯نا ہے- وہاں درس وتدریس کا ایک ¯¯ یا ماحول ہے، یہاں ماحول سازی کرنی ہے، وہاں جامعہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ذرائع آمدنی پیدا کرنے کی فکر اساتذۂ کرام کو نہیں کرنی ہے، اس کے لیے مخلص انتظامیہ کا پورا عملہ موجود ہے اور یہاں خود ہی سب کچھ کرنا ہے-

یہاں کے لیے یہ مثل صادق آتی ہے- کنواں کھودو، پانی نکالو

گویا پہلے یہاں کنواں تیار کرنا ہے پھر اس سے پانی نکال کر اپنی علمی پیاس بجھانی ہے اور وہاں کنواں موجود ہے، اپنے ہاتھ سے پانی Ì نہیں نکالنا ہے- مخلص طلبہ کی ایک قطار پانی لیے کھڑی ہے، بس پینا ہے- o% لوگ اس نعمت کی قدر نہیں کرتے، شائقین طلبہ درس گاہ میں اسباق کے لیے حاضر ہیں اور معلم صاحب باہر کہیں گپ شپ میں مصروف ہیں - زمانہ امتحان آگیا، حاضر رہتے ہوئے نصاب تعلیم مکمل نہیں ہو پاتا جبکہ دیگر مخلصین اساتذہ کا نصاب امتحان سے 1 پہلے ہی پورا ہو چکا ہوتا ہے-

ہم نے محسوس کیا کہ کوئی دینی علمی انقلاب لانے کے لیے یہاں خود ہی کچھ کرنا ہوگا- اسی احساس کے پیش نظر ۲۰۰۱ء میں داعی اسلام حضرت مولانا بدر القادری صاحب دامت برکاتہم ہالینڈ کی سرپرستی میں اسلامک اکیڈمی کا قیام کرایہ کے ایک سینٹر میں عمل میں آیا- پھر آگے چل کر ۲۰۰۳ء میں عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلی الجامعۃ

الاشرفیہ مبارک پور جن دنوں امریکہ تشریف لائے تھے ان کی دعاؤں کے ساتھ اسلامک اکیڈمک کے زیر اہتمام دارالعلوم عزیزیہ کرایہ کی ایک ¤نگ میں قائم ہوا-مشرق میں دینی علمی انقلاب برپا کرنے والی عظیم شخصیت الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مبارکپوری علیہ الرحمہ کے اسم گرامی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام دارالعلوم عزیزیہ رکھا گیا، پھر حافظ ملت کا فیضان رنگ لایا اور ۲۰۰۳ء میں ایک ایکڑ سے زائد وسیع وعر ! زمین لب روڈ خاص درمیان شہر خریدی گئی اور حافظ ملت علیہ الرحمہ ہی کے اول تر + شاگرد حضرت مولانا قاری مصلح الد + علیہ الرحمہ کے داماد وخلیفہ پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم نے ۶ رمئی ۲۰۰۷ء کو اپنے مبارک ہاتھوں سے دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا اور چند ہی ماہ ^ ۱۲ راگست ۲۰۰۷ء میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ایک بڑے لائق اور قابل فخر تلمیذ رشید حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی دامت برکاتہم جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے مبارک ہاتھوں دارالعلوم کی نئی ¤نگ کا افتتاح عمل میں آیا- زمین کی خریداری سے ¤نگ تک انڈ + کرنسی سے تقریباً پونے دو کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور دارالعلوم کے منصوبے کے مطابق تقریباً ۸ رکرور روپے کا تعمیری کام ا آ باقی ہے-اللہ کرے جلد اس کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے-آمین-

الحمد للہ! افتتاح کے دن سے اب تک دارالعلوم اپنی خود کی ¤نگ میں بحسن وخوبی چل رہا ہے-جس سے یہ محسوس ہوا کہ اگر محنت اور خلوص سے کام کیا جائے تو بنجر زمین آ آباد ہوسکتی ہے-

نہ ہو ما-س اے اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

سوال :-برصغیر ہندوپاک میں اہل سنت وجماعت کو نوزائیدہ فرقوں اور جماعتوں کے ساتھ ہمہ وقت تصادم اور تکرار کی صورت ہے، کیا امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں آ یہی حال ہے، یا صورت حال کچھ مختلف ہے؟

مولانا احمد القادری:-برصغیر ہی کی طرح یہاں آ فرق باطلہ سے تصادم رہتا ہے مگر

یہاں کی صورت قدرے مختلف ہے-

وہاں گرم وسرد ہر طرح کی جنگ رہتی ہے، کبھی زبانی تصادم ہوتا ہے کبھی قلمی-کبھی اینٹ پتھر کی نوبت آ جاتی ہے اور کبھی کبھی قتل وقتال اور خوں ریز جنگ ¤ک اٹھتی ہے، یہاں زیادہ تر زبانی یا قلمی تصادم ہوتا ہے- ظاہری جنگ وجدال کے بغیر اپنی تحریک مضبوط کرنے کی کوشش میں ہر فرقہ سرگرم عمل ہے، مگر باطل پرست اہل حق سے وعناد اور در پردہ دشمنی ضرور رکھتے ہیں اور اہل حق کی سعی اور ان کی تحریک ناکام ¯نے کی فکر میں لگے رہتے ہیں- اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے-آمین

سوال :-مغرب میں فتنۂ قادیانیت کا زور کتنا ہے اور کیا اہل حق اس کے مقابل قابل قدر دفاعی جہاد فرمارہے ہیں؟

مولانا احمد القادری:-اہل حق کے لیے قادیانیت سے زیادہ خطرناک وہابیت اور اس سے زیادہ د - بندیت ہے- قادیانیت کا اثر کم لوگ قبول کرتے ہیں، وہابیت کا زیادہ اور اس سے زیادہ د - بندیت کا- کیونکہ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ ہمارے خاتم پیغمبراں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ^ کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا اور قادیانی غلام احمد کو نبی مانتے ہیں اس لیے مسلمان ان سے ہوشیار رہتے ہیں-

برخلاف وہابیت اور د - بندیت کے، یہ لوگ اپنے کو اہل سنت کہتے اور لکھتے ہیں- عام مسلمان جو ان کے توہین رسالت کے عقائد سے واقف نہیں ہوتے انہیں آ حق پرست اور سنی سمجھ کر ان کی تحریک میں شامل ہو کر ان کے دست وبازو بن جاتے ہیں- پھر رفتہ رفتہ ان کی تحریک کا حصہ بن کر اپنے اسلاف، اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے مسلک سے منحرف اور باغی بن کر شدید مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں- اس لیے اہل سنت کو اپنے اس قریبی اور خطرناک حریف سے ہوشیار کرنے کی زیادہ ضرورت ہے-

سوال:-یہ بات کہی جارہی ہے کہ مغرب اب مشرق خصوصاً اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے اور آنے والا دور مغرب کا نہیں، مشرق کا ہے، اس رائے سے کہاں تک اتفاق رکھتے ہیں؟

مولانا احمد القادری:-یہ بات تو ظاہر ہے کہ د + پر عمل اور اس کی دعوت-عقائد و

نظریات اہل سنت کی ترویج واشاعت مغرب میں مشرق سے زیادہ آسان ہے- اسلام کی دعوت پیش کرنے، قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی ہے، ہندوستان میں دستور ہند کے مطابق مذہبی آزادی ضرور حاصل ہے مگر عملاً پوری آزادی نہیں، تحریر تک محدود ہے- وہاں اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرے تو اس کا یہ بنیادی حق تسلیم نہیں کیا جاتا، وہ ہر قسم کی اذیت سے دوچار ہوتا ہے، بلکہ جس مسلمان کے ہاتھ پر قبول اسلام کیا ہے اس پر آ سختی ہوتی ہے- عرب شریف میں عقائد اہل سنت کی ترویج واشاعت تو بڑی بات ہے معمولات اہل سنت پر کڑی نگرانی ہوتی ہے- سعودی حکمران اور ان کے کارندے مسلمانوں کو اپنے نبی کا کھل کر -م ولادت آ منانے نہیں دیتے جبکہ پوری دنیا میں اس وقت جشن میلا دمنایا جاتا ہے-

یہاں کے اسکول، کالج اور - نیورسٹیوں میں آ مذہبی آزادی ہے، مسلمان طلبہ اگر اپنا اسلامی لباس استعمال کر , اور طالبات حجاب کے ساتھ حاضر ہوں تو انہیں اس سے روکا نہیں جاتا- انہیں اس کی قانو ; اجازت ہے، نماز پڑھنے کی آ اجازت مل جاتی ہے-

اسلامی مراکز، مدارس، مساجد وغیرہ کے قیام پر پابندی نہیں- لہٰذا اگر ہم اپنی اسلامی تہذیب وثقافت اور احکام شریعت پر عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو آ خوش اسلوبی اور حکمت و نصیحت سے دامن اسلام کی پناہ میں آنے اور اس سے ہمیشہ وابستہ رہنے کی دعوت دیتے رہیں اور خوب محنت کر , تو مغربی تہذیب کا اسلامی تہذیب میں بدل جانا ناممکن نہیں-

ہے عیاں قصہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

سوال:- آپ کی ویب سائٹ کافی معلوماتی اور سہل الاستعمال ہے، سوال یہ ہے کہ جن امیدوں اور خیالوں کے ساتھ آپ نے اسے شروع کیا تھا، اس کے ناظر + کے ردعمل کے ^ آپ نے اسے کتنا نتیجہ خیز پایا- نیز یہ آ C ئیں کہ حق کی ترویج واشاعت کے لیے مزید کس قسم کی ویب سائٹوں کی ضرورت آپ محسوس کرتے ہیں؟

مولانا احمد القادری:- الحمدللہ! اپنی ویب سائٹ islamic academy.org کو امید سے زیادہ نتیجہ خیز پایا- یہ چند سال قبل شروع ہوئی اور آج ۳رمئی کی تازہ تر +

Ranking.com کی رپورٹ کے مطابق پوری دنیا کی سنی ویب سائٹوں میں اول نمبر ہے اور دنیا ½1 کی اسلامک ویب سائٹوں میں ٹریکنگ کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر اور Trust Gauge میں اول نمبر پر ہے-

دنیا کی 3,593 ویب سائٹوں نے اپنی سائٹ پر اسلامک اکیڈمی کا لنک لگا رکھا ہے ،کسی زمانہ میں ہم لوگوں سے درخواست کرتے تھے کہ برائے کرم ہماری سائٹ کا لنک اپنی سائٹ پر ڈال د , -اب الحمدللہ خود سے یہ مقبولیت حاصل ہوئی-

دنیا کے ہر سرچ انجن میں اسلامک اکیڈمی ٹائپ کر کے اسے دیکھ سکتے ہیں- وہاÇں کی بڑی بڑی تنظیموں کو لاکھوں نمبر پیچھے چھوڑ دیا ہے- ۳رمئی کی تازہ تر + Alexa.com کی رپورٹ کے مطابق امریکہ کے اندر وہاÇں کی سب سے بڑی تنظیم (ISNA) 173,664 نمبر اسلامک اکیڈمی سے پیچھے ہے- اور د - بند - ں کی سب سے بڑی US تنظیم (ICNA) کو 488,654 نمبر پیچھے لائن میں چھوڑ کر اسلامک اکیڈمی آگے نکل چکی ہے-

اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ گزشتہ سال تقریباً ۳۵ ملین (۳ کروڑ پچاس لاکھ) Hits ہوئی تھیں- ایک لاکھ افراد کے قریب ماہانہ آتے ہیں رمضان میں یہ تعداد کئی گنا بڑھ جاتی ہے، دوسو سے زائد ملکوں سے بذریعہ ای میل سوالات آتے ہیں، بے شمار ملکوں سے لوگ فون کر کے اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں- 1 سے ممالک میں اسلامی معلومات کے حوالہ سے ٹی وی پر اسلامک اکیڈمی کا نام دیتے ہیں اور وہاں سے نام سن کر ہمارے پاس لوگ ای میل کرتے ہیں- مذکورہ بالا تازہ رپورٹ ہمارے ویب مانیٹر محترم جناب محمد طاہر شفیع صاحب قادری نے فراہم کی ہے، جن کی پرخلوص محنتوں کا یہ نتیجہ ہے-

حق کی ترویج واشاعت کے لیے ہم تین قسم کی ویب سائٹ کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں-

۱- انٹرنٹ کا مدرسہ: جہاں باضا , نصاب تعلیم تیار کر کے اسلامی علوم وفنون کی عقائد اہل سنت کے مطابق تعلیم دی جائے-

۲-انٹرنٹ کا دارالافتاء: جہاں دنیا1/2 سے آنے والے سوالوں کے جوابات کے لیے مفتیان کرام کی ایک ماہر ٹیم موجود ہو جو عقائد وعبادات ومعاملات وغیرہ سے متعلق آنے والے ہر قسم کے سوالوں کے جوابات عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی کے مطابق انٹرنٹ کے ذریعہ بھیج سکیں- گمراہ کن ویب سائٹ دیکھ کر شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جانے والے ناظر + کے ذہن وفکر میں سنی عقائد ونظریات ان کے دلائل وبراہین کے ساتھ ڈال سکیں اور ان کے وسواس دور کر کے حق وہدایت کی راہ دکھا سکیں-

ہماری ویب سائٹ اس پر کام کر رہی ہے- الحمدللہ! اس کے ذریعہ 1 سے لوگوں نے ہدایت پائی اور گمراہی سے نجات حاصل کی- مگر اس پر بڑے پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت ہے-

۳-غیر مسلمین اور نومسلمین کے لیے ویب سائٹ: جس پر انہیں اسلام کے محاسن Cئے جائیں اور اسلام کی دعوت دی جائے- نئے اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کے لیے تعلیم کا بندو n ہو- جو غیر مسلمین اسلام سے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر حق کی تلاش میں سوال کرتے ہیں، انہیں شافی جواب دے کر مطمئن کیا جا سکے اور راہ حق دکھائی جا سکے-

الحمدللہ! ہماری ویب سائٹ کے ذریعہ کتنے غیر مسلموں نے راہ ہدایت پائی اور مسلمان ہو کر اسلام کے پرامن دامن سے وابستہ ہو گئے-

سوال:- الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں دوران تدریس آپ علمی وتحقیقی مشاغل میں Ì مصروف تھے، امریکہ جانے کے ^ یہ سلسلہ جاری رہا یا منقطع ہو گیا؟

مولانا احمد القادری:- الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی علمی وتحقیقی مجلسوں کا جواب کہاں ؟ پھر ویسی محفلیں کہاں مل سکیں تاہم حافظ ملت اور اشرفیہ کے فیضان سے دارالعلوم، دارالافتاء اور درس نظامی کی بنیاد ڈال کر علمی مشاغل میں مصروف رہنے کی کوشش جاری ہے-

۱۹۹۷ء میں امریکہ آتے ہی سب سے پہلا تحقیقی مسئلہ قبلہ کا درپیش ہوا- شکاگو میں اہل سنت کا ایک گروہ شمال مشرق نماز پڑھتا دوسرا جنوب مشرق، تحقیق وتخریج سے یہ مسئلہ

ثابت ہوا کہ امریکہ کا قبلہ شمال مشرق ہے- جنوب مشرق قبلہ C نا درست نہیں، اس سلسلے میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے رسالہ ''**کشف العلۃ عن سمت القبلۃ** جو اس وقت ز-رطبع سے آراستہ نہ تھا''، قلمی نسخہ کا عکس حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب گجرات کی عنایت سے حاصل ہوا اور فاضل معقولات ومنقولات حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین کا فتوی جو درحقیقت کشف العلۃ ہی کی روشنی میں تحریر کیا گیا تھا بڑا کام آیا- الحمد للہ! ان کی برکت وفیضان سے یہ اختلاف دور ہوا اور لوگ ایک قبلہ پر متفق ہو گئے-

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت مولانا ظفر الد + قادری رضوی علیہ الرحمہ کی کتاب الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت کے فارمولے کے مطابق، امریکہ اور ایشیا کے بے شمار شہروں کے قبلہ کا ڈائرکشن کمپیوٹر کی مدد سے تخریج کر کے ہماری ویب سائٹ پر ڈال دیا گیا ہے-

دوسرا تحقیقی مسئلہ نمازوں کے اوقات کا تھا، اس وقت یہاں جو نماز ٹائم ٹیبل رائج تھا اس میں فجر کا وقت ہو جانے کے ^ لوگ سحری کھا رہے ہوتے، وقت مغرب ہی میں عشاء پڑھ لیتے، ظہر کے وقت میں عصر حنفی ہونے سے پہلے مثل اول پر حنفی حضرات Ì نماز عصر ادا کر لیتے- اس مسئلہ پر تحقیق شروع ہوئی اور حضرت مولانا مفتی سید افضل حسین مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی مرکز اہل سنت منظر الاسلام بریلی شریف کی کتاب **زبدۃ التوقیت** سے نمازوں کے اوقات کی تخریج ہوئی پھر کمپیوٹر کی مدد سے ہزاروں شہروں کے دائمی نظام الاوقات تخریج کر کے ہماری ویب سائٹ پر ڈال دیے گئے ہیں- الحمد للہ! بے شمار سنی مساجد ومدارس اور عوام نے اسے قبول کر کے اپنی نمازوں کی اصلاح کر لی ہے-

سوال:- آپ ایک عظیم الشان ادارے کی تعمیر کا منصوبہ Ì رکھتے ہیں، جس کا علم ہمیں آپ کی ویب سائٹ سے ہوا، اس زیر تعمیر ادارے کا اجمالی خاکہ کیا ہے، یعنی اس کے تحت آپ کس انفرادی نوعیت کی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں؟

مولانا احمد القادری:- اسلامک اکیڈمی اسلام وسنت کی نشر واشاعت کے لیے امریکہ میں قائم ہوئی- اس وقت اس کے متعدد شعبے ہیں-

دارالعلوم عزیزیہ:-امریکہ کا پہلا واحد دارالعلوم ہے جہاں درس نظامی کی تعلیم ہوتی ہے-

مدرسۃ البنات:-یہ لڑکیوں اور خواتین کا شعبہ ہے جہاں ان کو علیحدہ معلمات تعلیم دیتی ہیں-

دارالفتوی:- یہاں انٹرنٹ،خط،فون اور ای میل کے ذریعہ دنیا2/1سے آنے والے مذہبی سوالوں کے جوابات دیے جاتے ہیں-

ویکلی اجتماع:-اصلاح معاشرہ کے لیے ہر ہفتہ درس اور ذکر الٰہی کی محفل ہوتی ہے، اس میں شریعت کے ساتھ طریقت کے مسائل Ì سکھائے جاتے ہیں-

-تھ اجتماع:-نوخیز بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یہ ماہانہ اجتماع ہوتا ہے- والد + کو اس اجتماع سے بڑی دلچسپی رہتی ہے، وہ اپنے بچوں کے ساتھ خود Ì شریک ہوتے ہیں-

لیڈس اجتماع:-خواتین اور بچیوں کی اصلاح و تربیت کے لیے دارالعلوم کی معلمات کے زیر نگرانی ہر ماہ پردے کے اہتمام کے ساتھ ان کا یہ مخصوص اجتماع ہوتا ہے جس میں مردوں اور بچوں کی شمولیت کی اجازت نہیں ہوتی-

اسلامک ویب سائٹ:-انٹرنٹ کے ذریعہ جدید طرز پر اسلام کا آفاقی پیغام نشر کرنا، اسلام و سنت کی نشر و اشاعت کرنا، نئی نسل کو قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم دینا، عقائد اہل سنت سے دنیا2/1کو روشناس کرانا، باطل فرقوں اور ان کے خطرناک عقائد و نظریات سے مسلمانوں کو ہوشیار کرنا علمائے اہل سنت کے لٹریچرس فراہم کرنا- اس کے زر , مقاصد ہیں-

پورا قرآن مجید سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمہ کنزالایمان کے ساتھ 1 ہی اچھی آواز میں ڈالا گیا ہے، اب تک بے شمار لوگ اپنے کمپیوٹر میں ڈاؤن لوڈ کر کے سنتے ہیں- اس کے علاوہ بے شمار چیز , ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں- پتہ یہ ہے:

WWW.ISLAMICACADEMY.ORG

اسلامک اکیڈمی کے منصوبے

مسجد:-ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر جہاں مسلمانان اہل سنت نماز جمعہ، پنج گانہ اور عید + وغیرہ اپنے مسلک کے مطابق ادا کر سکیں-

اسلامک اسکول:-ایک شاندار درسگاہ جہاں عصری علوم اور اسکولوں کے بنیادی نصاب کے ساتھ اسلام و سنیت اور عالم کورس کی طلبہ طالبات کو غیر مخلوط تعلیم دی جائے- تاکہ وہ à وقت دینی اور دنیوی دونوں تعلیم سے مستفید ہو سکیں- بلفظ دیگر ایک جامعۃ البنین ہو، جہاں لڑکوں کو تعلیم دی جائے اور ایک الگ جامعۃ البنات ہو جو لڑکیوں کے ساتھ مخصوص ہو-

ہاسٹل:- جہاں Ûون شہر کے طلبہ قیام کر کے اطمینان سے تعلیم حاصل کر سکیں-

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن ¯ ئے صحرا کو

سوال:- جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا پیغام؟

مولانا احمد القادری:- جام نور جماعت اہل سنت کا ترجمان، فیض العارفین کا فیضان، رئیس القلم کا ملت پر احسان اور ان کی تاریخی یادگار ہے- جام نور مولانا خوشتر نورانی کے علم و عرفان کا عظیم ثمرہ، ان کے رفقا کی کاوشوں کا نتیجہ اور ارباب قلم کا ملی سرمایہ ہے- جام نور خود اپنی تنقید چھاپ دینے والا اور تنقید کا تلخ جام رغبت سے پی جانے والا منفرد ماہنامہ ہے-

اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رکھے، نظر بد سے محفوظ فرمائے اور دن بدن، سال سال ترقی عطا فرمائے، آمین-□□□

(شمارہ جون ۲۰۰۸ء)

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

ولی عہد خانقاہ عالیہ قادریہ، بدا-ں (-پی)

۱۵/ جولائی ۲۰۰۴ء کو مصر سے محبّ محترم مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری نے یہ خبر دی کہ وہ جامعہ ازہر مصر سے اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے یکم اگست ۲۰۰۴ء کو اپنے وطن ہندوستان تشریف لا رہے ہیں- مولانا قادری، صاحب علم أ ہیں اور صاحب نسبت أ -آپ کی پیدائش بدا-ں کے مشہور عثمانی خانوادے میں ۱۹۷۵ء میں ہوئی، جو خانوادہ پچھلی آٹھ صد-ں سے ملت کی علمی و روحانی قیادت کر رہا ہے- آپ تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدا-نی اور مفتی اعظم دکن مملکت آصفیہ مولانا عبدالقدیر بدا-نی کے پوتے ہیں- موصوف کی ابتدائی تعلیم اپنے موروثی ادارے مدرسہ قادریہ میں ہی اپنے والد حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ اور دیگر اساتذہ کے ذریعے ہوئی، حفظ قرآن کے ^ آپ نے درس نظامیہ کی تکمیل أ اسی ادارے سے کی، مزید تحقیق کے لیے چند سال مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی کی درس گاہ میں گزارے اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۹۸ء میں جامعہ ازہر مصر چلے گئے، جہاں اپنے پانچ سالہ قیام کے دوران علوم تفسیر و قرآن میں تخصص کر کے "الاجازۃ العالیۃ" کی سند حاصل کی نیز دارالافتاء المصریہ میں ایک سالہ تربیت افتا کی تکمیل أ کی- ہندو پاک میں خانقاہوں کے علمی و روحانی انحطاط کے اس دور میں موصوف کی بلند پایہ فکر، علمی اٹھان، تحقیقی مزاج اور قابل تقلید موروثی اوصاف یقیناً آج خانقاہی شہزادوں کے لیے قابل رشک ہیں- آپ کو عرب و عجم کے شیوخ سے حدیث اور مختلف سلاسل کی اجازت أ حاصل ہے- آپ کی اہم تصانیف میں 'قرآن کر* کی سائنسی تفسیر اور' حدیث افتراق امت' قابل ذکر ہیں-

سوال:- جامعہ ازہر کا قیام کب اور کس کے ہاتھوں ہوا؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- چوتھی صدی ہجری میں فاطمی خلفاء نے قاہرہ میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کی تھی اور اس کا نام جامع الازہر رکھا گیا تھا اس مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا- خلافت فاطمیہ کے زوال کے ^ أ اس میں درس و تدریس ہوتی رہی آہستہ آہستہ اس کی شہرت ہوتی گئی اور پھر یہ طالبان علوم اسلامیہ کا مرکز نگاہ بن گیا، یہاں طریقۂ تدریس وہی تھا جو آج سے ۷۰/۸۰ سال پہلے تک ہندوستان میں رائج تھا- یعنی نہ جماعت کا کوئی سسٹم تھا نہ امتحانات وغیرہ کا کوئی نظام تھا جس طالب علم کو جو کتاب پڑھنی ہوتی تھی وہ اس کی سماعت کر لیا کرتا تھا، جب اساتذہ یہ محسوس کرنے لگتے تھے کہ طالب علم اب کسی قابل ہو گیا ہے تو اس کو سند فراغ دے دی جاتی تھی- اس وقت مسجد کے حجروں میں طلبہ رہتے تھے اور مسجد کے مختلف گوشوں میں بیٹھ کر اساتذہ درس دیا کرتے تھے، پھر ۲۰/ یا ۳۰/ کی دہائی میں اصلاح و ترقی کا عمل شروع ہوا، امتحان داخلہ، امتحان فراغت، مختلف تعلیمی مراحل، شعبوں اور مختلف کلیات وغیرہ کا نظام رائج کیا گیا، رفتہ رفتہ یہ عمل آگے بڑھا اور آخر کار ۵۰/ کی دہائی میں اس کو باقاعدہ -نیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا، ساتھ ہی جامع الازہر کی O ئے "جـــامعة الازهــر" نام رکھا گیا- جامعۃ الازھر سے متصل ہی مختلف کلیات کی عالیشان عمارتیں ´ائی گئیں اور اب علم و فن کا پورا ایک شہر ہے-

سوال:- جامعہ میں کتنی فیکلٹیز (Faculties) اور کتنے شعبے ہیں؟ اور وہ کون کون سے ہیں؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- ازہر شریف میں ۲۶/ فیکلٹیز ہیں، علوم اسلامیہ کے لیے مندرجہ ذیل فیکلٹیز ہے، اصول الد + ، کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ العربیۃ، کلیۃ الشریعۃ، کلیۃ الدعوۃ، کلیۃ اللغۃ العربیۃ، کلیۃ التربیۃ- پھر ہر فیکلٹی میں تین، چار یا پانچ شعبے ہیں، مثلاً کلیۃ اصول الد + (جس کو ام الکلیات أ کہا جاتا ہے) میں چار شعبے ہیں، قسم التفسیر و علوم القرآن، قسم الحدیث، قسم العقیدۃ والفلسفۃ، قسم الدعوۃ-

سوال:-جامعہ کا نصاب تعلیم اور طریقۂ تدریس کیا ہے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:-اس کا جواب تفصیل طلب ہے، ویسے اس سلسلے میں جام نور کے ''تحریری مباحثہ'' میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں-(اس کا تفصیلی جواب ماہنامہ جام نور کے شمارہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں ملاحظہ فرمائیں.....ادارہ)

سوال:-جامعہ میں طلبہ کی تعداد کتنی ہے اور کن ممالک سے تعلق رکھتے ہیں؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:-ازہر شریف کے تمام کلیات و معاہد کے طلبہ کی مجموعی تعداد ایک لاکھ کے آس پاس ہے، جس میں تقریباً ۹۵/ممالک کے ۱۵/سے ۲۰/ہزار طلبہ آ شامل ہیں-

سوال:-طلبہ کی رہائش اور طعام کی کیا سہولتیں ہیں؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:-ازہر شریف میں ۴/ہاسٹل ہیں، ایک غیر ملکی طلبہ کا، ایک غیر ملکی طالبات کا، ایک مصری طلبہ کا اور ایک مصری طالبات کا-غیر ملکی طلبہ کے ہاسٹل میں تقریباً ۸/ہزار طلبہ رہائش پذیر ہیں-اس کو مختلف منطقوں (سیکٹرس) میں تقسیم کیا گیا ہے، عام طور پر ایک طالب علم کو ایک کمرہ دیا جاتا ہے جس میں وہ تنہا رہتا ہے-oo% عمارتیں ایسی ہیں جن میں ایک کمرہ میں دو طالب علم رہتے ہیں اور اب جو نئی عمارتیں بن رہی ہیں ان میں کمرے بڑے ہیں لہٰذا ایک کمرہ میں تین طلبہ کو رکھا گیا ہے- کمرے کا مکمل سامان یعنی بیڈ، الماری، میز کرسی، چادر , ، گدے، تکیہ وغیرہ سب جامعہ کی طرف سے فراہم کیے جاتے ہیں-کھانے کے لیے ہر منطقہ (سیکٹر) کا الگ ڈائننگ ہال ہے، کھانا اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے، مینو (Menu) بڑا متنوع ہوتا ہے اور ہر دن الگ الگ ڈشیں دی جاتی ہیں-

سوال:-(۶) کیا طلبہ کو وہاں اپنے اخراجات خود اٹھانے پڑتے ہیں یا پھر جامعہ انہیں کچھ ماہانا مہ وظیفہ دیتا ہے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:-دونوں صورتیں ہیں، طالب علم اپنے ذاتی خرچ پر آ جاسکتا ہے اور ازہر شریف کی جانب سے وظائف آ دیئے جاتے ہیں-ازہر شریف کے علاوہ مصری وزارت اوقاف کا ایک ذیلی ادارہ **مجلس الاعلیٰ لشئون الاسلامیه**

آ ازہر کے طلبہ کو وظائف دیتا ہے، اس کے علاوہ سعودی اور کویت کے oo% فلاحی ادارے آ غیر مستطیع طلبہ کو وظائف دیتے ہیں-

سوال:-ہمارے جو طلبہ وہاں جانے کی خواہش رکھتے ہیں وہ کس طرح Apply کر , اور انہیں کس طرح تیاریاں کرنی چاہیے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:-اس میں کافی پیچیدگیاں ہیں، جس کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں ہے، ویسے اگر کوئی طالب علم وہاں جانے کا خواہش مند ہے تو وہ مجھ سے براہ راست را , کرسکتا ہے، میں ہر قسم کی رہنمائی کو تیار ہوں، اس سلسلے میں کسی آ طالب علم کو تعاون کرنے میں مجھے مسرت ہوگی-

سوال:-جامعہ کی لائبریری کا نظام کیا ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہیں اور اس وقت اس میں کتنی کتابیں ہیں؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:--ں تو ہر فیکلٹی کی اپنی الگ لائبریری ہے جو ہزاروں کتب پر مشتمل ہے، لیکن ازہر شریف کی مرکزی لائبریری عالم اسلام کی چند قد * اور عظیم لائبریر-ں میں سے ایک ہے-یہ آٹھ منزلہ عالی شان عمارت میں واقع ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا شعبۂ مخطوطات ہے، جو ہزاروں قد * اور نایاب قلمی نسخوں پر مشتمل ہے، اس میں oo% کتب ایسی آ ہیں جن کا واحد نسخہ یہاں موجود ہے اور سیکڑوں قلمی کتب ایسے ہیں جن کے دنیا میں صرف چند ہی نسخے ہیں-ایک دوسری اہم خصوصیت یہ آ ہے کہ گزشتہ ۳۰/۴۰/سال میں ازہر شریف کے مختلف کلیات میں ا*فل اور پی ایچ ڈی کے جو مقالے لکھے گئے ہیں وہ سب اس لائبریری میں موجود ہیں جو Oئے خود ایک 1 بڑا علمی ذخیرہ ہے-

سوال:-وہاں کے اساتذہ کی مبلغ علمی کے تعلق سے آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:-ازہر شریف علم وفن کا عالمی مرکز ہے، وہاں پر ہر فن کے ماہر اساتذہ موجود ہیں، اس سلسلے میں زیادہ کچھ کہنا شاید استاذ کے حق میں شاگرد کی نیاز مندی تصور کی جائے-مگر حقیقت یہ ہے کہ ازہر شریف جانے سے پہلے وہاں کے اساتذہ

کے بارے میں میرا جو تصور تھا میں نے ان حضرات کو اس سے 1 بلند پایا- میں اپنے اساتذہ میں جن حضرات کے علم، وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا معترف ہوا ان میں یہاں مختصراً صرف تین حضرات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں- پروفیسر عبدالمعطی قیومی میرے فلسفہ کے استاذ ہیں، یہاں اس بات کا ذکر Ì بیجا نہ ہوگا کہ استاذ گرامی امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی درسگاہ میں معقولات پڑھنے والا کسی اور سے 1 کم ہی مطمئن ہو پاتا ہے، چار سال تک حضرت خواجہ صاحب کی خدمت کرنے پر مجھے فخر ہے مگر اس کے باوجود جب ڈاکٹر قیومی صاحب سے فلسفہ پڑھنا شروع کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی، فلسفہ کے وہ دقیق مباحث عالیہ جن کو سمجھنے اور سمجھانے والے حضرت خواجہ صاحب اور ان کے چند مخصوص تلامذہ کے علاوہ ہندوستان میں Ì کمیاب ہیں، ان مسائل ومباحث پر ڈاکٹر قیومی صاحب کا عالمانہ اور محققانہ لکچر زسن کر میں دنگ رہ گیا، ہندوستان میں میں نے اتنا منطق و فلسفہ پڑھا تھا جتنا عام طور پر درسگاہوں میں نہیں پڑھایا جاتا پھر Ì مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے نئے سرے سے فلسفہ پڑھنا شروع کیا ہے- ڈاکٹر قیومی صاحب کی معرکۃ الآراء تصنیف "الدراسة النقدية بفلسفة الشرق" میری اس رائے پر شاہد عدل ہے-تربیت افتاء کے دوران ہمارے ایک استاذ ڈاکٹر احمد کمال سے میں 1 متأثر ہوا، یہ ہمیں احوال شخصیہ پڑھاتے تھے، اگر مسالک ار > پر ان کی گہری نظر تھی تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کیوں کہ چاروں مسالک کے اصول وفروع پر گہری نظر رکھنے والے ازھر شریف میں 1 سے اساتذہ ہیں، حیرت کی بات تو یہ تھی کہ مسالک ار > کے علاوہ فقہ جعفریہ، فقہ اباضیہ اور فقہ ظاہریہ پر ان کی 1 گہری نظر تھی، اکثر مسلم ممالک کے عائلی قوانین کا انہوں نے مطالعہ کیا تھا، اس کے علاوہ وہ انگریزی اور فرنچ زبانوں پر عبور رکھتے تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے مغربی قانون کا براہ راست مطالعہ کیا تھا، اتنا وسیع مطالعہ O ئے خود ایک حیرت انگیز بات ہے، اس سے بڑی حیرت ان کے استحضار پر ہوتی تھی کہ گویا جو کچھ پڑھا ہے نوک زبان پر ہے-مصر کے موجودہ مفتی اعظم پروفیسر ڈاکٹر علی جمعہ محمد (جو شیخ طریقت Ì ہیں) میری ناقص رائے میں عالم اسلام میں ان کے پائے کا عالم شاید چند ایک ہی

ہوں- آپ کی حدیث، اصول فقہ اور تصوف کے دروس میں مجھے شرکت کی سعادت حاصل ہے، اس کے علاوہ تربیت افتاء کے دوران انہوں نے اصول افتاء پر ہماری جماعت کو چند لکچر Ì دیئے ہیں، ان کی درسگاہ میں بیٹھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی علم کا دریا ہے جو اپنی پوری روانی کے ساتھ Ë رہا ہے-

سوال:- جوادارے اپنے طلبہ کو ازہر بھیجنے کے مجاز ہیں ان سے آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ اب ہمارے کچھ جامعات کا الحاق اور معادلہ ازھر شریف سے ہوگیا ہے، ان اداروں کے ذمہ داران سے میں یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ اپنے طلبہ کو ازھر شریف بھیجتے وقت رشتہ داری اور تعلقات نہ نبھائیں بلکہ اس کے لیے اداروں میں ٹسٹ کا نظام رائج کر , ، جو طلبہ ذی صلاحیت، با شعور اور محنتی ہوں صرف ان کا انتخاب کیا جائے، تاکہ یہ لوگ ازھر شریف سے خاطر خواہ استفادہ کرسکیں، ان طلبہ کی کارکردگی سے ازھر کے اندر آپ کے ادارے کا نام Ì روشن ہوگا اور یہاں آکر وہ ازھر کی رسوائی کا ذریعہ Ì نہیں بنیں گے-

سوال:- عام طور پر ہمارے علما کو ہندوستان میں یہ گمان ہے کہ عالم عرب کے جامعات سے بہتر تعلیم ہمارے دینی اداروں میں ہوتی ہے، وہاں کے جامعات میں صرف عربی سیکھنے کے لیے جانا چاہیے، آپ اس گمان کے تعلق سے کیا کہیں گے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- س خوش گمانی یا بدگمانی پر میں جام نور کے تحریری مباحثہ میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں، اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف اتنا عرض کروں گا کہ

لطف مے تجھ سے کیا کہوں واعظ
ہائے افسوس تو نے پی ہی نہیں

سوال:- جامعہ ازھر میں آپ کو سب سے اچھی چیز کیا لگی؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- اس کا جواب Ì تفصیل طلب ہے، کیوں کہ 1

سی ایسی چیز , ہیں جن سے میں متأثر ہوا ہوں، اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان میں سب سے اچھی چیز کیا ہے، ایک بات کا ذکر ضرور کروں گا کہ وہاں علما اور اساتذہ میں علم وفن کے علاوہ تقویٰ، انکساری، سادگی اور کشادہ قلبی نے مجھے 1 متأثر کیا-

سوال:- اور سب سے ناپسندیدہ؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- ظاہر ہے کہ ہر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں، ازھر کی خوçں کے علاوہ کچھ باتیں ایسی Ĩ ہیں جن سے انصاف نہیں کیا جاسکتا، کچھ قوانین ایسے ہیں جو انتہائی عجیب وغریب ہیں، مثال کے طور پر ہاسٹل میں صرف اسی شخص کو رہائش دی جائے گی جس کو ازھر سے وظیفہ ملتا ہو، جس کو وظیفہ نہیں ملتا وہ ہاسٹل میں رہنے کا مجاز نہیں ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ جس کو وظیفہ مل رہا ہے وہ تو کمرہ لے کر باہر Ĩ رہ سکتا ہے جب کہ جس کو وظیفہ نہیں مل رہا ہے وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کو ہاسٹل میں جگہ دی جائے- دوسری بات جس سے ہر طالب علم کو شکایت رہتی ہے وہ یہ ہے کہ ازھر کے اساتذہ اور علما جتنے با اخلاق، خرد نواز اور مشفق ہیں ازھر کے کلرک اتنے ہی بد خلق اور اکھڑ مزاج کے ہیں، کسی کام کو ٹالنے اور لٹکانے کے ایسے ایسے گر انہیں آتے ہیں کہ الامان والحفیظ-

سوال:- یہاں مذہبی طبقہ میں ایک رائے یہ Ĩ ہے کہ وہاں جانے کے ^ طلبہ میں آزاد روی اور آزاد خیالی آجاتی ہے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- آزاد روی اور آزاد خیالی سے اگر عقیدہ کی آزاد روی اور آزاد خیالی مراد ہے تو میں اس بات سے متفق نہیں ہوں، میں آپ کو Cوٴں کہ ہندوستان کے ایک مشہور ادارہ کے ایک استاذ نے اپنے ایک شاگرد (جو ازھر میں زیر تعلیم ہیں) کو خط میں لکھا کہ ازھر کے علما پر تصوف غالب ہے لہٰذا تم ان سے صرف علم حاصل کرو ان کی بدعات وخرافات پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور شیخ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی کتب کا مطالعہ کرتے رہو- خط کے ان جملوں سے آپ کو صورت حال کا اندازہ ہوگیا ہوگا، اس کے باوجود ہمارے لوگ اس غم میں د » ہوئے جارہے ہیں کہ ہم وہاں سے آزاد

روی اور آزاد خیالی کی سوغات لے کر آتے ہیں.....ع

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

سوال:- جو طلبہ وہاں اس وقت تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان سے ہم کتنی توقعات وابستہ رکھیں؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- یہ سوال تو آپ ان طلبہ ہی سے پوچھیں تو زیادہ بہتر ہے-

سوال:- جامعہ سے فراغت کے ^ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ جماعتی سطح پر جو علمی جمود ہے کیا ہم توقع رکھیں کہ فضلائے ازہر کے ذریعہ اس کا کسی حد تک تدارک ہوگا؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- میں نے مدرسہ میں آٹھ سال گزارے ہیں اور پھر ازھر شریف میں پانچ سال رہا ہوں، میں نے اپنے اس تعلیمی سفر میں 1 تجربات حاصل کیے ہیں ان تجربات کی روشنی میں میں نے اپنے لیے کچھ اہداف اور خطوط متعین کیے ہیں، ان شاء اللہ ان خطوط پر کام کرنے کا ارادہ ہے، مگر فی الحال ان پر کچھ کہنا قبل از وقت Ĩ ہوگا اور شاید د-انہ کی بڑ Ĩ سمجھا جائے، اس لیے انتظار کیجیے یہ تو ابتدائے عشق ہے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے-

سوال:- جام نور کے تعلق سے آپ کی بے باک رائے کیا ہے؟

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری:- حضرت علامہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے جام نور کے ذریعہ جماعت کی تعمیر نو، تنظیم، تشکیل اور علمی وفکری وقار کی bلی کی طرف جو قدم اٹھایا تھا آپ نے جام نور کا دوبارہ اجراء کرکے اس مشن کی تکمیل کی طرف بڑے حوصلہ سے قدم اٹھایا ہے، میں تو صرف یہی عرض کروں گا کہ

زمانہ مانگ رہا ہے دعا ترقی کی
مگر تجھے تیرا عہد کہن راس آئے

□□□

(شمارہ ستمبر ۲۰۰۴ء)

مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

سربراہ مرکزی ''مجلس رضا'' و مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور، پاکستان

مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی شخصیت ''ا ° ررضا'' کی اشاعت کے حوالے سے ہندو پاک میں تعارف کی محتاج نہیں- آپ کی ولادت پاکستان کے ضلع گجرات کے ایک پسماندہ گاؤں میں ۱۹۲۸ء میں ہوئی، مڈل تک اپنے علاقے میں ہی تعلیم حاصل کی اور پھر لاہور تشریف لے آئے، دینی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور دلچسپی بڑھی تو ''تفسیر نبوی'' کے مولف مولانا نبی j حلوائی کے زیر سایہ درس نظامیہ کی منتہی کتابوں کی تکمیل کی، پنجاب - نیورسٹی سے فارسی میں ا* اے کیا اور لاء کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور اس کے ^ گورنمنٹ کی ملازمت میں آگئے- ملازمت کے دوران ہی آپ نے اپنی مذہبی اور علمی سرگرمیاں شروع کیں اور ۱۹۶۰ء میں تصنیف وتالیف اور ترجمے کی طرف متوجہ ہوئے اور اہل سنت کی کتابوں کی اشاعت کے لیے مکتبہ نبویہ قائم کیا، 1 سی کتابیں تصنیف وتالیف کیں نیز کئی ضخیم کتابوں کے ترجمے ĩ کیے جن میں ''معارج النبوۃ'' تین جلدوں میں، ''قصر عارفاں'' اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ''تکمیل الایمان'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اپنے استاذ گرامی کی ''تفسیر نبوی'' کی ĩ اپنے رفقاء کی مدد سے ۱۵ جلدوں کا ترجمہ اردو میں کیا- آپ ''مرکزی مجلس رضا'' کے بانی رکن ہیں، ایک وقت ایسا ĩ آیا تھا جب حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کے دور میں مجلس رضا ٹوٹ گئی تھی تو آپ نے ہی آگے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور ان کے انتقال کے ^ ''مرکزی مجلس رضا'' کے پلیٹ فارم سے ا ° ررضا پر مشتمل تقریباً پانچ لاکھ کتابیں شائع کر کے عوام وخواص کے درمیان مفت تقسیم کیں نیز ۱۹۹۱ء میں ماہنامہ ''جہان رضا'' جاری کیا جو مسلسل کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے-

سوال:- آپ کی سرپرستی میں ''مجلس رضا'' لاہور رضویات کی اشاعت میں غیر معمولی اسپرٹ کے ساتھ مصروف ہے، کیا آپ C ئیں گے کہ اس کی موجودہ سرگرمیاں کیا ہیں؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- سب سے پہلے تو میں آپ کا ذاتی طور پر ممنون ہوں کہ آپ ''مرکزی مجلس رضا لاہور'' کی کارکردگی اور اس پر میری خدمات سننا چاہتے ہیں، اس تعلق سے کچھ گفتگو کرنے سے قبل میں اپنی اور علمائے لاہور پاکستان کی جانب سے آپ کی یہاں آمد پر پر جوش خیر مقدم کرتا ہوں- ۱۹۶۸ء میں محسن اہل سنت حضرت حکیم موسیٰ امرتسری صاحب نے ''رضویات'' کے فروغ کے لیے یہاں لاہور میں ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیاد رکھی اور ایک چھوٹی سی کمیٹی قائم کی جس کے تعاون سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ا ° راور ان کی کتابوں کی اشاعت کرنے لگے، انہوں نے ۲۰ رسال کے عرصے میں اسی لاکھ کتابیں شائع کر کے عالم اسلام اور پڑھے لکھے طبقوں میں پھیلا دیا، یہ وہ دور تھا جب امام احمد رضا کے نظریات اور ان کی کتابوں سے لوگ 1 کم واقف تھے، لیکن انہوں نے شب وروز محنت کر کے گھر گھر میں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ا ° ر پہنچا دیے، پہلے پہل تو یہ مجلس اعلیٰ حضرت کے فقہی اور اعتقادی کتابوں کو ہی شائع کر کے مفت تقسیم کرتی رہی مگر اس کے ^ جب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے ان کے دیگر گوشوں کو سامنے لایا تو حکیم صاحب نے دیگر حلقوں میں ĩ اعلیٰ حضرت کی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور پھر لوگ جوق در جوق اہل سنت کے نظریات کے حامی ہوتے چلے گئے- آپ نے غالبًا یہ ĩ سوال کیا ہے کہ ''مرکزی مجلس رضا'' کے پلیٹ فارم سے اعلیٰ حضرت کے ا ° ر کو فروغ دینے پر میری کیا خدمات ہیں-

سوال:- نہیں، میں نے مجلس کی موجودہ سرگرمیوں کے تعلق سے سوال کیا ہے؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- اچھا اچھا، اس سلسلے میں آپ کو C وں کہ حکیم صاحب کے انتقال کے ^ میں نے مرکزی مجلس رضا کی باگ ڈور سنبھالی اور اس کے ^ ا ° ررضا پر مشتمل تقریباً پانچ لاکھ کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کیں، اس کے ^ میں نے سوچا کہ اعلیٰ

حضرت کے ا° رکو صرف کتابوں کے ذریعے ہی نہیں بلکہ میگزین + کی صورت میں آ ہر ماہ شائع کر کے پھیلانا چاہیے، جس کے نتیجے میں میں نے ۱۹۹۱ء میں ماہنامہ ''جہانِ رضا'' کا آغاز کیا اور اس میں مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہونے لگے۔

سوال:-''مرکزی مجلس رضا'' کے کچھ اہم مستقبل کے منصوبے اور مقاصد ہوں تو انہیں ذرا تفصیل سے Oن کر , ؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- میرے سامنے اس وقت کئی منصوبے ہیں، مگر میں اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں 1 زیادہ تگ و دو نہیں کر پا رہا ہوں، ہاں! ''مرکزی مجلس رضا'' کے قیام اور اس کی تحریک کی وجہ سے الحمدللہ! اب پاکستان میں کئی ادارے، بزمیں اور مکتبے قائم ہو چکے ہیں جو ا° ررضا کے فروغ میں کوشاں ہیں، میری نظر میں اب آ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا جو صحیح علمی اور فقہی مقام ہے وہ متعین نہیں ہو سکا ہے، اس کے لیے مزید محنت کی ضرورت ہے۔

سوال:-''جہانِ رضا''، ''مجلس رضا'' کا ترجمان ہے، لیکن عام رائے یہ ہے کہ جس طرح یہ مجلس علمی ہے اس طرح اس کا ترجمان علمی انداز میں شائع نہیں ہوتا ہے، اس سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- دراصل میں محسوس کرتا ہوں کہ ''جہانِ رضا'' کے قارئین عموماً 1 پڑھے لکھے اور گہری نظر رکھنے والے نہیں ہیں جو ا° ررضا پر مشتمل ادق مضامین کو پڑھ کر مستفید ہو سکیں، اسی لیے میں نے اسے عوامی ~ کر رکھا ہے تاکہ وہ علمی گہرائیوں میں نہ کھو جائیں بلکہ سیدھے سادے انداز میں اہلِ سنت کے نظریات کو سمجھیں، الحمدللہ! وہ اس کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

سوال:- یہ تو ایک درمیانی طبقے کے لیے ہو گیا، مگر کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ دانشوران اور پڑھے لکھے طبقوں کے لیے آ کوئی خالص علمی رسالہ ہونا چاہیے تاکہ ا° ررضا کی علمی ترجمانی ہو سکے؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- جی ہاں! یہ ضرورت تو محسوس ہوتی ہے، مگر اس سے پہلے

میری نظر میں یہ زیادہ ضروری ہے کہ درمیانی طبقوں میں تبلیغ کی جائے، یہ تو جانے دیجیے کچھ لوگ تو مجھے یہ آ مشورہ دیتے ہیں کہ ''جہانِ رضا'' کو مزید سہل کیا جائے اور بالکل پرائمری سطح پر لایا جائے، مگر میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ یہ معیار اعلیٰ حضرت کے علمی مقام کے لیے بہتر نہیں ہے۔

سوال:- ہندو پاک کے کئی ایک ادارے ''رضویات'' کی اشاعت میں مصروف ہیں، مگر کیا آپ کو نہیں لگتا کہ فاضل بریلوی کی ہمہ جہت شخصیت کے کئی ایک پہلو مثلاً ان کا سائنسی مقام اور سیاسی تدبر وغیرہ اب آ تشنہ کام ہیں، آپ کی نظر میں رضویات کے وہ کون سے ابواب ہیں جن پر اس وقت کام کرنا نہایت ضروری ہے؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- یہ آپ نے 1 اچھا سوال کیا، اگر وقت ہوتا تو میں آپ کو تفصیل سے C دیتا کہ اس وقت پاک و ہند میں کون کون سے ادارے یا لوگ کام کر رہے ہیں، ہمارے یہاں اعلیٰ حضرت پر بے شمار لوگ اس وقت کام کر رہے ہیں، مگر وہ سب کے سب انفرادی طور پر ہی کر رہے ہیں، ہمارے یہاں اجتماعی طور پر ا آ کام کرنے کا رجحان پیدا نہیں ہوا ہے، اگر ہم متحد ہو کر منصوبے اور مقاصد کے تحت کام کر , اور کاموں کو بانٹ لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ رضویات کے ہر گوشے پر اطمینان j کام ہو سکے گا۔

سوال:- اچھا یہ C یئے کہ ''رضویات'' کے تشنہ ابواب پر کام کرنے کے لیے اس دور میں کون کون سے طریقے ہو سکتے ہیں؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- میں نے تو اب تک تحریری طریقے کو ہی اپنایا ہے، دوسرے ذرائع کو نہیں اپنا سکا، کیونکہ کسی آ نظریہ کے فروغ کے لیے اسی کو سب سے مضبوط ذریعہ مانتا ہوں، ہاں! دیگر 1 سے ذرائع اور طر & کار ہیں جن کو اپنانے کے لیے مختلف بزمیں اور انجمنیں کام کر , تو اچھا ہو گا تاکہ اعلیٰ حضرت کا صحیح علمی اور فقہی مقام متعین ہو سکے، ا آ تو ہم ابتدائی دور سے ہی گزر رہے ہیں، ا° ررضا کی ترویج کے لیے ا آ 1 سے کام کرنا باقی ہیں۔ اب ''فتاویٰ رضویہ'' کو ہی لے لیں، اس پر اب تک Systematical کام نہیں ہو سکا، اس سے مسائل Oن کر دینا ایک الگ چیز ہے، مگر اربابِ علم و فن کے سامنے اس کو

احسن طریقے سے پیش کرنا ایک الگ چیز ہے- اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کو ہی لے لیں تو اس کے آ ا آ فنی، علمی اور ادبی محاسن پر 1 زیادہ نہیں لکھا گیا ہے- ''نعت رنگ'' نے ارباب ادب کے تعاون سے اس کے مختلف گوشوں پر کام کیا ہے اور اب اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پر وہ ایک منفرد اور ضخیم نمبر آ نکال رہے ہیں جو نہایت مستحسن قدم ہے، لیکن یہ اپنی نوعیت کا پہلا قدم ہے، اس جہت میں مزید کام کی ضرورت ہے-

سوال:- یعنی آپ یہ چاہ رہے ہیں کہ تحریری طور پر ہی زیادہ کام ہو؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- جی ہاں! تحریری طور پر نظریات اور تحریک کے فروغ میں جو استحکام آتا ہے وہ کسی اور میڈ * کے ذریعے نہیں ہوتا، لیکن اس کے ساتھ ہی جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ دوسرے مکاتب فکر موجودہ جدید ذرائع ابلاغ کو عالمی سطح پر استعمال کر کے اپنے گمراہ کن نظریات کو فروغ دے رہے ہیں تو میرے اندر آ یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں آ اسی انداز میں کام کروں، مگر افسوس کہ میں اپنے آپ کو اس کام کا متحمل نہیں پاتا، کیونکہ میرے وسائل ایسے نہیں ہیں کہ اس میدان کو اپناؤں-

سوال:- فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت کا جو بین الاقوامی سطح پر تعارف ہونا چاہیے تھا اس میں ''مجلس رضا'' اور دوسرے ادارے کس حد تک کامیاب ہیں اور ا آ اس راہ کے کتنے مراحل طے کرنا باقی ہیں؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- یہ ایک ایسا d بیکراں ہے جس کو عبور کرنے کے لیے جگر آ چاہیے، وقت آ اور حوصلہ وعزم آ، مگر اس کے باوجود میں کہنا چاہوں گا کہ جن لوگوں نے آ اخلاص اور عزم کے ساتھ اس راہ میں کام کیا ہے، وہ 1 کامیاب ہیں، ان کے نتائج ما-س کن نہیں ہیں بلکہ نہایت حوصلہ افزا ہیں- یہاں لاہور میں مرکزی ''مجلس رضا'' نے اس کی بنیاد رکھی ہے، جس کو دیکھتے ہوئے اب دوسرے حضرات کام کے نئے نئے اور مختلف زاویے سامنے لا رہے ہیں، جنہیں دیکھ کر مسرت ہوتی ہے- آج ہی ہندوستان سے ''رضویات'' کے موضوعات پر چند کتابوں کا مجھے ایک 3 ل ملا ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہم ''مرکزی مجلس رضا'' کی بنیادوں پر ہی کام کرنا چاہتے ہیں، اس لیے میں اس پر فخر

کرتا ہوں کہ مجلس کا کام دوسروں کے لیے رہنمائی کا سبب ¯ ہے-

سوال:- آج ہندو پاک کے روابط کافی اچھے ہو رہے ہیں، ہر معاملے میں اشتراک اور ایک دوسرے سے قربت بڑھتی جا رہی ہے، ایسے میں آپ کے نزدیک وہ کون سی تدÛ ہے یا کون سا نقطہ اجتماع ہے جس پر ہندوستان اور پاکستان کے سنی علما جمع ہو کر اتحاد و اشتراک کے ساتھ ''فروغ رضویات'' کے کام کو آگے بڑھائیں؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- اب تک تو پاک و ہند کے درمیان اچھے روابط پیدا کرنے کے لیے سیاسی، فلمی اور کھیل سے تعلق رکھنے والے افراد ہی پیش قدمی کرتے رہے ہیں، مذہبی سطح پر آپسی تال میل کے لیے ا آ ہم لوگوں نے کچھ نہیں کیا ہے، لیکن اگر فضا ہموار ہو گئی تو پاک و ہند کے علما کو رضویات اور سنیت کے حوالے سے کام کرنے کے لیے یکجا ہونا پڑے گا، میں نے محسوس کیا ہے کہ پاکستان میں رضویات کے حوالے سے جتنا کام ہوا، اتنا ہندوستان میں نہیں ہو سکا، مگر اب وہاں آ بیداری آ رہی ہے، ‰ ادارے اور افراد اعلیٰ حضرت کے کاموں کو مختلف زاویے سے سامنے لا رہے ہیں، لیکن اگر یکجا ہو گئے تو یقیناً ایک دوسرے سے 1 استفادہ کر , گے-

سوال:- آپ نے ذاتی طور پر اب تک ''رضویات'' پر کون کون سے کام کیے ہیں، قارئین جام نور کے استفادے کے لیے براہ کرم اسے آ C ئیں کر , ؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- میری زندگی کا جو کچھ آ حاصل ہے وہ ''مرکزی مجلس رضا'' کی شکل میں ہے یا پھر ''جہان رضا'' کے صفحات پر ہے، ان دونوں کاموں سے ہٹ کر میں خود کوئی 1 زیادہ کتابیں نہ لکھ سکا ہوں اور نہ ترتیب دے سکا ہوں، مگر پھر آ ''رضویات'' کے تعلق سے کوئی آ انوکھا کام جو اب تک نہیں ہو سکا وہ مجھے نظر آتا ہے تو میں اسے کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مثلاً پچھلے ۷۰ر برسوں سے ''حیات اعلیٰ حضرت'' مکمل نہیں چھپ سکی تھی جب کہ چند علماے ہندوستان کے مابین اس نایاب کتاب کا مسودہ پچھلے ۳۰ر برسوں سے گھوم رہا تھا، میں نے الحمدللہ! اسے بڑھ کر ترتیب دیا، عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق میں نے اسے سجایا اور اسے شائع کر کے دنیاے سنیت کے سامنے پیش کیا، میں اس

پر فخر کرتا ہوں کہ مجھے ایک عظیم کام کرنے کا موقع ملا جو مدتوں سے گمنامی میں پڑا ہوا تھا- اب الحمدللہ! میں نے یہ Ĩ دیکھا ہے کہ اسی کتاب کو ہندوستان کے علما نے Ĩ ترتیب دے کر شائع کیا، جس کا انداز اور ترتیب بالکل مجھ سے مختلف ہے، مگر میری ترتیب دی ہوئی ''حیات اعلیٰ حضرت'' پر کام زیادہ اچھا ہوا ہے-

سوال:- غالبًا آپ نے ہندوستان میں مفتی مطیع الرحمٰن مضطر کی ترتیب دی ہوئی ''حیات اعلیٰ حضرت'' Ĩ پڑھی ہوگی، اب آپ بلا تکلف نہایت یہ C ئیں کہ کون سی ترتیب زیادہ اچھی اور موثر ہے؟ آپ کی مرتب کردہ یا ہندوستانی ایڈیشن؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- ایک بات تو میں آپ کو C دوں کے جس وقت میں اپنی کتاب ترتیب دے رہا تھا تو اس وقت ہندوستانی ایڈیشن میرے پیش نظر نہیں تھا، میری کتاب شائع ہونے کے ^ میں نے ہندوستانی ایڈیشن دیکھا ہے، اس لیے اب میں یہ دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ میری کاوش ان بزرگوں سے بہتر ہے جنہوں نے ہندوستان میں اسے ترتیب دی ہے- اس کے علاوہ انہوں نے ایک جلد Ĩ کم چھاپی وہ مکمل نہیں ہے-

سوال:- لیکن یہ Ĩ کہا جاتا ہے کہ آپ نے Ĩ ایک جلد کم چھاپی ہے؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- الحمدللہ! ایسا نہیں ہے، آپ میری کتاب ملاحظہ فرمائیں ، ہم نے چار حصوں کو مکمل ایک جلد میں کر دیا ہے مگر کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے- انہوں نے ایک حصہ نہیں شائع کیا، اب ایسا انہوں نے کیوں کیا؟ مجھے نہیں معلوم، انہیں وہ حصہ نہیں ملا یا پھر دیدہ و دانستہ ایسا کیا گیا ہے، لیکن محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جان بولاکر ہی اپنے ملک کے سیاسی حالات کی وجہ سے ایسا کیا ہے، کیونکہ اس میں ترک موالات وغیرہ کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت نے ہندوؤں کو خوب لتاڑا ہے اور اس میں قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کی طرح فطرتی طور پر دو قومی نظریہ پیش کیا ہے، اگر وہ اس کو شائع کر دیتے تو ممکن ہے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا-

سوال:- نہیں، میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے، میں وہاں کے سیاسی حالات سے واقف ہوں، میرا خیال ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:-:- ہو سکتا ہے کہ ان کو وہ چیز نہ ملی ہو لیکن مجھے ڈاکٹر مختار الد + آرزو صاحب نے C یا کہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' کا سارا مسودہ مولانا محمود احمد رفاقتی صاحب لے گئے تھے، اب ان سے یہ مسودہ گم ہو گیا یا انہوں نے دیدہ و دانستہ ایک حصہ الگ کر دیا مجھے نہیں معلوم-

سوال:- ''رضویات'' کے فروغ میں کتابوں کے علاوہ اخبارات و رسائل کا کیا کردار رہا ہے اور خاص طور پر اس وقت رسائل کے کیا فوائد سامنے آرہے ہیں؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- میں سمجھتا ہوں ''رضویات'' کے حوالے سے پاکستان میں مختلف اداروں اور انجمنوں کے ذریعے تقریباً ہزاروں رسائل و جرائد منظر عام پر آئے ہیں جنہوں نے علمی اور عوامی دونوں طبقوں میں ہی سنیت کی فضا ہموار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا اور یہ بڑی بات ہے- مرکزی مجلس رضا اور رسائل و جرائد کا سنیت کے لیے فضا سازگار کرنے کا ہی یہ اثر ہے کہ کل تک کنزالایمان ترجمہ قرآن کو شائع کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا، ہم وفد لے لے کر تاج کمپنی والے کے پاس جاتے تھے کہ اسے آپ شائع کر , ، مگر وہ تیار نہیں ہوتا تھا کہ اسے کون خریدے گا؟ الحمدللہ! آج چار سو تاجران صرف پاکستان کے اندر کنزالایمان شائع کر رہے ہیں جن میں سنی، د- بندی، جماعت اسلامی اور اہل حدیث سبھی طبقے شامل ہیں-

سوال:- ماہنامہ ''جام نور'' اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی:- ماہنامہ جام نور نے پچھلے دو سالوں میں بڑی تیزی کے ساتھ پاک و ہند کے پڑھے لکھے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے، میں Ĩ اس کا مستقل قاری ہوں، مجھے اس میں بڑے ہی اچھوتے اور علمی مضامین ملتے ہیں، میں نے محسوس کیا کہ یہ رسالہ پرانی لکیر , نہیں پیٹ رہا ہے بلکہ جدید طرز پر جماعتی و ملی مسائل کو حل کرنے کے لیے نہایت جدوجہد کر رہا ہے- اس کی اہمیت کا اندازہ ہمارے قارئین اس طور پر Ĩ لگائیں گے کہ میں یہاں لاہور میں ''جام نور'' کی سو سو کاپیاں منگواتا ہوں اور چند دنوں میں ہی لوگ خرید لے جاتے ہیں اور مطالعہ کے ^ مجھ سے اور دیگر مجلسوں میں اس کے

دلچسپ مضامین، مباحث اور خاص طور پر اداریں پر ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ آپ (ایڈیٹر) کے پاس لوگ اپنے دلی تاثرات روانہ کرتے ہیں کہ نہیں لیکن یہاں مجھ سے تحریری، زبانی اور فون پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں- میری دعا ہے کہ اس وقت معاشرے میں جو اعتقادی اور فکری بے راہ روی ہے اس کی اصلاح کے لیے ''جام نور'' - نہی کامیابی کے ساتھ ملت کا ترجمان بن کر شائع ہوتا رہا ہے- میں آپ کی خدمات کو آ ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کیونکہ آپ نے جماعت اہل سنت کو ایک نئی جہت اور فکر دی ہے-

❑❑❑

(شمارہ اپریل ۲۰۰۵ء)

امام زید شاکر

ڈائرکٹر زیتونہ انسٹی ٹیوٹ، کیلی فورنیا، امریکہ

امام زید شاکر African Amrican ہیں- امریکہ کے صوبہ کیلی فورنیا میں پیدا ہوئے، امریکی فوج میں ملازمت کے دوران ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا- امریکی - نیورسٹی واشنگٹن سے International Relation میں گریجویشن اور Rutgers University سے Political Science میں ا* اے کی ڈگری حاصل کی- اسلام لانے کے ^ د +حق کی روح کو سمجھنے اور عربی سیکھنے کی غرض سے مصر، شام اور غرب وغیرہ عرب ممالک کا سفر کیا، انگلش ان کی مادری زبان ہے، عربی میں آ بلاتکلف بولتے، لکھتے اور پڑھتے ہیں- جدید علوم کے ساتھ ساتھ تفسیر، حدیث، فقہ پر آ کامل عبور ہے- فقہ میں امام شافعی کے مقلد ہیں، صوفیہ ومشائخ سے گہری وابستگی رکھتے ہیں- امام زید شاکر نومسلم امریکی صوفی اسکالر ہونے کی حیثیت سے امریکی سیاست پر کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں، زبان و Ò ن پر قدرت کی وجہ سے امریکہ کے علاوہ اکثر - رپی ممالک کے سفر پر رہتے ہیں- امریکہ کی مشہور - نیورسٹی ''برکلے'' میں عربی زبان کے استاذ آ ہیں- اسلامی تراث کی نصف درجن کتابیں تقریبا عربی سے انگلش میں ترجمہ کر چکے ہیں- ۹/۱۱ کے ^ امریکہ میں مسلمانوں کے حالات پر ان کی ایک اہم کتاب Scattered Pictures منظر عام پر آ کر - رپ وامریکہ میں بے حد مقبول ہوئی- ۹/۱۱ کے ^ امریکہ کے مختلف صوبوں اور شہروں میں مختلف ذرائع سے اسلام کی درست تعبیر پیش کرنے اور غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کرنے میں مصروف ہیں- موصوف کا ماننا ہے کہ اگر صحیح اسلامی نظریات کی عصری ترسیل کی جائے تو اسلام کا دائرہ وسیع کرنے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی-

ســـــوال :-کیا آپ اپنے اسلام قبول کرنے کے واقعے کے بارے میں ہمیں C سکتے ہیں؟

امام زید شاکر:- p اللہ الرحمٰن الرحیم -میں نے اسلام دو سال کی تلاش کے ^ ۱۹۷۷ء کی ۰ رمیں قبول کیا، دو سال تک میں د +حق کی تلاش میں رہا، میری اس تلاش کی وجہ ایسے نظام کی جستجو تھی جو معاشرے میں غربت اور Ê ک اور روحانیت کے فقدان کا علاج مہیا کر سکے- ہم بچپن میں ایک حکومت کی طرف سے مہیا کیے گئے فلاحی گھر میں رہتے تھے، ہم سات a تھے جنہیں صرف ان کی ماں نے پال پوس کر بڑا کیا، ہمارے والد کا ہمارے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا، میری والدہ (اللہ انہیں جنت نصیب کرے) 1 ہی با ہمت خاتون تھیں، ان کی محنت اور مستقل مزاجی کی وجہ سے ہم سب بچوں نے اچھی تعلیم پائی - البتہ ہمارے اردگرد معاشرتی برائیوں کی ریل پیل تھی، نشے کی حالت میں ç ی بچوں کو مارنا پیٹنا کوئی نئی بات نہیں تھی، جب میں بارہو , جماعت میں تھا تو میں نے سوچنا شروع کیا کہ ان حالات کو کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے، ایسے میں میں نے مذہب کے بارے میں ریسرچ شروع کیا، ظاہر ہے پہلا مذہب جس کا میں نے مطالعہ کیا وہ عیسائیت تھا کیونکہ میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا تھا-لیکن جیسے جیسے میری تحقیق گہری ہوتی گئی مجھے عیسائی عقیدے میں نقص نظر آنے لگے اور میں عیسائیت سے دور ہوتا چلا گیا، میں اس بات پر یقین کرنے سے قاصر تھا کہ انجیل جیسے کہ ہم جانتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب نہیں بلکہ وہ ایک ایسی کتاب اور عیسائیت ایک ایسا مذہب ہے جسے چرچ کی اجارہ داری کے لیے تبدیل کیا جا چکا ہے-

آخر کار میں نے مشرقی مذاہب کا مطالعہ شروع کیا، میں نے بدھ مت کا مطالعہ کیا اور جوگیوں کے انداز پر Ì غور کیا لیکن میرے لیے یہ سب مذاہب صرف انسان کی شخصیت تک محدود نظر آئے، وہ میری روحانیت تو بڑھا سکتے تھے لیکن ان میں معاشرے کی برائیوں کے لیے کوئی حل موجود نہیں تھا-

آخر کار میں نے ایک کتاب ''اسلام ان فوکس'' پڑھی جو کہ محمود العاطی نے لکھی تھی، وہ کتاب پڑھتے ہی مجھ پر حق افشاں ہو گیا اور الحمد للہ! اب ۳۱ سال گزر چکے ہیں اور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے Ì Ì مسلمان ہوں اور میں نے کبھی Ì اپنے فیصلہ پر شک نہیں کیا-

سوال :-ہم نے سنا ہے کہ آپ اہل سنت وجماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور مسلک میں امام شافعی کے مقلد ہیں، کیا شروع سے ہی آپ امام شافعی کے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں یا یہ تبدیلی ^ میں آئی؟

امام زید شاکر:-جب میں نے اسلام قبول کیا میں اس وقت امریکی ائیر فورس میں ملازمت کر رہا تھا، میں نے ائیر فورس میں ملازمت معاشی تنگی کی حالت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کی تھی، جب میں کالج کے پہلے سال میں تھا تو میری والدہ انتقال کر گئیں اور ان کے انتقال کے ^ میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ملازمت Ì کر رہا تھا لیکن اس سے آمدنی اتنی نہیں تھی کہ میں گھر اور اپنی پڑھائی کا خرچہ برداشت کر سکتا، ان حالات کی وجہ سے میں نے فیصلہ کیا کہ میں ائیر فورس میں 2/1تی ہوں گا، یہ ویت نام کی جنگ کے ^ کا زمانہ تھا، میں نے ائیر فورس سے مستعفی ہونے کی کوشش کی کیونکہ میں کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا، میری یہ عرضی اس ¯ پر رد کر دی گئی کہ اس وقت کوئی جنگ جاری نہیں تھی، اس عرضی کے رد ہونے پر میں نے ترکی کے ائیر فورس بیس میں دا 4 ہونے کی درخواست کی تا کہ میں ایک مسلم معاشرے میں رہ سکوں، میری یہ عرضی قبول کر لی گئی - ترکی میں میں نے مقامی علما سے اسلام کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی، جو کہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اس موقع پر مجھے چار اماموں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا، میری ائیر فورس کی ملازمت کے اختتام پر جو صرف چند سال رہی میں نے - نیو رسٹی میں داخلہ لے لیا- ایسے میں میری ملاقات ایک ایسے حضرت سے ہوئی جو کہ سلفی تھے، انہوں نے کہا کہ مقلد ہونا اور امام ابو حنیفہ کی پیروی کرنا بدعت ہے- اس دوران میں نے فقہ، فقہ سنہ سے پڑھنا شروع کی جو کہ سید سابق کی لکھی ہوئی ہے اور عقیدہ Ì سلفی تصنیفات سے پڑھنا شروع کیا، آٹھ سال کے لیے میں

نے ایسے ماحول میں تعلیم حاصل کی، میں نے اس دوران دو مسجدوں کا آغاز کیا، ان میں سے ایک مسجد الاسلام کا میں بذات خود امام تھا، یہ مسجد نیوہیون، کنیٹیکٹ میں ہے- اپنی فقہ کلاسیں جو میں پڑھاتا تھا، ان میں مجھے احساس ہوتا تھا کہ سلفی فقہ میں ایسے خلا تھے جو مجھے خود اپنی طرف سے 1/2 نے پڑتے تھے، مجھے یہ بات اکثر پریشان کرتی رہتی تھی، اسی دوران ایک ملیشیا سے تعلق رکھنے والے مسلمان ¸ ئی نے مجھے شیخ نوہامیم کیلر کی ایک شافعی فقہ کی کتاب پڑھنے کو دی-

اس کتاب کو پڑھ کر مجھے اس چیز کا احساس ہوا کہ اس کتاب میں دی گئی فقہ میں کوئی خلا موجود نہیں تھا اور مجھے اپنی طرف سے چیز , ¯ نے کی ضرورت نہیں تھی، اس کتاب کو پڑھنے کے ^ میں نے مسجد میں امام شافعی کے مسلک کی کتاب سے فقہ پڑھانا شروع کر دی، اس کتاب کا نام عمدۃ السالک تھا، اس کے ^ میں نے چار اماموں کے بارے میں تحقیق کرنا شروع کی، مجھے فوراً ہی اس بات کا پتہ چل گیا کہ چاروں میں کسی Ì مسلک میں کسی ایک انسان کا ہاتھ نہیں بلکہ ہزاروں علما کے ہاتھوں صد-ں کے گزرنے کے ^ مسائل کا حل اور اسلام کے اصول قائم کیے گئے ہیں-

ایک اور بات جس کا مجھ پر انکشاف ہوا وہ یہ ہے کہ سلفی فقہ ایک ایسا مسلک ہے جو کچھ تو شافعی مسلک جیسا ہے اور باقی داؤد الظاہری کے ظاہری مسلک جیسا ہے- سوال یہ ہے کہ آپ کس کے اصولوں پر چلنا چاہتے ہیں، البانی اور نئے علما جن کو سلفی صحیح مانتے ہیں ان کے اصولوں پر راضی ہیں تو وہ ان کی مرضی، میں تو امام شافعی اور ان کے شاگردوں امام موذانی، امام ظافرانی، امام بغوی، امام جوئی، امام الحرمین، امام غزالی، امام نواوی، ابن حجر حیتمی، امام رملی اور ^ میں آنے والے اماموں اور ان کے وضع کردہ اصولوں کی پیروی میں زیادہ محفوظ محسوس کرتا ہوں-

ہمیں البتہ دوسرے مسلکوں کے پیروکار مسلمانوں کی عزت کرنی چاہیے اور ¸ ئی چارے سے زندگی گزارنی چاہیے، ہم ایسے معاملات میں پڑ کر امت مسلمہ کو تقسیم ہونے نہیں دے سکتے، ہمیں اس بات کا خیال کرنا چاہیے کہ ہم میں سے ہر کوئی مجتہد یا مجتہد مطلق نہیں اور

ہم قرآن اور سنت سے اپنی طرف سے حکم نہیں نکال سکتے، وہ صرف علما کا کام ہے جو اس فیلڈ کے ماہر ہیں، جس طرح ہم کسی ایسے شخص کو کسی کا آپریشن نہیں کرنے دیتے جس نے طب کی کوئی ایک معمولی سی کتاب پڑھ رکھی ہو یا کسی ایسے مکینک کو اپنی گاڑی نہیں دیتے جس نے گھر بیٹھ کر ٹو-ٹا گاڑی کا مینول پڑھ رکھا ہو یا کسی ایسے دندان ساز کے پاس نہیں جاتے جس نے کوئی دندان سازی کی تعلیم نہ حاصل کر رکھی ہو تو ہم د + کے معاملے میں کسی ایسے شخص کے پاس کیسے جا سکتے ہیں جو اپنے فیلڈ کا ماہر نہ ہو- کسی غلط ڈاکٹر کے پاس جا کر ہم اپنے جسم کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور کسی غیر عالم کے پاس جا کر ہم اپنی روح کو ابدی خطرے میں ڈال دیتے ہیں، اب آپ خود ہی C یئے کہ اس عارضی دنیا کے معاملات میں ہم صرف ماہر + کی خدمت حاصل کرتے ہیں اور روحانی معاملات جو ابدی ہیں ان کے لیے نہیں، ایسے لوگ جو د + کے مقاصد اور اصولوں سے نا آشنا ہوں، جو احادیث کے بارے میں علم نہ رکھتے ہوں، جو علوم القرآن سے ناواقف اور اسباب النزول سے نا آشنا ہوں اور جنہیں نسخ کا علم نہ ہو جن کے بغیر قرآن سے کسی حکم کو لینا کتاب الٰہی کی شان میں گستاخی اور ایمان کے ساتھ زیادتی ہے، جس شخص کو قرآن کی قرأت کا علم نہیں اور جو عربی زبان کا ماہر نہیں ہم ایسے شخص کے حوالے اپنے ایمان کی حفاظت کی ذمہ داری دے د , یہ سراسر نادانی ہے-

ســـــوال:- آپ کا تصوف سے کیا تعلق ہے اور لوگوں کا امریکہ میں تصوف کے بارے میں کیا تصور ہے؟

امام زید شاکر:- امریکی معاشرے میں 1 عرصہ تک صرف اخوان المسلمون یا سلفی مسلک سے تعلق رکھنے والے افراد کا اثر رہا ہے لیکن پچھلے کچھ سالوں میں یہ رجحان تبدیل ہو چکا ہے اور دعویٰ میں ان کی آواز خاصی بلند ہو چکی ہے-

جہاں تک علم تصوف کا تعلق ہے یقیناً یہ علم ایک بدعت ہے لیکن ہمیں اس بات کو جان لینا چاہیے کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی، جیسے کہ اگر ہم علم النحو کی مثال لیں، تو ہم جانیں گے کہ صحابہ کے زمانہ میں ایسے کسی علم کا نام ونشان Ì موجود نہیں تھا، اگر ہم حضرت ابو بکر صد & رضی اللہ عنہ سے کسی عربی کے جملہ میں مبتدا خبر کو واضح کرنے کو کہتے تو وہ خیال کرتے کے

شائد ہمارا دماغ اپنی صحیح حالت میں نہیں ہے، اگر ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھیں کہ یہ کلمہ مرفوع ہے یا منصوب تو شائد ہمیں مار ہی پڑ جائے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عربی زبان کے تحفظ کے لیے علم النحو کا آغاز کیا گیا جو کہ بدعہ حسنہ ہے اسی طرح فقہ میں اگر آپ صحابہ کے پاس جاتے اور پوچھتے کہ اس مسئلہ پر کیا فتوی ہے کہ یہ باب طہارہ میں آیا ہے کہ باب نکاح میں تو آپ کو ما-سی ہوگی صحابہ کے لیے فقہ ان کا فہم تھا، ان کے لیے یہ سب اصول نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عقل وفہم سے سمجھے ہوئے مسئلے تھے نہ کہ ایک مخصوص علم تو جس طرح علم فقہ کا آغاز ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور اس کے اصولوں کی حفاظت کی جا سکے اور جس طرح علم النحو کا آغاز ہوا کہ عربی زبان کو محفوظ کیا جائے، اسی طرح تصوف کے علم کا آغاز کیا گیا تا کہ مسلمانوں کی روحانیت کو bل کرنے کے علم کی حفاظت کی جا سکی-علم عقیدہ کا آغاز Ì اسی طرح مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے کیا گیا-صحابہ کو علوم اسما اور صفات کی تفصیلات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ لفظ عقیدہ ان کے لیے کوئی معنی رکھتا تھا- اگر ہم سلفی اصطلاحات کا استعمال کر , تو ان کے لیے الوہیت اللہ اور ربوبیت اللہ کچھ معنی نہ رکھتے تھے، یہ سب اصطلاحات اس لیے شروع کی گئیں تا کہ اسلام کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا جا سکے-

تو اگر ہم تصوف کو اس بنیاد پر ٹھکراد , کہ اس طرح کا کوئی علم نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود نہیں تھا تو ہمیں علم النحو، علم الفقہ اور علم عقیدہ کو Ì ٹھکرانا پڑے گا-

اس c کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تصوف کا نام لے کر ہر وہ چیز جس کو تصوف کے دائرے میں شامل کیا جاتا ہے، مان لیا جائے-

ہم اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے کہ لوگ -نانی یا ہندو فلسفے کو پڑھ کر اس پر تصوف کا لیبل لگا کر ایسے پیش کر , کہ اس کا آغاز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا-تصوف کا استعمال اس لیے ہے کہ انسان اپنے اندر موجود روحانی خامیوں کو دور کر سکے، اپنے باطن میں موجود برے کردار کو اچھے کردار میں تبدیل کر سکے، اپنی زبان کو ذکر میں

مشغول رکھ سکے، اپنے آپ میں اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور جیسے ان کا ادب کیا جانا چاہیے کر سکے، یہ اسلام کی وہ بنیاد ہے جس پر علم تصوف کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور مجھے فخر ہے کہ جس حد تک ہو سکتا ہے میں اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہوں-

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر سب لوگ تصوف کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار , تو لوگ نہیں چاہیں گے کہ انہیں کوئی صوفی کہے، کیونکہ پرانے زمانے میں صوفی کہلانے کا مطلب تھا کہ آپ ایک ایسے شخص ہیں جس نے اپنے باطن کو روحانی طور پر بالکل پاک کر دیا ہے اور ایک ایسے شخص ہیں جو کہ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور اس کے تمام اعمال شریعت کے مطابق ہیں، جو کہ تمام سنتوں کو اپنے آپ میں زندہ رکھے ہوئے ہے، ایسے شخص کو صوفی کہا جاتا تھا، تو اگر آج کل لوگ صحیح طرح سے علم تصوف پر زندہ رہیں تو انہیں صوفی کہلانے پر شرمندگی ہوگی کیونکہ ان میں وہ تمام اوصاف موجود نہیں جو ایک صوفی کی ذات میں ہونے چاہیے، آج کل کے حالات میں البتہ صوفی کہلانے کا مطلب ہے کہ یہ شخص بدعت کرتا ہے یا کسی سر پھرے گروہ کا مرید ہے-

Ì تو میں چاہتا ہوں کہ میں اصل معنوں میں صوفی بن سکوں پر میں Ì نہیں ہوں کیونکہ میں ہر وقت ذکر اور یاد الٰہی میں مشغول نہیں ہوتا، کبھی کبھی میرے نفس کی منفی سائڈ مجھ پر حاوی ہوتی ہے- اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اصل معنوں میں صوفی بننے کی توفیق دی تو میں صوفی ہونے پر فخر محسوس کروں گا، ان شاء اللہ-

سوال :-۹/۱۱ کے سانحے کے ^ امریکی عوام اور حکومت مسلمانوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

امام زید شاکر:-امریکی عوام کو مسلمانوں کو جانچنے کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جن امریکیوں کا مسلمانوں سے کام پر یا ہمسائے کے طور پر میل جول ہے، ان کا مسلمانوں کے بارے میں 1 اچھا نظریہ ہے، البتہ جن امریکیوں کا کسی طرح Ì مسلمانوں سے میل جول نہیں وہ حکومتی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے خلاف

تعصب زدہ ہو چکے ہیں-

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے کچھ حکومتی حضرات 1 انصاف پسند ہیں اور وہ صرف قانون کی بالا دستی چاہتے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے لیے کوئی مخصوص برتاؤ، البتہ کچھ حضرات ایسے آ ہیں جو کہ ۱۱/۹ کے سانحے کو استعمال کر کے مسلمانوں کو آج کل کا نیا امریکی دشمن (ماضی میں کمیونزم کی طرح) کر پیش کرتے ہیں، ایک ایسی تیسری طاقت جو کہ دنیا پر قبضہ چاہتی ہے اور مسلمانوں کو اس ڈھنگ سے پیش کر کے وہ اپنی فوجی محاذ آرائی کو جائز قرار دینا چاہتی ہے، تا کہ وہ اور زیادہ پیسہ اسلحہ سازی میں جھونک سکے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلحہ سازی ایک 1 منافع j کاروبار ہے اور امریکی امراء اور حکومتی ارکان جنگ کو ایک کاروبار — چکے ہیں، امریکہ کا معاشی نظام تنز F ہو رہا ہے لیکن عراق کی جنگ میں اربوں بلکہ کھربوں ڈالر جھونکے جا رہے ہیں، جیسے کہ امریکی کہاوت ہے کہ ''جنگ کاروبار کے لیے تباہی ہے ماسوائے اس جنگ کے جو کاروبار میں ہو'' اسی وجہ سے کچھ امریکی کمپنیاں پچھلے کچھ سالوں میں کئی اربوں ڈالر کا منافع — چکی ہیں، عام طور پر اس طرح سے کسی حریف کے ساتھ جنگ چھیڑنا ممکن نہیں ہوتا، اگر کوئی اچھا جواز عوام کو نہ مہیا کیا جا سکے، البتہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے حکومت دہشت گردی مٹانے کے ۰ نے اپنی من مانی کر رہی ہے-

سوال:- کہا جاتا ہے کہ امریکی حکومت دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں سے جنگ لڑ رہی ہے، آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟

امام زید شاکر:- جی ہاں! حکومت مسلمانوں سے لڑائی انسداد دہشت گردی کے نام پر کر رہی ہے، اصل صورت حال یہ ہے کہ امریکی حکومت دہشت گردی کا خاتمہ نہیں کر رہی، عراق اور افغانستان میں جنگ لوگوں کے دلوں میں غم و غصے کے شعلے اور نہ کا رہی ہے، یہ صورت حال دہشت گردی کی افزائش میں اضافے کا باعث تو بن سکتی ہے کمی کا نہیں- میرے خیال میں حکومت کو دہشت گردی کو ختم کرنے کا کوئی شوق نہیں، اسے مسلمانوں کے زمینی اثاثوں پر قبضہ کر کے پیسہ — نے سے مطلب ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلم ممالک میں اپنی فوجی موجودگی آ چاہتے ہیں- اصل صورت حال یہ ہے کہ اس جنگ سے مسلمانوں

کے دلوں میں صرف نفرت کا اضافہ ہو رہا ہے، دہشت گردی کا خاتمہ نہیں-

کچھ مسلمان ملکوں میں عوام کے خلاف جو دہشت گردی کی جا رہی ہے جیسا کہ پاکستان، جس کو امریکی میڈیا میں یہ کہہ کر اچھالا جاتا ہے کہ اس وجہ سے ہمیں یہ جنگ کرنی ہے تا کہ ان دہشت پسند عناصر کا خاتمہ کیا جا سکے، یہ موقف بالکل درست نہیں، اگر آپ حالیہ پاکستان الیکشن رزلٹ کا معائنہ کر , تو ظاہر ہو جائے گا کہ مذہبی جماعتوں کو کوئی ووٹ نہیں پڑے تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ جو لوگ چند ارکان اسمبلی منتخب نہیں کر سکتے وہ حکومت پر قبضہ کر کے کیا کسی کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں؟ بالکل نہیں-

سوال:- نوجوانوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

امام زید شاکر:- نوجوانی کے دور میں انسان اکثر جذباتی ہوتا ہے، اس موقع پر سب سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ انسان اپنے جذبات پر قابو رکھے اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں نہ چڑھ جائے جن کا ایجنڈا کچھ اور ہی ہو، آج کل جو لوگ اپنی طرف سے جہادی مہموں میں مصروف ہیں ان کی وجہ سے ان گنت مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں-

آپ بے نظیر بھٹو کی مثال لے لیں، جس شخص نے ان کی جان لینے کے لیے اپنی جان آ دے دی اس شخص نے نہ صرف ایک بے گناہ عورت پر قاتلانہ حملہ کیا بلکہ ارد گرد کے غریب عوام کو آ قتل کر دیا، کئی لوگ امریکی سی آئی اے یا اسرائیلی موساد پر الزام دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے اصل حملہ کیا وہ مسلمان تھا، ایسے میں اگر ہم احادیث کا مطالعہ کر , جو کہتی ہیں کہ جس کسی نے کسی مسلمان کے قتل میں مدد آ کی وہ آخرت میں اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا یا اس حدیث کی جس میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی مشرق میں زبان سے ایسی بات کرے جس کی وجہ سے مغرب میں کسی آ مسلمان کی جان لی جائے تو وہ شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا- تو پھر ہم شریعت کی روشنی میں ایسی حرکتوں کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں-

میرا نوجوانوں کو پیغام یہ ہے کہ اسلام متوازن د + ہے، اس میں جہاد کا حکم یقیناً ہے، لڑائی کا آ حکم ہے لیکن اللہ کے واسطے اسلام کی حفاظت کے لیے نہ کہ بے گناہ لوگوں کا خون

· نے کے لیے، چاہے وہ بے گناہ لوگ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اسلام نے بے گناہ غیر مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے-

نوجوانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے اردگرد کے معاشرے کو بہتر کیسے ¯ سکتے ہیں، ان کو چاہیے کہ اپنے د + کا علم حاصل کر , اور اپنے عقائد اور حرکات وسکنات میں تضاد نہ آنے د , ، ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے بزرگ تاج محل اور بادشاہی مسجد جیسی عمارتیں ہمارے لیے کیسے چھوڑ گئے، جن کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں ملتا، ہمیں تو ایسی باکمال چیز , ورثے میں ملیں پر ہم چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں- نوجوانوں کو چاہیے کہ د + اور روحانیت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم اور سائنس کے ماہر بننے کا شوق اپنے اندر پیدا کر , تاکہ تمام لوگوں کی زندگی پر اچھے طور پر اثر انداز ہوسکیں-□□□

(شمارہ مئی ۲۰۰۸ء)

پروفیسر سید محمد امین قادری

زیب سجادہ آستانۂ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ضلع ایٹہ (- پی)

مشائخ مارہرہ کی روحانی فیض رسانیوں کا ذکر کیے بغیر برصغیر میں د + کے تحفظ وتبلیغ کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی - امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی (ولادت ۱۵/اگست ۱۹۵۲ء) اسی سلسلۂ روحانیت کے امین ووارث ہیں، قد * صالح کے محافظ اور مبلغ ٱ ہیں اور جدید نافع سے آراستہ اور اس کے موید ٱ - خانقاہ مارہرہ کی مسند نشینی پر متمکن ہونے (۱۹۹۵ء) کے ^ اپنی فکر، عمل اور جدوجہد سے آپ نے تعلیمی، دینی، روحانی اور تعمیری مشن کے فروغ میں جو نمایاں خدمات پیش کی ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں- برصغیر کا عظیم ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سمیت ملک کے سیکڑوں مدارس ومکاتب آپ کی توجہات سے روبہ ارتقا ہیں- قائم چاند پوری، ادب ادیب اصناف، شاہ برکت اللہ کی حیات اور علمی کارنامے اور شاہ حقانی کا اردو ترجمہ اور تفسیر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ کے مصنف، سراج العوارف والوصایا والمعارف، چہار انواع اور آداب السا 9 کے مترجم، درجنوں مدارس اور تنظیموں کے سرپرست، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے بانی وصدر اور شعبہ اردو علی گڑھ کے پروفیسر ہیں- اب جبکہ انٹرو - ز کا یہ مجموعہ زیر ترتیب ہے، موصوف کے تعلق سے یہ اضافہ کرتے ہوئے مجھے خوشی ہورہی ہے کہ ۲۰۰۹ء کے اخیر میں جارج ٹاؤن - نیورسٹی امریکہ کا دی پرنس الولید بن طلال سینٹر فار مسلم کرسچین انڈراسٹینڈنگ اور دی روئل اسلامک اسٹراٹجک اسٹیڈیز سینٹر جورڈن نے پوری دنیا کے مسلمانوں کا سروے کیا اور ان کروڑوں مسلمانوں میں سے پانچ سو ایسے مسلمانوں کی ایک فہرست تیار کی جو عام مسلمانوں پر اپنے گہرے اثرات رکھتے ہیں- اس فہرست میں پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری کا نام ۴۴ و , نمبر پر ہے-

سوال :-ایک -نیورسٹی کا پروفیسر، ایک عظیم خانقاہ کا متولی وسجادہ نشیں اور ایک معیاری عصری درس گاہ کا سربراہ، تینوں ذمہ دار -ں کو کیسے Maintain کرتا ہے اور ان تینوں میں اس کے لیے سب سے زیادہ مشکل اور مشقت طلب کون سی ذمہ داری ہے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:-میرے لیے یہ تینوں چیز , باعث برکت ورحمت وتقویت ہیں- میں -نیورسٹی کا پروفیسر ہوں جو میرا منصبی فریضہ ہے اور میرا ذریعہ معاش آ اس لیے باعث برکت ہے- خانقاہ برکاتیہ کا خادم ہوں یہ میرا موروثی وتیرہ ہے، رب تبارک وتعالیٰ کی عنایت ہے، اس لیے میرے لیے باعث رحمت ہے- ''البرکات'' قوم کی فلاح وبہبود کے لیے چھیڑا گیا مشن ہے اس لیے میرے لیے باعث تقویت ہے اور جہاں تک maintain کرنے کی بات ہے تو جس نے یہ عہدے اور اعزاز عطا فرمائے ہیں وہ ان کو سنبھالنے کی صلاحیت اور طاقت آ عطا فرماتا ہے- میں خود کو 1 خوش نصیب تصور کرتا ہوں کہ رب کر* نے مجھ کو د + اور دنیا دونوں کی خدمت کرنے کا موقع دیا-

جہاں تک آپ نے پوچھا کہ مشکل اور مشقت طلب کیا ہے تو ¸ ئی کام کرنے کا جذبہ رکھنے والے کے لیے کوئی کام مشقت طلب نہیں ہوتا اور نہ کرنے والے کے لیے ایک تنکا ادھر سے اُدھر کرنا مشقت طلب ہے- ہمارا تو ماننا یہ ہے کہ

قدم چوم لیتی ہے خود آ کے منزل
مسافر اگر اپنی ہمت نہ ہارے

اگر ذمّہ داریاں زیادہ ہیں تو Times of Management 1 ضروری ہے اور میں خدا کے فضل سے اپنے اوقات کو منضبط کرنے کی کوشش کرتا ہوں- صبح سے 1:30 تک -نیورسٹی اور پھر البرکات اور رات میں دوسرے روز پڑھانے کے لیے مطالعہ، احباب اور متوسلین کے فون، ان کی باتیں اور ان کے لیے دعا تعویذ غرض کہ سب کچھ بخیر وخوبی جاری ہے- اس میں 1 سی چیزوں کی قربانیاں دینا ہوتی ہیں جو Cئی نہیں جاتی بلکہ محسوس کی جاسکتی ہیں- میں نے آپ سے پہلے آ عرض کیا کہ Times of Management 1

اہم چیز ہے اگر وقت کی پابندی ہے اور رویہ مثبت ہے تو کوئی آ کام بہ آسانی کیا جاسکتا ہے- دراصل ایک 1 اہم بات یہ ہے کہ اگر کسی آ کام کے متعلق آپ کا concept clear ہے، آپ کو کام کی بنیادی سمجھ ہے، منفی اور مثبت دونوں پہلو اُجاگر ہیں تبھی آپ چیزوں پہ قابو پاسکتے ہیں اور کام کو بخیر وخوبی کرسکتے ہیں-

سوال :-آج جبکہ ہماری اکابر ہستیاں راہی ملک عدم ہوچکی ہیں اور جماعت اہل سنت مخلص، ذی علم وذی استعداد اور بلند فکر افراد سے محروم ہوتی جارہی ہے، ایسے میں علمی فکری، تبلیغی، تعمیری اور تنظیمی سطح پر آپ جماعت کو کس حال میں پاتے ہیں؟ یعنی جماعت کے ارتقائی مراحل سے آپ کتنا مطمئن ہیں؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:-یہ بات صحیح ہے خوشتر صاحب کہ ہماری اکابر ہستیاں ہم سے رخصت ہوچکی ہیں اور یہ قانونِ قدرت ہے، مشیت ایزدی کا تقاضا ہے ''**کل من علیہا فان**''، لیکن اس بات سے مجھے تھوڑا سا اختلاف ہے کہ مخلص، ذی علم وذی استعداد اور بلند فکر افراد سے جماعت محروم ہے- ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کہیے کہ ہم ان کو تلاش نہیں کر پارہے ہیں، ہم جستجو نہیں کررہے ہیں- مخلص افراد خود نہیں ہوتے ہیں ¯ نا پڑتے ہیں-

جماعتِ اہلِ سنّت میں ذی علم آ ہیں، ذی استعداد آ اور بلند فکر آ -بس کہیں کہیں بکھراؤ ہوگیا collective efforts نہیں ہیں- کہیں باہمی تعاون کی کمی ہے، کہیں آپسی سمجھ کا فقدان ہے، کبھی وسائل کی کمی ترقی کی راہ میں آڑے آتی دکھائی دیتی ہے-

جماعت کی تشکیل افراد سے ہوتی ہے، اگر جماعتی سطح پر کوئی کمی ہے، فکری، تعلیمی، تبلیغی معاملات اگر کمزور ہیں تو اس میں ساری ذمہ داری ہم علمائے کرام، مشائخ عظام اور دوسرے ذمہ داران پر پوری طور سے نہیں ڈال سکتے- ہمیں یہ آ دیکھنا ہوگا کہ عوام تک ہم اصلاحی پیغام پہنچانے میں کامیاب ہیں کہ نہیں- لوگوں کو جماعت کے ذمہ داران کے کس رویہ سے زیادہ Üاری ہے- افرادِ امّت ہم سے کیا توقعات رکھتے ہیں- ہم نے اس دور کے بارے میں آ سنا ہے اور کچھ کچھ دیکھا آ ہے کہ اکابر علما نے جماعت کی شیرازہ بندی کیسے کی- ان حضرات میں عوام کو convince کرنے کی بڑی صلاحیت تھی- آپ کسی آ مشن یا

تحریک کی طرف عوام الناس کو کسی عہدے، نسبی فضیلت، یا زور وزر کے ذریعے راغب نہیں کر سکتے - اس کے لیے آپ کے پاس کردار، نیک نیت اور ذاتی مفاد سے لاّاری ہونا چاہیے- مجھے یاد ہے میرے بڑے ابّا حضور سید العلما کسی مدرسے یا جماعت کی مدد کرنے کے لیے اگر ایک مرغ یا ایک انڈا ہاتھ میں لے کر نیلام کرنے کھڑے ہوجاتے تھے تو عورتیں اپنے ز - رات تک نذر کر دیا کرتی تھیں- تو یہ انڈے اور مرغے کی قیمت نہیں تھی بلکہ حضور سید العلما کی زبان کی اہمیت تھی- ایسی ہزاروں نظیر , پیش کی جاسکتی ہیں اس ضمن میں-

میرا ذاتی نظریہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں ہمارے سامنے بہتر مواقع ہیں Science & Technology کے اس زمانے میں ترسیل کی بہتر سہولتیں Print & Electronic میڈیا نے پیدا کی ہیں- اگر ہمارے نوجوان علما، دانشور، متحرک ہوجائیں اور اپنے بزرگوں کی سرپرستی اور ان کے گراں قدر مشوروں کی روشنی میں کام کر , تو یقیناً صورتِ حال بہتر ہوگی اور وہ سب کچھ جماعت اہلِ سنّت میں ممکن ہوگا جس طرف آپ نے نشان دہی فرمائی ہے- جہاں تک آپ نے اطمینان کی بات پوچھی تو میں عرض کروں کہ جس جماعت کا بنیادی مقصد عشق رسول کی ترویج واشاعت ہے، جس مسلک کا نصب العین تحفظ ناموسِ رسالت ہے، اُس تحریک، اُس مشن اور ان افراد کو ما-س ہونے کی کیا ضرورت- ہاں! کبھی کبھی چیز , بے ترتیب دکھائی دیتی ہیں تو فکر ہوتی ہے- ہمیشہ optimistic یعنی آشاوادی رہنا چاہیے- خوشتر صاحب! ہم سب کو over confidence سے پرہیز کرنا چاہیے- سارے معاملات اپنا صحیح محاسبہ کرنے سے بہتر ہوجاتے ہیں- ہماری جماعت کا مستقبل آنے والے کل میں 1 تا ک ہوگا- ہمیں اپنی نئی نسل سے بڑی امید , ہیں اور وہ نئی نسل آپ سب حضرات ہیں- رب کر * ہماری فکر کو بلند کرے گا- تبلیغ کا دور دورہ ہوگا، تنظیمی مضبوطی ہوگی، تعمیری حسن پیدا ہوگا- (اِن شاءاللہ)

سوال :- موجودہ صورت حال اور عصر حاضر کے متنوع مطالبات کے پیش نظر جماعت کی ارتقا کے لیے ہمیں کس طرح کی جدوجہد کرنی چاہیے، بالخصوص کن شعبوں پر

زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- بڑا اہم سوال آپ نے کیا ہے- ہمیں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوگا کہ ہماری جماعت کے بارے میں وہ لوگ کیا تاثرات رکھتے ہیں جن کا ہم سے نظریاتی اختلاف ہے اور ان لوگوں کا نظریہ اَ جانیں جو بالفاظ دگر Neutral تصور کیے جاتے ہیں- تقریباً ایک صدی گزرنے کو ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اب تک ہم عوام تک اپنی جماعت کا صحیح تعارف نہیں پیش کر سکے- کچھ حضرات نے بڑا معلوماتی لٹریچر شائع اَ کیا لیکن وہ کچھ خاص نظروں تک محدود رہا- اس سے یہ نقصان ہوا کہ ہم سواد اعظم تک اہلِ سنّت و جماعت کی صحیح تصویر پیش نہیں کر پائے- بڑے پیمانے پر Compaign programme چلانا ہوگا، لٹریچر کے ذریعہ، تبلیغ کے ذریعہ، Conferences اور اِجلاس منعقد کر کے- آج جو پڑھا لکھا طبقہ تصور کیا جاتا ہے ان کے ذہن تک یہ بات پہنچانا ہوگی کہ حق وہی ہے جو جماعتِ اہلِ سنّت کا موقف ہے- ہم لوگوں کے اور ہمارے مسلک کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کا ازالہ 1 ضروری ہے-

مدارس اسلامیہ کو جدید سہولتیں فراہم کرانا اَ ارتقائی مراحل کا ایک اہم حصّہ ہے- ہمارے علمائے کرام، مفتیان عظام کو علوم د + کے علاوہ General awareness ہونا 1 ضروری ہے- ملی، سماجی، سیاسی منظر نامے پر ان کی نگاہ ہونا ضروری، انگریزی زبان سے ضرورت کی حد تک واقفیت ہونا لازمی ہے- اِن شاءاللہ جامعہ البرکات میں علمائے کرام کے لیے ایک ایسا کورس جاری کرنے کا منصوبہ ہے جس کے تحت ان کو انگریزی، کمپیوٹر اور جدید عربی کی تعلیمات فراہم کی جاسکیں، ساتھ ہی ان کے orientation کے لیے معلوماتی لکچر اَ منعقد کرانے کا سوسائٹی کا ارادہ ہے- اللہ تعالیٰ جلد ان منصوبوں کو عملی جامے کی شکل عطا فرمائے -(آمین)

اس وقت خانقاہوں اور مدارس کے ذمہ داران اور اُمت کے بارسوخ افراد کو چاہیے کہ وہ اصلاحِ اُمّت کے لیے کمر بستہ ہوں، تعلیم کو عام کرنے کا مشن جاری کر , ، لوگوں کے دلوں میں مذہب اور مسلک کے لیے محبت اور کچھ مثبت کرنے کا جذبہ پیدا کر , - وہ

تمام غلط رسومات اور د + میں رخنہ پیدا کرنے والی چیز , جن کو کم علمی کی وجہ سے لوگوں نے د + کا حصّہ سمجھ لیا ہے اُن کی حقیقت کو سمجھانے اور اُمت کو صراطِ مستقیم کی درخشاں منزلوں سے ہمکنار کرنے کے لیے ہم سب کو پیش قدمی کرنا ہوگی، تبھی صحیح معنیٰ میں جماعت اہلِ سنّت کی خدمت کا حق ادا ہو سکے گا-

سوال:- خانقاہ مارہرہ مشربی اختلافات سے الگ رہ کر تعمیری کاموں میں مصروف رہتی ہے، لیکن کیا آپ کی نظر میں کوئی ایسی تجویز ہے جس سے 00% دوسری خانقاہوں میں موجود مشربی اختلافات کا خاتمہ ہو اور پوری جماعت متحد و متفق ہو کر تعمیر کی طرف پیش قدمی کر سکے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- ہم اختلافات سے کیوں دور رہتے ہیں اور کیوں رہنا چاہیے اس کا بڑا شافی جواب میرے برادرِ عزیز سید محمد اشرف آپ کو دے چکے ہیں— جب ہمارا مذہب ایک، مسلک ایک، مشرب ایک، ہمارا بنیادی مقصد ایک تو پھر اختلاف کیوں ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے اور آپ نے یہ کہہ کر میرے جواب کو آسان کر دیا بلکہ ایک طرح سے جواب دے ہی دیا کہ افرادِ خانقاہ برکاتیہ تعمیری کاموں میں لگے ہیں تو بات بالکل صاف ہے کہ جب کوئی آدمی Positive Attitude کے ساتھ تعمیری معاملات میں لگ جاتا ہے تو اسے اختلافات پیدا کرنے یا ان میں الجھنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی- ہمارے پاس تو وقت ہی کی بڑی قلّت رہتی ہے- یہاں پر کام ہی اتنے ہیں کہ دوسرے معاملات کی طرف رخ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہے-

ہاں اگر کبھی کچھ باتیں کہیں ناپسندیدہ لگتی ہیں تو وہاں سے تنکا توڑ کر الگ ہو جاتے ہیں- ہماری خانقاہ کی یہ تاریخ رہی ہے کہ معاملاتِ دنیا میں تو ہر سطح پر Compromise کر لیتے ہیں لیکن د + اور سنّیت کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے- دینی معاملات ہر رشتے ناطے، ہر واسطے سے مقدم ہیں- ہم نے اور ہمارے اکابر نے ہمیشہ اس موقف کی تائید کی ہے جس میں مذہب و مسلک کا مفاد شامل رہا ہے-

کون نہیں چاہتا ہوگا کہ جماعت میں اتحاد و اتفاق ہو- سب متحد ہو کر د + متین کی

خدمات انجام د , -مسلک اہلِ سنّت کا بول بالا ہو، ایک ممبر ہو، علما و مشائخ آپس میں ایک دوسرے کے معاون ہوں، خانقاہوں میں ایک دوسرے کا احترام کیا جائے- میرے بڑے ابّا اپنی تقاریر میں اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دودھ میں پانی ملا کر کام چلایا جا سکتا ہے لیکن پانی میں تیل کبھی نہیں مل پاتا، تو کوشش یہ ہونا چاہیے کہ معاملات پانی تک محدود رہیں تو حالات قابو میں رہ سکتے ہیں-

دیکھئے جناب! ہر چیز کا اپنا ایک دائرہ ہوتا ہے ہم کو ایک حدِ امتیاز تو متعین کرنا ہوگی د + وسنّت میں کوئی باہری آمیزش نہیں ہوگی- دینی و ملی مسائل میں ذاتی مفاد نہیں ہوں گے- ہر چیز کا ایک الگ میدان ہے- د + کا میدان الگ ہے، سیاست کی فیلڈ الگ ہے، ذاتی مفاد کو پورے کرنے کے مواقع دوسرے ہوتے ہیں- ہمارا Concept clear ہونا چاہیے کہ ہمیں کس جانب ٹھہرنا ہے-

آپ تعمیری پیش قدمی کی بات کر رہے ہیں تو اس کا تو 1 سیدھا اور سچا جواب یہ ہے کہ فراخ دلی پیدا کی جائے، ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ پیدا کی جائے- کون ایسا قادری ہے جسے سرکار خواجہ کی بزرگی سے اختلاف ہوگا، کون اس بارگاہِ عالی سے نسبتِ غلامی کا دم نہ 1/2 بھرتا ہوگا اور کون ایسا چشتی ہے جسے سرکار غوث اعظم کی عظمت اور ان کی عقیدت سے انحراف ہوگا- جب بزرگوں سے کوئی اختلاف نہیں تو نسبت اپنانے والوں کے 0 اختلاف کیوں ہے- ہمیں اخلاص کے ساتھ سوچنا چاہیے، وسیع النظری کے ساتھ دوسروں کی طرف دیکھنا چاہیے- سارے ذمہ داران خانقاہ، علما و مشائخ سنجیدگی سے سوچا کر , ، معاملات کے منفی پہلوؤں پر غور کر , ، ہم سب اپنی اپنی کمیوں پر نظرِ ثانی کر , ، دل مضبوط کر کے پکا عزم کر , کہ تمام اختلافی امور، ساری کڑوی باتیں، سارے ذاتی مفادات مذہب و مسلک کے نام پر ترک کر دیے جائیں گے جن کی وجہ سے اتحادِ اُمت و ملت بری طرح متاثر ہے- پھر دیکھئے کہ کھویا ہوا ماضی اور جماعت کا وقار واپس آتا ہے کہ نہیں- مجھے قوی امید ہے کہ ضرور ایسا ہوگا لیکن ایک ایک قدم سب کو آگے بڑھنا ہوگا- تالی ایک ہاتھ سے نہیں W گی- ملک زادہ منظور کا شعر ہے کہ

میکدے کا اسی ساقی سے½م ہے منظور
تشنہ لب رہ کے جو اوروں کو پلا دیتا ہے

اگر یہ جذبہ پیدا ہوگیا تو کچھ آ ممکن ہے- ہم نے تو اپنی جماعت کا وہ تاریخ ساز دور آ دیکھا ہے جس میں تمام علما ومشائخ ایک پلیٹ فارم پر تھے اور وہ آ جید علماے کرام اور مشائخ عظام مثلاً حضور مفتیِ اعظم، حضور مجاہدِ ملت، برہان ملت، شیر بیشہ اہلِ سنّت، حضور حافظِ ملّت، حضور محدث اعظم، حضور سید العلما، حضور احسن العلما رحمۃ اللہ علیہم اجمعین- آل انڈیا جمعیۃ العلما کا قیام کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن میرے بڑے ابّا اور تمام اکابر علما نے وہ کارنامہ انجام دیا کہ دنیا نے دیکھا تھا کہ پورے ہندوستان میں صدرِ سنی جمعیۃ العلما کی ایک آواز پر حکومت کے ماتھے پر پسینہ آتا تھا- مجال تھی کہ کسی ملّی مسئلے پر سنی جمعیۃ العلما کو اعتماد میں لیے بغیر ہاتھ ڈال دیا جائے- میری دعا ہے کہ ایک بار پھر ایسے حالات پیدا ہوں کہ ہم سب تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ہوکر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور تحفظِ ناموس رسالت کے لیے اپنی پُرخلوص خدمات انجام د , -

سوال:- خانقاہ مارہرہ کا وہ کون سا فارمولہ ہے جسے اپنا کر وہ علمی وتعمیری کاموں میں مصروف اور ملک و ںون ملک عوام وخواص میں محبوب ومقبول ہے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- اپنے محبین اور متوسلین کے تئیں ایمان داری، خلوص کا جذبہ، ان کی دل جوئی اور ان کے معاملات کی پوری خبر گیری اور حسبِ توفیق اس میں تعاون- سچ پوچھئے تو بات یہ ہے کہ ہم لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور لوگ ہم سے- یہ One way traffic نہیں ہے- یہاں دونوں طرف سے آواگمن ہوتا ہے- ہم خود کو بڑا خوش نصیب تصور کرتے ہیں کہ ہمیں بڑے چاہنے والے احباب ملے ہیں اور جن سے ہم لوگوں کا تعلق ہے وہ آ اس بات کو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ کمی ادھر سے آ کوئی نہیں ہوتی ہے- آپ کسی سے سچے دل اور صاف نیت سے معاملات رکھ کر دیکھئے- اِن شاء اللہ نتائج اچھے ہی برآمد ہوں گے-(Exception ہر جگہ ہوتا ہے) تو ئی ہمارے یہاں تو معاملہ سیدھا سچا ہے- ہم دوسروں سے 1 زیادہ توقعات نہیں رکھتے ہیں- اپنی توفیق½کرنے

میں کوئی گریز نہیں کرتے- اللہ علیم وخبیر ہے وہ جانتا ہے کہ ہمارے دل میں ملّت کی فلاح وبہبود کے لیے تعمیری کام کرنے کی کتنی امنگ اور خواہش رہتی ہے- تو ئی خانقاہِ برکاتیہ نے کوئی ایسا Diplomatic formula تیار نہیں کیا ہے جس کے ذریعہ عوام کے درمیان مقبول اور محبوب ہونے کی تمنّا رکھتے ہوں- عزت اور ذلّت معبودِ برحق کے ہاتھ میں ہے- یہ اس کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے دل میں ہماری محبت پیدا کی اور ہم کو انھوں نے صحیح سمجھا ہے- بس اسی کو ہم اپنی کمائی تصور کرتے ہیں- اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بندگانِ خدا کی خدمت کرنے کا جذبہ عطا فرمائے- (آمین)

سوال:- جامعہ البرکات کا قیام جماعتی سطح پر فرض کفایہ کی ادائیگی ہے، لیکن ملک میں مسلمانوں کی تعداد کے پیش نظر اس طرح کے مزید اداروں کی ضرورت باقی رہتی ہے، ایسے میں آپ دیگر بارسوخ خانقاہوں کے سجادگان، قائد + اور اہل ثروت کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- پیغام دینے کے حق دار تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کام کا حق ادا کر چکے ہوں اور اپنی ذمہ دار-ں سے پوری طرح مطمئن ہوکر سبک دوش ہو چکے ہوں- ہم جامعہ البرکات کے قیام کو پہلا پڑاؤ تصور کرتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ ا آ ہمت ٹوٹی نہیں ہے-

جامعہ البرکات کے قیام کے ^ ہمارے حوصلے بڑھے، لوگوں نے ہمارے کام کو سراہا، دستِ تعاون دراز کیا، ہمارے مشن، کو اپنا مشن اپنی تحریک تصور کیا تو اس سے حوصلوں میں اور اضافہ ہوا- خدا توفیق دے تو کرنے کو 1 کچھ ہے- کام 1 باقی ہے، ا آ تو کارواں تیار ہوا ہے، ا آ 1 کچھ کرنا ہے ذرا نظر اٹھا کر دیکھئے 1 ٹوٹے ہوئے دل ملیں گے، بڑی تاریک راہیں نظر آئیں گی- محروم آنکھیں اور ما-س چہرے دیکھنے کو ملیں گے- دردمند دل اور مضطرب نگاہوں کے ساتھ زمانے کو دیکھئے، کیے ہوئے سارے کام 1 چھوٹے نظر آئیں گے-

ہمیں امت کے محروم طبقے کے لیے 1 کچھ کرنا ہے- میں جامِ نور کے توسط سے نہ

صرف بارسوخ سجادگان، قائد + اوراہلِ ثروت بلکہ ملّت کے ہر عقلِ سلیم رکھنے والے اور خود کو ذمہ دار محسوس کرنے والے فرد سے یہ گزارش کرتا ہوں آپ حضرات جہاں Ì ہیں جس معاشرے میں ہیں، جس منصب پر ہیں، اپنی اپنی سطح پر اپنے اپنے طریقے سے حسبِ توفیق ان لوگوں کے رفیق بن جائیں جن کو حالات نے پسماندہ کر دیا ہے- اگر ایک a کو تعلیم دلا سکتے ہیں، دلائیں- ایک È کے کو کھانا کھلا سکتے ہیں، کھلائیں- کسی مدرسے کی خدمت کر سکتے ہیں کر , -ایک çہ کو سلائی مشین دلا سکتے ہیں دلائیں- کسی مدرسے میں ایک کمرہ تعمیر کر سکتے ہیں کر , -کسی ایک فرد کو نوکری دلا سکتے ہیں دلواد , -یا صرف کسی وقت کے مارے سے مسکرا کر خیریت دریافت کر سکتے ہیں تو وہ ہی کرد , لیکن کچھ نہ کچھ کر , ضرور- رب العزت تو دلوں کے حال دیکھتا ہے- کیا پتہ کون سی ادا آپ کی اس کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے- میرا تو بس یہی پیغام اور گزارش ہے-

سوال:- کیا جامعہ البرکات کی طرح جدید سہولتوں سے آراستہ کسی دینی مدرسے کا قیام Ì آپ کے منصوبے میں شامل ہے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- اہل سنت و جماعت کے جو مدارس موجود ہیں وہ 1 معیاری تعلیم فراہم کر رہے ہیں- مدارس اسلامیہ اپنی عمارت سے نہیں اپنے تعلیمی معیار اور طلبہ کی صلاحیتوں کی وجہ سے مشہور اور مقبول ہوتے ہیں- اور آپ اگر عمارات کے حوالے سے دیکھیں تو ہماری جماعت کے مدارس کے پاس عالیشان عمارتیں Ì ہیں، جدید سہولتوں سے مز + کتب خانے Ì ہیں، ڈائننگ ہال Ì ہیں- کمپیوٹرس کی سہولتیں Ì علما کرام کو مدارس میں فراہم کی جارہی ہیں- میرا ماننا ہے کہ Ì جتنے مدارس موجود ہیں اُن پر محنت کی جائے، ان کے ساتھ عوام تعاون کر کے ان کو شاہکار دینی اداروں کی شکل تا کہ اُن مدارس سے باصلاحیت و باوقار علماے حق فارغ ہو کر د + وسنّیت کی خدمات انجام د , سکیں-

جامعہ البرکات میں Ì فارغ علما اور حفاظ کے لیے کورس چلایا جائے گا جس کا میں پہلے آپ سے ذکر کر چکا ہوں- جہاں تک دینی مدرسہ کھولنے کی بات ہے تو میں عرض کروں کہ میرے بڑے بیٹے سید محمد امان سلمہ کی دلی خواہش ہے کہ خانقاہِ برکاتیہ کی سرپرستی میں

ایک مدرسہ علی گڑھ میں کھولا جائے جو اپنے تعلیمی معیار، سہولتوں کی فراہمی، طلبہ کی Quality کے حوالے سے ایک امتیازی شان کا حامل ہو- اس مدرسے میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ علماے کرام کے لیے چھوٹے چھوٹے Vocational courses کھولنے کی Ì تمنا ہے- آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ اس منصوبے کو عملی شکل دینے کے لیے جامعہ البرکات سے ملحق زمین حاصل کی جا چکی ہے- آپ سب دعا کر , کہ اس خواہش کی تکمیل بخیر و خوبی ہو جائے- (آمین)

سوال:- اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ نے اپنے دس نکاتی پروگرام میں جماعت کی جانب سے معیاری اخبارات کا اجراء Ì شامل رکھا تھا، مگر پچھلے سو سالوں میں اب تک ملک گیر سطح کا کوئی نمائندہ اخبار نہیں نکل سکا، آپ کی نظر میں موجودہ برقی دور میں اس اہم نکتے کی اہمیت و ضرورت کس قدر دو چند ہو گئی ہے اور اس کی تکمیل آج کس طرح ممکن ہو سکتی ہے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- بڑا ضروری اور اہم سوال آپ نے پوچھا- یہ حقیقت ہے کہ جماعت اہل سنت میں معیاری اخبارات، رسائل اور جرائد کی کمی شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے- میں اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں یہ Ì عرض کرنا چاہوں گا کہ اخبارات اور رسائل کسی Ì جماعت یا تنظیم کے معیار کو قائم رکھنے اور اس کو شہرت دوام بخشنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہوتے ہیں- اگر آپ مسلک کی ترویج و اشاعت بڑے پیمانے پر کرنا چاہتے ہیں، دعوت و تبلیغ کے پیغام کو گھر گھر پہنچانا چاہتے ہیں تو عوام سے communication gap ختم کرنا ہوگا- المیہ یہ ہے کہ ہماری پوری جماعت کے پاس ایک Ì اخبار نہیں حتیٰ کہ Fortnightly خبر نامہ تک نہیں ہے- آپ نے 1 صحت مند پہلو کی طرف نشان دہی فرمائی، میرا دل خوش ہوا کہ ہماری نوجوان نسل کی فکر کا دائرہ 1 وسیع ہے- اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے- ایک ایسا اخبار منصۂ شہود پر آئے جس میں عالمی اور عوامی خبروں کے علاوہ وہ تمام لوازمات ہوں جن کی قوم کو، جماعت کو اشد ضرورت ہے- ہماری جماعت کے موقف کی بہتر + ترجمانی ہو- ہمارے جائز مطالبات کی

½ پور عکاسی ہو اور یہ کام کوئی 1 مشکل نہیں ہے کوئی بلند ہمت عزم کی شمشیر لے کر اٹھ جائے اور اسے ملت کے مخلص افراد کا ½ پور تعاون حاصل ہو جائے- اِن شاء اللہ یہ معاملہ آ بخیر و خوبی سر ہو جائے گا بلکہ میں تو آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ کی پوری ٹیم 1 بلند ہمت، باعزم اور Dynamic ہے، پڑھے لکھے نوجوان ہیں، کام کرنے کی صلاحیت ہے- زمانے پر نظر ہے، فکر میں گہرائی اور گیرائی ہے- آپ حضرات اس کام کو ا بی انجام دے سکتے ہیں- ہم آپ کے لیے دعائیں آ کر , گے اور جس قابل ہیں تعاون آ کر , گے-

جہاں تک رسائل اور جرائد کا سوال ہے وہاں حالات تقریباً اطمینان j ہیں- پچھلے کچھ عرصے میں ہمارے رسائل اور جرائد کی تعداد آ بڑھی اور معیار میں آ کافی خوش گوار اضافے ہوئے ہیں-

سوال:- ملت کا ترجمان ماہنامہ جام نور پچھلے ۵/ سالوں سے تحریک کی شکل میں اپنے علمی، فکری، تحقیقی، تحریکی اور صحافتی مشن میں مصروف ہے، آپ کی نظر میں اس مشن کی اہمیت و معنویت کیا ہے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- کسی آ مشن یا تحریک کی کامیابی کا اندازہ جلدی نہیں لگایا جا سکتا- چاہے وہ صحافتی تحریک و مشن ہو یا ثقافتی، بڑی سعی کرنی ہوتی ہے عوام تک پہنچنے کے لیے، عوام کے دل میں گھر کرنے کے لیے- آپ حضرات نے پچھلے سالوں میں بڑی جانفشانی کے ساتھ کام کیا اور حضرت علاّمہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمۃ کی اس علمی وراثت کی 1 خوب حفاظت کی-

جامِ نور کے بارے میں میرے والد ماجد حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ جام نور ''کفر و گمراہی کو تڑپا تڑپا کر مارتا ہے'' آپ نے بڑی صلاحیتوں کے ساتھ اس رسالہ کا احیاء کیا اور رسالے کو تمام جدید تقاضوں کے ساتھ منظرِ عام پر لائے- جام نور کی اہمیت اس بات سے آ اجاگر ہوتی ہے کہ اس رسالے سے بڑے باصلاحیت نوجوان عالم اور صاحب نسبت افراد وابستہ ہیں جن کو اپنی دیرینہ روایات کا آ اعتراف ہے اور موجودہ دور کے تقاضوں کا علم آ اور یہ بڑا حسین اور صحت مند امتزاج ہے کسی آ صحافتی کام کے لیے-

آپ مزید سے مزید تر جستجو کیجئے، پھل کا انتظار مت کیجئے- جزا رب تعالیٰ کی بارگاہ میں محفوظ ہے- ایک بات ضرور کہوں گا کہ یہ کوشش جاری رہے کہ مضامین کا انتخاب کرتے وقت 1 باریک بینی سے کام لیجئے- کوئی آ ایسی بات نہ ہو جس سے خلفشار یا اختلاف کا معمولی سا آ امکان ہو- یہ اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ اکثر اچھی چیز , آ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بری طرح متاثر ہو جاتی ہیں- صحافت بے باک ہو لیکن دل شکنی اور دل آزاری سے پاک ہو- آپ غیر جانب دارانہ رویہ کے ساتھ کام جاری رکھیں- مجھے پوری امید ہے اِن شاء اللہ ایک دن ''جامِ نور'' صحافت کی دنیا میں سنگ میل ثابت ہوگا-

سوال:- آخر میں عوام اہل سنت اور خصوصاً خانقاہ مارہرہ کے متوسلین اور عقیدت مندوں کے لیے آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

پروفیسر سید محمد امین قادری:- میں خانقاہِ برکاتیہ کے متوسلین، معتقد + ، عوام اہل سنت کی خدمت میں بس یہی عرض کرنا چاہوں گا کہ اس وقت جماعتِ اہلِ سنّت کی شیرازہ بندی کے لیے کمر بستہ ہوں- شریعت پر مضبوطی سے قائم رہیں- میرے جدِ اعلیٰ حضرت سید شاہ میر عبدالواحد بلگرامی نے ارشاد فرمایا کہ شریعت بال ہے اور طریقت مانگ- تو جتنے اچھے بال ہوں گے مانگ آ اتنی اچھی نکلے گی- بس اسی قول کو نظروں میں رکھیں- شریعت کو مضبوط کر کے ہی معرفت کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں- مذہب پر مضبوطی سے قائم رہیں، مسلک حق کی ترویج و اشاعت میں ½ پور حصہ لیں- حق کہیں، حق سنیں، حق پر چلیں- د + میں، عشقِ رسول میں کوئی سمجھوتہ نہیں، کوئی compromise نہیں- اختلاف اور منفی کاموں سے مکمل پرہیز- کسی سے بلا وجہ الجھنے کی ضرورت نہیں- لیکن ناجائز اور باطل طاقتوں سے د ¶ کا کوئی سوال نہیں- جہاں اور جس جگہ رہتے ہیں وہاں حسبِ ضرورت لوگوں کی مدد کر , - اپنے بچوں کی صحیح پرورش کر , - اچھی تعلیم د , اور اس سے اچھی تربیت د , - نئی نسل کو اسلامی اقدار کا پاسدار —ئیں- تعلیم کے فروغ کے لیے کوشاں رہیں- روٹی چاہے آدھی کھائیں لیکن بچوں کو ضرور پڑھائیں -□□□

(شمارہ دسمبر ۲۰۰۷ء)

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی

شیخ الحدیث: دارالعلوم نورالحق، چرہ، محمد پور، فیض آباد (-پی)

لمبا قد، وجیہ صورت، پرکشش آنکھیں، گورا رنگ اوراس پر مستزاد خو Z رت داڑھی، یہ ہیں امام علم وفن مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، جو غیر منقسم ہندوستان کے مذہبی حلقے میں ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر و مقا ¨ ، اثماطیقی، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، زیج، رمل و تکسیر، مثلث کروی اور علم الا... دجیسے نایاب اور کمیاب علوم وفنون پر à وقت تنہا دسترس رکھتے ہیں- آپ کی پیدائش • رکے ایک پسماندہ علاقے بائسی ضلع پورنیہ میں غالباً ۱۹۳۴ء میں ہوئی- ابتدائی تعلیم قاعدہ ; ادی سے شرح جامی تک اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور پھر جامعہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی پہنچ گئے، جہاں آپ کو ملک العلما مولانا ظفر الد + • ری اور مولانا سلیمان ۔ گل پوری علیہما الرحمہ کی صحبت میسر آئی اور آپ نے درس نظامیہ کی تکمیل کی- آپ کی ذہانت اور علمی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر مولانا ثناء اللہ مئوی شیخ الحدیث جامعہ مظہر اسلام نے آپ کو اسی ادارے میں بحیثیت مدرس رکھ لیا، یہاں آپ نے پانچ سال گزارے- اس کے ^ ہندوستان کے مختلف اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے دارالعلوم نورالحق، چرہ، محمد پور، فیض آباد تشریف لے گئے جہاں پچھلے پندرہ برسوں سے آپ طالبان علوم اسلامیہ کو علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم دے رہے ہیں- اپنے پچاس سالہ دور تدریس میں آپ نے ہزاروں تلامذہ پیدا کیے- تدریس کے ساتھ آپ نے لوح وقلم سے آ رشتہ رکھا، جس کے نتیجے میں ہیئت وفلکیات سے متعلق بے شمار مضامین ہند و پاک کے رسائل و جرائد میں شائع ہوئے- آپ کی مختصر تصانیف کی فہرست میں ''ٹی وی وپڈ -کی تحقیق'' قابل ذکر ہے-

سوال:- دعوت وتبلیغ کے دیگر علوم نقلیہ کے ساتھ منطق وفلسفہ کی کیا اہمیت ہے اور ان کو سیکھنا کتنا ضروری ہے؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- دعوت وتبلیغ فقط یہ نہیں ہے کہ عوامی ہجوم کے سامنے پورے گھن گرج کے ساتھ اپنی لچھے دار تقریر سنا کر نعرۂ تکبیر کی گونج میں داد وتحسین حاصل کیے جائیں- بلکہ دعوت وتبلیغ کے دائرہ کار میں مناظرانہ داؤ پیچ اور علم کلام کے پیچیدہ مسائل آ دا 4 وشامل ہیں- اور حقیقی دعوت وتبلیغ اپنے ہم نواؤں کو گلا پھاڑ پھاڑ کر خوش کرنے کا نام نہیں بلکہ مختلف الخیال اقوام کے مابین ایک سچی حقیقت کو منوانے کا نام ہے، اس لیے جب تک دعوت وتبلیغ میں منطقیانہ استدلال اور فلسفیانہ توجہ وتنقیح نہ شامل ہو ایسی دعوت وتبلیغ ہرگز مؤثر نہیں ہوسکتی- رہی محض تقریر وخطابت تو اس کے لیے علوم نقلیہ کی آ حاجت نہیں، اس میں فقط زبان زوری اور فرضی کہانی ہی کافی ہے-

سوال:- تعلیم وتعلم میں آج نئی نسل کی طبعیتیں سہل پسندی کی طرف مائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ طلبۂ مدارس علم منطق وفلسفہ سے Üاری ظاہر کر رہے ہیں، ایسے میں ان علوم وفنون کا مستقبل کیا ہے؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- آج کل حصول علم نہ تو برائے د + ہوتا اور نہ برائے افزائش ہوش وخرد بلکہ یہ (باستثناء۵۰%) فقط اور فقط برائے تحصیل معاش ہوتا- اور یہ بات چونکہ ان زیرہ گداز علوم وفنون پڑھے بغیر ہی حاصل ہوجاتی اس لیے آج نئی نسل کی طبیعت صعوبت انگاری کے O ئے سہل پسندی کی طرف مائل ہیں- لیکن اس کساد بازاری کے باوجود کچھ ایسے جفاکش طلبہ آ نکل آتے ہیں جو ہر قسم کی جدوجہد کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں- خود میری درسگاہ کا یہ حال ہے کہ کبھی آ معقولات اعلیٰ اور ہیئت وہندسہ کے طلبہ سے خالی نہ رہی-

سوال:- -نیورسٹیز کے ماہر +تعلیمات اور دانشوران کہتے ہیں کہ مدارس میں آج تک منطق وفلسفہ اور ہیت وفلکیات کی جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں وہ خالص قد *

نظریات پر مبنی ہیں اور مدارس کے اساتذہ وطلبہ ان علوم سے متعلق جو نئی تحقیقات اور جدید نظریات سامنے آرہے ہیں ان سے واقف نہیں ہوتے، تو یہ ایک طرح سے تضیع اوقات ہے، یہ الزام کہاں تک درست ہے؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- آپ کا یہ سوال، وقت کا ایک اہم سوال ہے، اس انداز فکر میں نہ صرف - نیورسٹیوں کے ماہر + تعلیمات منفرد ہیں بلکہ علما کا وہ طبقہ جس کا فلسفہ قد * سے تعلق نہیں رہا وہ ì ان لوگوں کے ہم خیال ہیں-مگر دراصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات اس امر سے ناواقف ہوتے ہیں کہ مدارس میں منطق وفلسفہ اور ہیئت وہندسہ کا کونسا باب اور کونسا چیپٹر (chapter) پڑھایا جاتا ہے اور اس کے پڑھانے کی غرض وغایت کیا ہوتی ہے- یہ حضرات تو یہ سمجھتے ہیں کہ قد * فلسفے کی نظریات کو سمجھا کر طلبہ کو وقت کا سقراط اور • اط ¯ یا جاتا ہے- جس کی اس دور میں قطعاً ضرورت نہیں- اس لیے یہ حضرات منطق وفلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کو تضیع اوقات سمجھتے ہیں- کاش اگر یہ حضرات یہ سمجھ لیتے کہ مدارس میں ایسا کچھ نہیں ہوتا- بلکہ وہاں قد * فلسفہ کے کسی خاص نظریہ کو سامنے رکھ کر اس کی توضیح کی جاتی ہے اور پھر اس پر مکمل c وتمحیص فقط اس لیے ہوتی کہ کس طرح باطل نظریات کا رد کیا جاتا ہے اور کس طرح کسی کے غلط اعتراض کی دھجیاں بکھیری جاتی ہے- کس طرح کسی کمزور بات کو ٹھوس ¯ یا جاتا ہے اور کس طرح ,, ہر ٹھوس باتوں کے پرخچے اڑائے جاتے ہیں- اس طرح کی تعلیم سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کے ذہن میں ایک پائیدار بالیدگی اور صاف ستھری نکھار پیدا کی جائے تاکہ موقع اور محل کے مطابق طلبہ اس ذہن کو استعمال کر سکے-

طریقہ تعلیم کے اس نکتہ کو سمجھ لینے کے ^ پھر کسی دانشور کو یہ گلہ نہ ہونا چاہیے کہ فلسفہ قد * کی مروجہ تعلیم قطعاً بے سود اور بے کار اور سراسر تضیع اوقات ہے- رہی بات ہیئت وفلکیات کی تو نہ ان میں کوئی خاص بنیادی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ قابل توجہ نئے نظریات سامنے آئے ہیں بلکہ اس میں دور ایجاد سے آج تک بتسلسل وہی نظریات پیش کیے جارہے ہیں جو بطلیموس کے دور سے چلے آرہے ہیں شاید کسی کے ذہن میں یہ بات پیدا ہو کہ

نظریات میں خاصی تبدیلی ایک امر متحقق ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں- بطلیموس نے کرۂ ارض کو ساکن اور دیگر سیارات بشمول شمس کو متحرک قرار دیا تھا لیکن اب قرص خورشید کو ساکن اور دیگر سیارات بشمول کرۂ ارض کو متحرک مانا جاتا ہے- ہاں یہ سوال صحیح ہے لیکن میری گذراش یہاں یہ ہے کہ ان سیاروں کے ذریعہ ہمیں لیل ونہار کے بڑھنے گھٹنے، روزہ ونماز کے اوقات، تعدیل ایام، میول، اوساط سیارات اور تقویات اور دیگر لوازمات کو معلوم کرنے کی ضرورت وحاجت پڑتی ہے- ان چیزوں کو معلوم کرنے کے لیے آپ خواہ اوقات کو گردش کناں مانئے، خواہ زمین کو متحرک فرض کیجئے، اس سے حساب میں کوئی فرق نہیں پڑتا- یہی وجہ ہے کہ قد * رصدگاہوں کی مدد سے ترتیب دیئے ہوئے زیجات اور آج گرینچ (Greenwich) میں تالیف کیے المنک میں درج شدہ حساب میں کوئی معتد بہ فرق نہیں ہوتا- اس کا عملی مظاہرہ اس سے ì ہوتا ہے کہ بندۂ ناچیز نہ تو کسی اسکول میں پڑھا ہے اور نہ کسی کالج یا- نیورسٹی میں جاکر ایسا علم حاصل کیا ہے جسے آج لوگ عصری علوم کہتے ہیں بلکہ فقط مدرسہ کی چہار د-اری میں رہ کر عربی، فارسی کی کتابوں سے ان علوم وفنون کا مطالعہ کیا جسے لوگ علوم قدیمہ یا فلسفہ قدیمہ کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود جب یہ مسئلہ چھڑا کہ ۲۰۰۰ء کی ماہ فروری ۲۹ر کی ہوگی یا ۳۰ کی یا یہ c اٹھی کہ بے کٹی ÷ ۱۷ر اونٹ کی تقسیم کے مفروضہ واقعہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے یا نہیں یا جب سیدنا حضور مفتی اعظم کی طرف منسوب پاکستانی جعلی فتویٰ کو اچھالا گیا یا جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۲۷ر تاریخ کو بوقت غروب آفتاب افق کے نیچے جہاں چاند ہوتا ہے وہاں تک نگاہ پہنچنے کے لیے ناظر کو سطح ارض کتنی بلندی پر ہونا چاہیے یا جب یہ سوال اٹھا کہ قمری ماہ کی ۱۰ر تاریخ کو سورج گہن ہوسکتا ہے یا نہیں یا جب ہیوسٹن (امریکہ) کی سمت قبلہ علما کے مابین موضوع c µ یا جب ہالینڈ اور بلیک برن (Black Burn) کے تعلق سے یہ سوال اٹھا کہ وہاں سال کے کن کن تاریخوں میں عشاء کا وقت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ تو ان ساری باتوں کا تسلی j مدلل صحیح صحیح جواب اس بندۂ ناچیز نے ان ہی علوم سے دیا جسے لوگ علوم قدیمہ کہتے ہیں-

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہوسٹن کی سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے جب یہی علما جو فلسفۂ قدیمہ سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں، عصری علوم سمجھ کر اپنے سامنے گلوب کو رکھ کر حل کرنا چاہا تو اور الجھ گئے اور جب اس کو سامنے رکھ کر مسئلہ کو سلجھانا چاہا تو نتیجہ غلط نکلا اور جب قطب نما کی سوئی گھما کر مسئلہ کو حل کرنا چاہا تو نتیجہ صفر نکلا- لیکن جب ہیئت کے ایک دائرہ کو سمجھایا گیا اور مثلث کروی کے اصول کو C یا گیا تو ساری گتھیاں ایک دم سلجھ گئی-

البتہ - نیورسٹیوں کے ماہر + تعلیمات کا یہ فرمان صحیح ہے کہ جو نئی تحقیقات اور جدید نظریات سامنے آرہے ہیں ان سے ہمارے اہل مدارس کو واقف ہونا ضرور چاہیے کہ علم شئ بہ از جہل شئ -

سوال:- اگر ایسا ہے تو کیوں مدارس میں آپ لوگ اس قد * نصاب کو پڑھا رہے ہیں؟ اگر پڑھانا ہی ہے تو جدید نظریات پر مشتمل کتابیں کیوں نہیں لکھی جاتیں؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- ا آ ا آ آپ کے سوال نمبر ۳ کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ اس چوتھے سوال کے لیے آ کافی ہے تاہم تھوڑی گفتگو اس سوال پر آ کر لینا بہتر ہے- بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے مدارس کا بنیادی مقصود مذہبی تعلیم اور اس کا عروج وفروغ ہے- اس غرض وغایت کی تکمیل کے لیے وہ نصاب تعلیم جو صد -ں پیشتر ترتیب دیئے گئے ہیں وہ نہایت ہی محکم، جامع اور ٹھوس ہیں- ہمارے مذہب میں نہ تو کوئی نیا نظریہ جنم لیتا ہے اور نہ کوئی جدید خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس کے لیے نئے نصاب اور نئی تصنیف کو وجود میں لانے کی ضرورت ہو ہمارے اسلاف کا عطا کردہ اثاثہ ہمارے لیے کافی ہے- ہاں یہ صحیح ہے کہ کچھ نئے ایجادات آ ایسے عالم وجود میں آئے ہیں کہ جس کا تعلق خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہمارے معتقدات سے تو نہیں ہمارے عملیات سے ہے- اس کے لیے ہمیں نئی کتابیں لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ ان اختراعات کے اصول ایجاد سے واقف ہونا ہی کافی ہے- اور یہ حاجت تھوڑی 1 توجہ کر کے یا ان ایجادات کے ماہر + سے را , پیدا کرنے سے پوری ہو جاتی ہے-

سوال:- کہاں جاتا ہے کہ علوم عقلیہ میں ایسے 1 سے قد * علوم ہیں، برصغیر

میں جن کا تنہا علم آپ کو ہی ہے، وہ کون سے علوم ہیں؟ آپ نے ان کو کس سے سیکھا؟ اور دور جدید میں ان کی کیا اہمیت ہے؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- اس سوال نمبر ۵ میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ ''کہا جاتا ہے کہ علوم عقلیہ میں ایسے 1 سے علوم قدیمہ ہیں، جن کا تنہا علم برصغیر میں آپ کو ہی ہے وہ کون سے علوم ہیں''؟ میرا خیال ہے کہ ایسا کہا جانا غلط فہمی پر آ مبنی ہو سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس بات کے کہنے والوں کے سامنے ایک ایسا شخص نہیں آتا جو ان علوم سے واقف ہوں- ساتھ ہی یہ بات آ صحیح نہیں ہے کہ یہ سارے علوم قد * (یہ معنی متعارف) ہیں- یہ علوم تو اپنی ایجادات سے آج تک ہر قوم میں، ہر میدان میں سکہ رائج الوقت کی طرح ٹھنا ٹھن اور کھنا کھن رواں داواں ہیں- رہا اصل سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ مختلف علوم وفنون کا حاصل کرنا شخصی مزاج اور پائیدار ذوق وشوق پر منحصر ہوتا ہے-

ہم سنتے آرہے تھے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان ایسے ایسے فلاں فلاں علوم کے ماہر تھے ان علوم میں ان کی ایسی ایسی فلاں فلاں تصنیفات ہیں اور جب میں مدرس ہوا تو اچانک میرے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی کہ ان علوم وفنون کے موجد + تو ہمارے ہی طرح انسان تھے انہوں نے ان علوم کو ایجاد کیا اور ^ میں آنے والے حضرات نے اس کی تنقیح کی اور جس زبان میں ان علوم وفنون کو مدون کیا گیا ہے اس زبانی کو قدر معتد بہ ہم جانتے ہیں، تو کیا سچ مچ ہم اتنے نادان ہیں کہ محنت کرنے کے باوجود آ ہم انہیں نہیں سمجھ سکتے؟ نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں-

یہ خیال آتے ہی ان فنون سے تعلق رکھنے والی کتابوں کی ہم نے تلاش جاری رکھی ، بالخصوص امام احمد رضا کی تصنیفات کا جستجو کامل رہا- بحمدہٖ تعالیٰ مجھے کتابیں ملتی گئیں اور ہم محنت کرتے رہے- نتیجے میں ہم نے 1 کچھ پایا اور اسے موقع پر استعمال کرتا رہا- اس طرح میری ہمت بڑھتی رہی اور ہم آگے بڑھ کر دوسرے فن کی طرف مائل ہوتے رہے- اس طرح بحمدہٖ تعالیٰ مجھے رب قدیر نے امام احمد رضا اور مرشد برحق غوث العالم سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم ہند کے وسیلے سے غوثِ پاک کا صدقہ عطا فرماتا رہا- اور پھر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ

ہیچمداں درسگاہوں میں چلنے والی معیاری کتابوں کے علاوہ، ہیئت وہندسہ، توقیت ومسافت، جبر ومقا ¨ ، اثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال ستنیہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظر ومرایا، رمل وتکسیر، علم الا... دوغیرہ وغیرہ علوم وفنون کا مطالعہ جاری رکھا- ان علوم وفنون میں ظاہراً میرا کوئی استاذ نہیں-

ان علوم وفنون کی افادیت کا تعلق کسی Ì دوریا کسی Ì عصر سے مربوط نہیں بلکہ ہر زمانہ خواہ ماضی ہو یا حال یا مستقبل خواہ قد * ہو یا جدید ہر دور میں یہ علوم یکساں نافع، البتہ وہ حضرات جو ان علوم وفنون سے ناواقف ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ اب ان علوم کا زمانہ نہ رہا- لیکن فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کرنے والوں پر قطعاً یہ مخفی نہیں کہ امام احمد رضا نے فرمایا ہے کہ ان میں سے اکثر علوم دینی امور میں نافع ومعاون اور 1 سے مسائل میں ان کے بغیر مفتیان کرام کو چارہ کار نہیں-

سوال:- عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ آپ 1 دنوں تک کسی ایک ادارے سے وابستہ نہیں رہ سکتے، ایسا کیوں؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- علما کرام خواہ وہ کسی ادارہ کے استاذ ہوں یا کسی دارالافتاء کے مفتی، کبھی انہیں انتقال مکانی ناگزیر ہو جاتا ہے- اس کا دراصل سبب یہ ہے کہ رزق انسانی کو وہیں کھینچ کر لے جاتی ہے جہاں کی رزق اس کے مقدر میں ہوتی ہے- لیکن ظاہراً Ì اس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، مثلاً کہیں کا ماحول موافق نہیں، کہیں کو آب وہوا مساعد نہیں، کہیں شریک کار مناسب نہیں اور کہیں عزت نفس کا مسئلہ Ì پیدا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ- میرے لیے Ì „ ہر ایسے حالات واسباب پیدا ہوتے رہے جس کی وجہ سے مجھے Ì انتقال مکانی کرنا پڑا یہ تو میرے احباب واعزہ کی کرم فرمائی ہے کہ انہوں نے ان حالات کا جائزہ لیے بغیر مجھے تنگ تابی اور سیماب پائی کی صفت سے مشہور کر دیا- لیکن اگر تھوڑی دیر میرے انتقال مکانی کے ڈاٹا کو دیکھا جائے تو وہ ایسا نہیں مثلاً ۱۵/سال مظہر اسلام بریلی شریف، ۳/سال دارالعلوم پورنیہ • راور پھر ۳/سال منظر اسلام بریلی شریف،

۸/سال سلطانپور اور پھر ۸/سال ؋ گلپور اور ۶/سال بدا-ں شریف اور آج تقریباً ۱۱/سال سے فیض آباد میں زندگی گزار رہا ہوں- البتہ درمیان میں ایسا Ì ہوا کہ ایک سال کچھوچھہ شریف، ایک سال دارالعلوم غریب نواز الہ اباد اور ۲/۳ سال براؤں شریف میں Ì رہنا ہوا- اس ڈاٹا پر اگر گہری نگاہ ڈالی جائے تو میری طرف منسوب تنگ تابی اور سیماب پائی کوئی ایسی خبر نہیں کہ جس سے منھ میں È نپو لگا کر پورے جگ کو بیدار کیا جائے-

کچھ لوگ انتقال مکانی میں یہ نکتہ Ì Òن فرماتے ہیں کہ جس طرح بستہ پانی 1 جلد خراب اور چشمہ جاری ہمیشہ صاف اور شفاف رہتا ہے، اسی طرح علما کرام کا Ì حال ہے کہ اگر وہ ایک جگہ جم کر رہ جائیں تو لوگ ان کی قدر نہیں کرتے بلکہ وہ گدلا معلوم ہوتے ہیں اور جب برابر **سیروا فی الارض** کی تفسیر بن کر انتقال مکانی کرتے رہے تو ماء جاری کی طرح وہ ہمیشہ پاک وصاف رہتے ہیں-

سوال:- اشرفی ورضوی نزاع میں آپ کی حیثیت ایک فر& کی رہی ہے، مگر اب یہ جنگ سرد خانے میں پہنچ گئی ہے لیکن دلوں میں جو دوریاں پیدا ہوئیں اس کے نتیجے میں اہل سنت میں ایک زبردست انتشار برپا ہوا، کیا مصالحت کی کوئی صورت ہے؟ اگر ہے تو آپ حضرات پیش قدمی کیوں نہیں کرتے؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- کچھ علما کے مابین ایک علمی اختلاف پیدا ہوا لیکن ان علما کے ماننے والوں نے اسے شرعی اختلاف سمجھ کر ایک نزاع کی صورت پیدا کر دی اور پھر جو کچھ ہوا دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے- ہر جنگ اپنی انتہا کو پہنچ کر سرد ہو جاتی ہے اس جنگ کا Ì یہی حال ہوا- اس جنگ کے اثرات اگرچہ آج Ì کچھ دلوں میں موجود ہیں لیکن ہم ان لوگوں سے کچھ الگ تھلگ مزاج رکھتے ہیں- ہم نے اس جنگ کو تا قیامت ‌ٕ کنے کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ ہم نے حالات استوار کرنے کی کوششیں کیں- آج آپ کے جد کر* ہوتے تو وہ اس بات کی گواہی دیتے- اس لیے بغیر سوچے سمجھے یا اپنے ہمنواؤں سے سمجھے بوجھے میرا کچھوچھہ تشریف آنا جانا شروع ہوا- اور آج Ì ہم کچھوچھہ شریف پہنچتے رہتے ہیں، وہاں کے علما ومشائخ سے ملاقات کرتے رہتے ہیں- اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصالحت

کے لیے ہم نہ صرف کوشاں ہیں بلکہ اس جادہ میں کئی منزل ہم آگے بڑھ گئے ہیں۔

سوال:- (۸) شہادت رویت ہلال کے بارے میں آلات جدیدہ کے تعلق سے آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اسلاف کے موقف اور ان کے نظریات سے ہٹ کر اس سلسلے میں کچھ فیصلے کیے جاسکتے ہیں؟ کیوں کہ شہادت کے لیے آلات جدیدہ کے استعمال کو لے کر مسلمانان عالم میں انتشار برپا ہے؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- ثبوت ہلال کے لیے جہاں تک آلات جدیدہ ہمارے مذہب کا ساتھ دے سکتے ہیں اس حد تک اس سے ضرور فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ اس استفادہ میں العیاذ باللہ ہمیں اپنے اسلاف کے موقف سے قطعاً انحراف کی جرأت نہیں۔ جب اسلاف کے C ئے ہوئے اصول پر چل کر آ ہم اپنے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں تو ہمیں انحراف کی کیا حاجت؟ ہم نے کچھ اپنے مواد فراہم کر لیے ہیں کہ ان کی روشنی میں مسلمانان عالم کے انتشار کو دور کیا جاسکتا ہے، انشاء اللہ فرصت ملتے ہی ان مواد سے برآمد نتیجہ کو لے کر جلد ہی Z رت قرطاس جام نور کے دفتر میں ہم پہنچ رہے ہیں۔

سوال:- قارئین اور مجلس ادارت کے لیے آپ کا کوئی پیغام یا تاثر؟

مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی:- جام نور ہماری جماعت کا مؤقر جریدہ اور محبوب ماہنامہ ہے جو عصر حاضر کے بیشتر تقاضوں اور اس کے حل کو اپنے دامن میں سمیٹ کر ہم تک پہنچتا رہتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں جہاں کہیں چمن چمن کے بوٹے ہیں وہیں کہیں کہیں کانٹوں کی چبھن آ محسوس ہوتی ہے مگر اس چبھن کی لذت تو وہی محسوس کرسکتا ہے جسے پھول سے محبت ہو۔

گلوں سے ان کو کیا ہو گی محبت
جنہیں نفرت ہو کانٹوں کی چبھن سے

□□□

(شمارہ جون ۲۰۰۴ء)

مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی

خطیب: نیو میمن مسجد، کراچی، پاکستان

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کیا ہوئی کہ غم، فراق، ہجرت، خانہ بدوشی، مفلسی، جدوجہد اور شکست وریخت کا ایک نیا دور شروع ہوگیا، خاک وخون کی ہولیاں آ کھیلی گئیں اور نم ناک آنکھوں کے ساتھ عید , آ منائی گئیں، لیکن اس کے باوجود زمین پر کھینچی ہوئی لکیر , دلوں میں دوریاں پیدا کرنے میں ناکام رہیں، یہی وجہ ہے کہ دونوں ملکوں میں آج آ دینی، ملی، صنعتی، تجارتی اور خونی رشتے برقرار ہیں، شہزادۂ صدر شریعت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب خطیب نیو میمن مسجد کراچی، حال ہی میں انڈیا کے دورے پر تشریف لائے تھے، ہمیں ان کی ضیافت کرنے کا شرف آ حاصل ہوا، موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہم نے موصوف سے دونوں ملکوں کے باہمی دینی، علمی، سیاسی، سماجی حالات پر ایک تفصیلی گفتگو کی۔ قاری صاحب کی ولادت ۱۹۲۴ء میں اجمیر میں ہوئی جب صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ مدرسہ معینیہ کے صدر المدرسین تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ معینیہ میں ہی حاصل کی، پھر جب نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی اور ان کے احباب نے حضرت صدر الشریعہ کو اپنے قائم کردہ ادارہ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں علی گڑھ بلا لیا تو قاری صاحب آ اپنے والد کے ہمراہ علی گڑھ چلے آئے اور وہیں درس نظامیہ کی تکمیل فرمائی، پھر درس حدیث کے لیے خصوصی طور پر امام النحو مولانا غلام جیلانی میرٹھی سے میرٹھ میں سال ۱/۲ استفادہ کیا۔ تقسیم کے ^ کئی بار آپ کا پاکستان آنا جانا رہا، بالآخر ۱۹۵۷ء سے مستقل طور پر وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ آپ اس وقت صوبہ سندھ پاکستان کی رویت ہلال کمیٹی کے ممبر ہیں اور حکومت کی جانب سے بحیثیت نمائندہ مختلف ممالک کا دورہ کرچکے ہیں۔

سوال:- ہندوستان سے آپ نے کب ہجرت کی اور کیوں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- ہندوستان سے میں ۱۹۵۰ء میں اپنے بڑے ؍ ئی علامہ (عبد المصطفیٰ) ازہری صاحب سے ملنے پاکستان گیا تھا، پھر اس کے ^ جاتا رہا، اس ٓ وہاں کی مشہور و معروف مسجد نیو میمن مسجد کراچی کی امامت و خطابت کے لیے مفتی ظفر علی نعمانی اور دوسرے علما نے مجھے منتخب کرلیا، چوں کہ اس مسجد میں امامت و خطابت سے پہلے دو سال تک میں پاکستان کی دوسری مساجد میں تراویح پڑھا چکا تھا، تو اس طرح سے سفر پاکستان کا آغاز تو ۴۹/ ۱۹۵۰ء سے ہی ہو چکا تھا، لیکن ۵۷/ ۱۹۵۶ سے میں وہاں مستقل مقیم ہو گیا اور مجھے وہاں کی شہریت آ مل گئی- اس زمانے میں B. Catagery کا ویزا جسے ملتا تھا، اسے سال میں ۵/ ۶ بار پاکستان آنے جانے کی اجازت ہوتی تھی-

سوال:- آپ نے پاکستان ہجرت کیوں کی؟ کوئی خاص وجہ؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- میں نے پاکستان ہجرت نہیں کی، ۱۹۴۷ء کا سال بڑا ہی خطرناک تھا، وہ گزر گیا، اسی طرح ۱۹۴۸ء کا سال آ گزر گیا، میں نے بار بار ہجرت کا ارادہ کیا لیکن ہجرت نہیں کرسکا، ۱۹۴۸ء میں گاندھی جی کے قتل کا سانحہ پیش آیا، جس کے ^ ملک ½ میں شدید فسادات ہوئے، تین چار مہینے تک حالات نہایت نازک رہے، پھر وہ وقت آ گزر گیا، مجھے کسی چیز نے ہجرت کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ نیو میمن مسجد کی امامت و خطابت کے لیے وہاں ٹھہرنا پڑا، میں نے یہاں ملازمت آ شروع کر دی تھی، پھر ۱۹۵۰ء میں ایک سال مزید دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی کی خدمت میں مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں رہا، اس لیے ہجرت کا مجھے ایسا کوئی تصور نہیں ہوا-

سوال:- پاکستان کا قیام جس مقصد کے تحت کیا گیا تھا، یعنی مملکت خداداد کا قیام، وہ پورا ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کون لوگ اس کے ذمہ دار ہیں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- قیام پاکستان خالص اسلامی مملکت ¯ نے کے لیے کیا گیا تھا، قائد اعظم محمد علی جناح جب مسلم - نیورسٹی علی گڑھ تشریف لاتے تو میں وہ منظر دیکھتا

تھا، میں نے ان کی تقریر , آ سنیں، اس وقت تصور یہ ہوتا تھا کہ پاکستان بن جانے سے عالم اسلام کے لیے ایک متحدہ حکومت قائم ہو جائے گی، چوں کہ پاکستان کے ^ ایران پھر عراق پھر دوسرے عرب ممالک تھے، تو تصور یہ بنتا تھا کہ قیام پاکستان سے عالم اسلام کے اتحاد کا دروازہ کھل جائے گا-- جس طرح - روپین - نین ہے یا دوسرے اتحاد ہیں اسی طرح گمان تھا کہ قیام پاکستان کے ^ مسلم ممالک کا آ کوئی مستحکم اتحاد قائم ہو جائے گا- خصوصاً یہی سب باتیں ہجرت پاکستان کا سبب بنیں، ورنہ خواہ مخواہ کوئی اپنا گھر بار چھوڑ کر پاکستان نہیں جانا چاہتا تھا- لیکن افسوس کہ قائد اعظم محمد علی جناح 1 ہی جلد اللہ کو پیارے ہو گئے اور 1 زیادہ اچھے نتائج سامنے نہیں آ سکے- آج پاکستان میں ایک افراتفری کا ماحول ہے، ۱۹۵۶ء میں آئین اسلام کا نفاذ ہونے والا تھا، لیکن جنرل ا- ب صاحب نے مارشل لاء نافذ کر کے اسے نہیں ہونے دیا- اس کے ^ آج تک پاکستان کا ہر دور انقلاب اور مارشل لاء کا دور رہا- اسلامی ریاست کی تشکیل کا جو تصور تھا وہ آج تک وجود میں نہیں آ سکا- آج آ مسلمان اس کی کوشش میں مصروف ہیں، لیکن اس کوشش کی کامیابی کے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں، من جانب اللہ ان کی کوشش بار آور ہو جائے تو ہو جائے لیکن وہاں کے ۸۰/ ۷۰ فیصد لوگ وہاں کی عام پارٹیوں کے نظریات ہی سے وابستہ ہیں- مشکل سے ۲۵/ ۳۰ فیصدی لوگ ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ اسلامی حکومت قائم ہو-

سوال:- اس ناکامی کے ذمہ دار کون ہیں؟ عوام یا سیاست دان؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- عوام تو اس کے ذمے دار ہو نہیں سکتے، انہیں کی کوشش سے پاکستان کا وجود عمل میں آیا ہے اور جو کچھ ہوا انہوں نے ہی کیا، ہم عوام کو کچھ نہیں کہہ سکتے اور سیاستدانوں میں آ 1 سے لوگوں نے کوشش کی لیکن وہ کوشش آ ناکام رہی- دراصل اس کا ذمہ دار میں فوجی حکومتوں کو سمجھتا ہوں جنھوں نے نہ وہاں پر جمہوریت قائم ہونے دی اور نہ اسلامی حکومت- لہٰذا صرف کہنے کے لیے جمہوریہ اسلامی پاکستان ہے لیکن حقیقت میں نہ تو پاکستان میں اسلامی جمہوریہ ہے اور نہ وہاں اسلامی آئین، کتابوں میں ہے، وہاں کے آئین میں ہے، لیکن وہ آئین عملی سطح پر ناکام ہے-

سوال:-کراچی کو دنیا کے بدامن شہروں میں سرفہرست شمار کیا جاتا ہے، آخر کیوں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:-اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو افغانستان میں روس کے خلاف جہادی ¯ یا گیا اور جس طاقت نے ہم کو جہادی ¯ یا وہ ساری دنیا کے سامنے ہے اور پاکستان کے تمام عوام بلکہ پوری دنیا میں اسلام ذہن رکھنے والے جو لوگ ہیں، انہوں نے مل کر افغانستان میں روس کا مقا ·· کیا، جس کے ^ روس کو شکست ہوئی اور وہ ٹوٹ کر بکھر گیا-

جب روس شکست کھا کر واپس ہو گیا اس کے ^ انہی مجاہد + کو پوری دنیا میں دہشت گرد اور Terrorist کہہ کر متعارف کرایا گیا- روس کے خلاف افغانستان میں جو جہادی شریک ہوئے تھے وہ پاکستان کے علاوہ مصر، سعودی عربیہ اور دوسرے عرب ممالک کے افراد Ì تھے، لیکن ۹/۱۱ کے ^ جب افغانستان پر مصیبت نازل ہوئی تو پاکستان چوں کہ جغرافیائی طور پر Ì افغانستان سے متصل تھا اس لیے پوری دنیا میں اسے دہشت گرد ملک کہا جانے لگا- اس پوری تفصیل پر نظر ڈالیے تو کہنا پڑے گا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تو اس طرح ہمارے ساتھ ایک 1 بڑا حادثہ ہوا ہے اور آج Ì القاعدہ، لشکر جھنگوی، لشکر طیبہ، لشکر محمدی وغیرہ وغیرہ جو نام ہیں، یہ ساری تنظیمیں افغانستان میں روس کے خلاف پیدا ہوئی تھیں-

سوال:-لیکن خصوصاً کراچی کی بدامنی کی کیا وجہ ہے؟ مثال کے طور پر آئے دن وہاں چلتی سڑکوں پر بندوق دکھا کر موبائل چھین لینا، چوری ڈکیتی، شاد-ں میں افراتفری، مہاجر + اور حکومت میں ٹکراؤ وغیرہ- اس طرح کے بیشتر واقعات پاکستان میں ہی کیوں ہوتے ہیں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:-مہاجر + اور حکومت میں اب تو کوئی جھڑپ نہیں ہو رہی ہے لیکن آپ نے شہری زندگی کے تعلق سے جو کچھ کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنی سیاسی جماعتیں ہیں، وہ سب کی سب شکست وریخت کا شکار ہو چکی ہیں اور عوام کالانعام میں جو

نوجوان ہیں ان کو سنبھالنے والا کوئی Ì نہیں- وہ باہر سڑکوں پر آ کر جو کچھ Ì کر رہے ہیں، لوٹ، مار، ڈاکہ، گاڑیاں چھیننا، موبائل چھیننا وغیرہ وغیرہ ان میں کراچی ہی کی کوئی تخصیص نہیں، پورے پاکستان میں اس طرح کے واقعات ہو رہے ہیں- اس کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان میں جو نمایاں فرق ہے، اس کو Ì آپ کو مدنظر رکھنا چاہیے، ہندوستان میں ۱۹۴۷ء میں ہی زمیندارانہ نظام، نوابی نظام، جاگیردارانہ نظام سب کا خاتمہ کر دیا گیا، غرض زمین داروں کا جو دباؤ تھا عوام کے اوپر اسے ہندوستان میں ۱۹۴۷ء میں ہی ختم کر دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ پورے ہندوستان میں عوام جمہوریت کی تشکیل میں آزاد ہیں، جب کہ پاکستان میں آج تک سرداری نظام Ì باقی ہے، زمینداری نظام Ì باقی ہے، قبائلی جھگڑے الگ ہیں، اس لیے پاکستانی عوام صرف شہروں میں آزاد ہیں اور باقی شہر سے باہر جائیں تو عوام اپنے قبائلی سرداروں یا زمین داروں کے پابند ہیں، بغیر ان کی اجازت کے وہ اپنا ووٹ نہیں دے سکتے- اگر سرداروں کی مرضی کے خلاف کسی نے ووٹ دیا تو یا تو اس کا گھر جلا دیا جائے گا یا اس کے گھر سے خواتین کو اٹھا لیا جائے گا یا ان کے سر قلم کر دیے جائیں گے- تو اس طرح ہمارے یہاں آزادی صرف شہروں میں ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ۸۰٪ فیصد آبادی شہر سے باہر ہے، تو ہماری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ وہاں پر اب تک صحیح معنوں میں جمہوریت قائم ہی نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے وہاں افراتفری ہے- نواز صاحب یا بے نظیر صاحبہ یا ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جو جمہوریت آئی تو اس میں Ì سرداری نظام کا خاتمہ نہیں ہو سکا-

بھٹو صاحب نے 1 سی کامیاÒں حاصل کیں، بڑے بڑے کام کیے، چاند کے مسئلے کے تعلق سے Ì انہوں نے بڑی اچھی پیش رفت کی، اس مسئلے کو حکومت سے آزاد کر کے اس کی الگ سے ایک کمیٹی ''رویت ہلال کمیٹی'' کے نام سے تشکیل کر دی- یہ ان کا 1 بڑا کارنامہ ہے- لیکن سرداری نظام کے خاتمے میں وہ Ì ناکام رہے-

سوال:-متحدہ مجلس عمل کا قیام کیوں کیا گیا تھا اور کون لوگ اس میں شریک تھے؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:-ماشاء اللہ آپ کا یہ سوال 1 اچھا اور اہم ہے- قصہ یہ

ہے کہ آج سے تقریباً ۱۰/ ۱۵ سال قبل جب الیکشن ہوتا تھا تو اس وقت عوام کو یہ سوال 1 ہی پریشان کرتا تھا کہ وہ کس پارٹی کو ووٹ د , جس سے نظام مصطفیٰ کا نفاذ عمل میں آئے- چونکہ پاکستان میں جمعیۃ علماے پاکستان، جمعیۃ علماے اسلام، جماعت اسلامی، اس طرح سے پندرہ جماعتیں تھیں تو عوام نے یہ پوچھنا شروع کیا کہ جب آپ لوگ خود ہی الگ الگ N ہوئے ہیں تو کس کو ووٹ دیا جائے جس سے نظام مصطفیٰ اور نظام شریعت کا نفاذ عمل میں آئے؟ آپ میں سے ہر ایک اسلام کا نام لے رہا ہے جبکہ آپ میں سے ہر جماعت دوسری جماعت کی مخالف ہے-

جب یہ بات جماعتوں کے قائد + کے کانوں تک پہنچی تو وہ آ 1 پریشان ہوئے اور انہیں ماننا پڑا کہ عوام کا یہ سوال اپنے اندر 1 ہی اہمیت کا حامل ہے- انہوں نے آپس میں میٹنگ کر کے یہ طے کیا کہ ہم لوگوں کو کسی نہ کسی طرح آپس میں متفق و متحد ہو جانا چاہیے تو انہوں نے پہلے پہل ''ملی یک جہتی کونسل'' قائم کی اس کو سال دو سال تک چلایا، یہ تقریباً ۷/ ۶ سال پہلے کی بات ہے- اب پھر سوال یہ ہوا کہ اس کونسل کا سربراہ کس کو ¯ یا جائے تو جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہاں پر جتنی جماعتیں ہیں ان میں سب سے بڑی جماعت بریلوی اہل سنت و جماعت ہے جو میلاد شریف اور نذر و نیاز کے حوالے سے معروف ہے، لہٰذا سب نے یہ طے کیا کہ اکثریت اسی جماعت کی ہے، اس لیے اسی کے کسی فرد کو قائد و سربراہ ¯ یا جائے- چنانچہ قائد انقلاب، حق و صداقت کی نشانی علامہ شاہ احمد نورانی کو باتفاق قائد منتخب کر لیا گیا- جب وہ قائد منتخب ہو گئے تو اسی ''ملی یک جہتی کونسل'' کا نام بدل کر ''متحدہ مجلس عمل'' رکھ دیا گیا- تاحیات حضرت اس کی قیادت فرماتے رہے، اب خالص اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے، خواہ وہ نظام قرآن کے نام سے ہو، نظام مصطفیٰ کے نام سے ہو یا نظام شریعت کے نام سے ''مجلس متحدہ عمل'' تمام مسلمانوں کے اتفاق سے واحد جماعت کی حیثیت سے سامنے آئی جس کو سب کی حتیٰ کہ اہل تشیع حضرات کی آ تائید حاصل ہے-

سوال:- اس کے اہم قائد + کون لوگ تھے یا کون ہیں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- اپنی اپنی جماعتوں کے سارے قائد + جمع ہو گئے تھے،

مثال کے طور پر جماعت اسلامی کی طرف سے اس زمانے میں میاں محمد طفیل صاحب تھے، مگر آپ جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی میں جب کوئی ایک قائد ہٹ جاتا ہے تو اس کا نام و نشان آ مٹ جاتا ہے، اس طرح ہر جماعت کا نمائندہ مجلس عمل میں شریک رہا- مفتی ظفر علی نعمانی اور دوسرے علماے اہل سنت آ اس میں شریک تھے، پنجاب میں تو مجلس کی حکومت آ قائم ہو گئی-

سوال:- مجلس متحدہ عمل کی کچھ مخالفت آ کی گئی؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- ہندوستان کے کچھ علما نے اس کی مخالفت کی تھی، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تمام مکاتب فکر کا اجتماع نہیں ہونا چاہیے، اپنے طور پر کوشش کر کے کچھ آگے بڑھنا چاہیے، یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، مختلف علما کی مختلف رائے ہے- یہاں میں ایک بات C دوں کہ اختلاف رائے ایک الگ چیز ہے، مخالفت الگ چیز ہے، عموماً لوگ دونوں کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں جس سے افہام و تفہیم میں کافی دشواری ہوتی ہے- میرے خیال میں اختلاف رائے ہونا چاہیے، اس سے مزید سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا ہے، فکر ملتی ہے، دوسرے پہلو سامنے آتے ہیں، اس کے برخلاف مخالفت نہیں ہونی چاہیے، یعنی ایک ہی مسلک کے لوگوں کو آپس میں اختلاف رائے کرنا چاہیے، مخالفت نہیں کرنی چاہیے، مخالفت کرنے سے سارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا- یہ 1 بڑا عیب ہے ہمارے اندر کہ ہم اختلاف رائے کو مخالفت ¯ لیتے ہیں- حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ جب مقصد ایک ہے اس کے حصول کے لیے دو شخص کے سامنے دو طریقے ہیں تو ہر شخص دوسرے سے اختلاف رائے تو رکھے، وہ اپنی رائے کو مفید سمجھے، لیکن دوسرے کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو-

سوال:- پاکستان میں آج ثبوت رویت ہلال کے کون سے طریقے رائج ہیں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- پاکستانی حکومت نے حکومت و سیاست کی مداخلت سے بالکل آزاد ایک ''رویت ہلال کمیٹی'' کی تشکیل کر دی ہے، اس کی چار صوبائی شاخیں ہیں اور ایک مرکزی کمیٹی ہے، اگر ۲۹ر تاریخ کو مرکزی کمیٹی کو براہ راست شہادت مل جاتی ہے یا صوبائی کمیٹیوں کو شہادت ملتی ہے تو وہ مرکز کو مطلع کر دیتے ہیں، اس کے لیے فون کا سہارا آ

لیا جاتا ہے، پھر مرکزی کمیٹی رویت کا اعلان کرتی ہے اور پاکستانی ریڈ - اور ٹیلی ویژن سے خبر نشر ہو جاتی ہے اور اجتماعی عید ہوتی ہے- اس کمیٹی کے بارے میں آپ کو یہ C دوں کہ اس میں صرف کسی خاص مسلک یا جماعت کے لوگ نہیں ہیں، ہر مکتب فکر کے لوگ اس میں شامل ہیں اور اس لیے اس کا اعلان سب کے لیے معتبر ہے-

علما کی جماعت کے علاوہ پاکستان میں سائنس سے Ì استفادہ اس طور پر کیا جاتا ہے کہ موسمیات والے C تے ہیں کہ آج رویت ممکن ہے یا نہیں، لیکن چونکہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ **صوموا لرؤیتکم وأفطروا لرؤیتکم فان غُمّ علیکم فاکملوا العدة ثٰـلثین**، اس لیے موسمیات والوں کے یہ C نے کے ^ Ì کہ آج چاند کی رویت ممکن ہے، جب تک چاند نظر نہیں آجاتا رویت کا اعلان نہیں ہوتا - اس طرح کا واقعہ امسال Ì پیش آیا، سرحد میں کچھ لوگوں نے ہنگامہ آرائی کی Ì کوشش کی لیکن وہیں کے مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اور اگر ابر و غبار میں چاند گم ہو جائے، تو تیس کی تاریخ پوری کر لو- اس سے صاف واضح ہے کہ رؤیت کے امکان کے باوجود گرد و غبار یا اور کسی وجہ سے رؤیت جب تک نہیں ہوتی چاند کا اعلان نہیں کیا جائے گا - تو خلاصہ یہ کہ چاند کے مسئلہ میں پاکستان میں نہایت سکون ہے، آپ کے یہاں ہندوستان میں یہ مسئلہ ہر سال الجھن کا باعث بنتا رہتا ہے، میرے خیال میں سنی، د - بندی، اہل حدیث، جماعت اسلامی اور اہل تشیع سب ہی مل کر اس طرح کی کمیٹی یہاں Ì تشکیل د , تو مسئلہ حل ہو جائے گا اور ہر سال جو ایک عجیب سا ماحول بن جاتا ہے وہ ختم ہو جائے گا - اس کے علاوہ نکاح و طلاق اور دیگر مسائل میں Ì علما کا موقف اجتماعی طور پر واضح رہنا چاہیے، علما کو ان مسائل کے حل کے لیے Ì مل بیٹھ کر سوچنا چاہیے، چونکہ یہ میڈیا کا دور ہے اس لیے آپ کو 1 ہی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ کوئی اچھی بات Ì میڈیا میں جا کر مذاق نہ بننے پائے-

ســـوال :- آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں جن مسائل شرعیہ میں سختی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، پاکستان میں ان مسائل میں شدت نہیں برتی جاتی؟ جیسے فوٹو گرافی، لاؤڈ اسپیکر پر

اقتداء اور رویت ہلال کے مسائل وغیرہ-

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی :- س طرح کے جو جدید مسائل آتے ہیں ان میں شروع میں الجھن اور اختلاف تو ہوتا ہی ہے اور ہونا Ì چاہیے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اختلاف رائے کو مخالفت کا رنگ نہیں دینا چاہیے، مثلاً لاؤڈ اسپیکر پر اقتداء کے تعلق سے سب سے پہلے پاکستان میں حضرت مفتی نور اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ^ حضرت مولانا ابوالبرکات شاہ رحمۃ اللہ علیہ پھر علامہ سعید احمد کاظمی نے فتویٰ دیا اور اسی طرح ہندوستان میں سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی شاہ اجمل صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا اور یہ فتویٰ Ì دیا کہ زیارت حرمین طیبین کے لیے فوٹو کھینچوانا جائز ہے- اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ عرض کروں، حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی شادی حضرت مولانا محمد حسین صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جو تقسیم کے ^ پاکستان آ گئیں، انہوں نے دو تین سال کے ^ علامہ جیلانی میرٹھی کے خلاف خلع کا مقدمہ دائر کر دیا، مقدمہ مہینوں چلتا رہا، میں نے اس کی پیروی Ì کی، کورٹ نے کہا کہ اگر آپ ایک بار Ì میرٹھی صاحب کو کورٹ میں لا کر Ò ن دلواد , تو ان کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا - لیکن میرٹھی صاحب فوٹو کھینچوانے کے خوف سے پاکستان نہیں آئے اور صرف فوٹو کی وجہ سے ان کی Ç ی ان سے الگ ہو گئیں، پھر کچھ ہی دنوں کے ^ جب وہ پاکستان آئے اور میں نے ان سے سوال کیا تو کہنے لگے کہ میرے استاذ علامہ مفتی اجمل صاحب نے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے، میں نے سفر حرمین کے لیے فوٹو کھینچوائے تھے تو میں نے سوچا کہ پاکستان کا Ì سفر کر لوں- تو آپ غور کر , کہ ایک ہی مسئلہ جب تک کے اس پر عدم جواز کا فتویٰ رہا سختی سے اس پر عمل کرتے رہے، جب کہ علامہ جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود Ì بڑے جید عالم تھے اور جونہی جواز کا حکم صادر ہوا اس پر عمل کرنے لگے- چونکہ ہم لوگ امام اعظم کے پھر ان کے خلفاء کے پھر ان کے خلفاء کے خلفا کے تقلید در تقلید کرتے چلے آ رہے ہیں اور اسی میں ہمارے لیے خیر Ì ہے- لیکن ان سب کے باوجود جو جدید مسائل ہیں ان میں علما کو غور و فکر تو کرنا ہی چاہیے- اور اگر اس میں اختلاف رائے Ì ہوتا ہے تو اس اختلاف رائے سے

امت کو فائدہ پہنچانا چاہیے- اسی طرح ٹیلی ویژن کا مسئلہ لیجیے اس میں پاکستان کے علما نے غور وفکر کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو چیز , باہر دیکھنا ناجائز وحرام ہیں وہ ٹیلی ویژن پر دیکھنا ا حرام ہیں اور جو چیز , باہر دیکھنا جائز ہے وہ ٹیلی ویژن پر دیکھنا ا جائز- تو میرا کہنا یہ ہے کہ اس طرح کے اختلافات ہوتے رہے ہیں اور علما ان اختلافات کے ساتھ ساتھ عوام کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں، جن کے نزدیک جو درست ہوتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں-

سوال:- ہندو پاک کے تعلقات دن بدن خراب ہو رہے ہیں، اس کا ذمہ دار آپ کن لوگوں کو مانتے ہیں؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- دونوں طرف سے جو شدت پسند مذہبی رہنما ہیں وہی اس کے ذمہ دار ہیں، ان میں اگر اعتدال آجائے اور احترام انسانیت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ ساری انتہا پسندی آپ سے آپ ختم ہو جائے گی، احترام انسانیت تمام انبیاء ومرسلین کی تعلیمات کا خلاصہ ہے اور چوں کہ ہمارے پیغمبر آخر الانبیاء وسید الانبیاء ہیں، اس لیے سب سے زیادہ آپ نے ہی اس پر زور دیا- آپ نے ہی فرمایا **خیر الناس من ینفع الناس** قرآن نے کہا **من قتل نفساً بغیر نفس فکانّما قتل الناس جمیعاً**- آج ہم میں اور ترقی یافتہ دنیا میں جو سب سے بڑا فرق ہے وہ احترام انسانیت کا ہے، ہم سے کہا جا رہا ہے کہ جہاد مت کرو اور ادھر دیکھیے تو -ریپن -نین، ناٹو اور ساٹو جہاد نہیں کر رہے ہیں تو اور کیا کر رہے ہیں؟ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارا جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہے، عدل وانصاف کے قیام کے لیے ہے اور ان کا جہاد صرف اپنی ذاتی تعلی اور حکمرانی کے لیے ہے، جہاد کا مطلب تو یہی ہے نا کہ آدمی اپنے مخالف کو قتل کر دے، تو ان سے بڑا مجاہد تو دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں، عراق میں یہ جہاد کر رہے ہیں، افغانستان میں یہ جہاد کر رہے ہیں، چیچینیا میں یہ جہاد کر رہے ہیں، کشمیر میں یہ جہاد کر رہے ہیں، ہر جگہ جہاد چھیڑے ہوئے ہیں اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد مت کرو، اور بات صرف آج کی نہیں، آپ پوری مسلم تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، مسلمان کہیں جہاد کرنے نہیں گیا ہے، حالات نے اسے مجبور کیا ہے ہتھیار اٹھانے پر تو اس نے ہتھیار اٹھایا ہے، تمام جنگیں صرف دفاع میں لڑی گئیں، سب دفاعی جنگیں تھیں-

خلاصہ یہ کہ مسلمان اس وقت تک سر بلند رہے جب تک وہ حق وصداقت کے لیے سرشار رہے، عدل وانصاف قائم کرتے رہے اور احترام انسانیت O لاتے رہے، جب انہوں نے اس عمل سے اپنا منہ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ دوسری قوم جسے آپ امریکہ کہہ سکتے ہیں کو مسلط کر دیا- آج برصغیر ہندو پاک کے اندر اسی احترام انسانیت کا فقدان ہے اگر دونوں ملکوں میں احترام انسانیت پر کام شروع ہو جائے، بندگان خدا کی راحت رسانی کی فکر ہو جائے تو سارے مسائل آپ سے آپ حل ہو جائیں گے-

سوال:- کیا یہ سچ نہیں ہے کہ مہاجر + کو اب تک پاکستان میں نمبر دو کا شہری سمجھا جاتا ہے؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، آج سے دس پندرہ سال پہلے اس طرح کی صورت حال تھی، جب مہاجر + وغیر مہاجر + میں فسادات ہوتے تھے، اب جبکہ عقل وشعور میں بیداری آئی ہے اس طرح کے خیالات ختم ہوتے جا رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مہاجر + نے اپنے آپ کو اب مہاجر کہنا چھوڑ دیا ہے-

اصل میں قصہ یہ ہوا کہ پاکستان میں کوئی پنجابی تھا، کوئی سرحدی تھا، کوئی بلوچی تھا، کوئی پٹھان تھا، وغیرہ وغیرہ تو جو لوگ ہندوستان سے پاکستان گئے تھے وہ اپنے آپ کو کیا کہیں؟ ان کو جو پرانے پاکستانی تھے وہ مہاجر کہنے لگے انہوں نے ا اس نام کو قبول کر لیا کہ چلو اس میں کوئی برائی نہیں ہے- پھر ان لوگوں نے اپنی تنظیم اور جمعیت ا ¯ لی، تا کہ رفتہ رفتہ مہاجر + کو ترقی کی راہ پر لائیں، اس سلسلے میں ان سے غلطیاں ا ہوئیں، ان کے یہاں دہشت گرد اور Terrorist ا پیدا ہوئے، جنہوں نے پولیس سے، انتظامیہ سے اور حکومت سے نبرد آزمائی کی اور پنجاÇں، سرحد -ں، بلوچیوں اور پٹھانوں کو اپنا دشمن ¯ لیا- پھر رفتہ رفتہ جب ان کا شعور بیدار ہوا تب انہوں نے اپنا نام تبدیل کیا اور اب اپنی تنظیم کا نام مہاجر قومی مومینٹ سے ''متحدہ قومی مومینٹ'' رکھ لیا-

سوال:- حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حالات زندگی پر مختصر روشنی ڈالیں، جن کا آپ نے خود مشاہدہ کیا؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی :- جیسا کہ میں C چکا ہوں کہ میری پیدائش ۱۹۲۴ء میں ہوئی، ۱۹۳۴ء میں میں کافی باشعور ہو گیا تھا، میں ان دس سالوں میں والد گرامی حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبح و مسا انتہائی قریب سے دیکھا، بریلی میں Ì دیکھا، اس وقت جب میں نے ۳/۴ پارے ناظرے پڑھ لیے تھے اور میرے اندر حفظ قرآن کا شوق بیدار ہوا، میں ابا جی سے زیادہ تو بول نہیں سکتا تھا، امی جی سے کہا: کہ مدرسے میں قرآن پڑھنے والوں کی دو صف ہے، ایک وہ جس میں a قرآن دیکھ کر پڑھتے ہیں اور دوسری وہ جس میں چھت اور د -ارد یکھ کر پڑھتے ہیں، میں نے کہا کہ مجھے Ì آپ انہی میں بٹھاد , کہ میں Ì چھت اور د -ارد یکھ کر پڑھوں، اپنی کم سنی کی وجہ سے میں لفظ حفظ نہیں بول پا رہا تھا، بس شوق تھا کہ دوسرے بچوں کی طرح میں Ì چھت اور د -ارد یکھ کر قرآن پڑھوں- اس طرح میں نے حفظ شروع کیا اور مکمل کیا، اور اپنے خاندان میں پہلا حافظ قرآن ¯، چوں کہ میرے خاندان میں ۱۰/ ۸ پشتوں سے مولوی، حکیم چلے آ رہے تھے، کوئی حافظ نہیں تھا، ابا جی نے سب سے پہلے مجھ کو حافظ ¯ یا اور یہ Ì ان کا فیض ہی ہے کہ میرا حفظ قرآن پوری دنیا میں مشہور ہو گیا، میں نیو میمن مسجد میں تین رات شبینہ سناتا ہوں جو پوری دنیا میں ٹیلی ویژن کے ذریعے نشر ہوتا ہے اور پوری دنیا سے مبارکباد اور تعریف کے فون آتے ہیں-

میں نے ۱۹۳۴ء سے پورے ہوش و حواس سے حضرت صدر الشریعہ کو دیکھا، میں نے ان کا وہ دور Ì دیکھا جب وہ اجمیر شریف میں تھے، وہاں نواب حیدر آباد دکن نے جو مدرسہ قائم کیا تھا اس کے وہ صدر المدرسین Ì تھے، نوابوں کی صحبت کی وجہ سے ان کے ذہن میں اور طور طریقے میں نوابی کوٹ کوٹ کر 1/2ی ہوئی تھی، وہاں سے وہ بریلی شریف آ گئے، بریلی شریف سے پھر علی گڑھ چلے گئے، علی گڑھ میں Ì نوابوں کا ماحول تھا، اس زمانے میں لندن سے ایک خاص قسم کا کپڑا آتا تھا، جس کا وہ پائجامہ پہنتے تھے، سوئز رلینڈ سے چکن آتی تھی، اور نواب واجد علی شاہ والی پھالداری ٹوپی ہوتی تھی، اسی طرح ان کی سلیم شاہی جوتی Ì کہیں باہر سے آتی تھی، ہاتھ میں نہایت ہی خوب صورت چھڑی ہوا کرتی تھی، شیروانی کے

لیے کشمیر سے کشمیرا کپڑا آیا کرتا تھا، شالیں وغیرہ Ì کشمیر سے آتی تھیں، غرض یہ کہ ان کے اندر تمام تر نوابی آن بان تھی- علی گڑھ میں محمد علی جناح آتے تھے تو ان کے ساتھ Ì ان کی میٹنگیں ہوا کرتی تھیں، ابا جی ۱۹۴۴ء/ ۱۹۴۵ء کی اس اہم میٹنگ میں Ì علی گڑھ میں شریک تھے، جس میں لیگ والوں نے انگریزوں سے پورے طور پر ملک کے آزاد کرنے کا مطالبہ کیا- اس وقت مولانا شاہد خاں شیروانی تھے جو ہمارے یہاں نائب صدر المدرسین تھے اور کانگریسی تھے، اتنے بڑے کانگریسی کے گھڑی کا Î Ì کھدر کا ´ایا تھا- چپل کی پٹیاں Ì کھدر کی ´ائی تھیں- اس وقت جب یہ بات آئی تو ابا جی نے کہا کہ انگریزوں کا بائیکاٹ ہی کرنا ہے تو کیا ضروری ہے کہ کھدر ہی پہنا جائے جو گاندھی آشرم میں ¯ ہو، ہندوستان کے دوسرے کپڑے Ì پہن سکتے ہیں- آخر مسلمان Ì تو مراد آباد وغیرہ میں کپڑے تیار کر رہے ہیں، دھاگے کات رہے ہیں، جب ہمارا مقصد انگریزی کپڑوں کا بائیکاٹ ہے تو آخر ہم مسلمانوں میں یہ جذبہ کیوں نہیں پیدا کرتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ¶ ہوئے کپڑے پہنیں- صرف گاندھی آشرم کے تیار کیے ہوئے کھدر پہننے پر زور دینے میں تو ایک طرح کا نقصان ہی ہے- اس کے ^ پھر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے تمام دوسرے کپڑے پہننے چھوڑ دیے اور گھر میں C دیا کہ ہمارا کپڑا اور ہماری ٹوپی Ì گاڑھے کی ہوگی- اس کے ^ پھر بٹن پر غور کیا تو کہنے لگے کہ یہ Ì تو انگریزوں کا ہی ¯ یا ہوا ہے- لہٰذا انہوں نے بٹن لگانا Ì چھوڑ دیا- اور گھنڈی لگانا شروع کر دیا- جوتا اسپیشل دہلی سے آیا کرتا تھا- ناشتے کے لیے بسکٹ ہمیشہ علی گڑھ شہر سے آیا کرتا تھا، گو حاصل یہ کہ ابا جی کھانے پینے میں اور اوڑھنے پہننے میں بڑے با ذوق اور نفاست پسند واقع ہوئے تھے، لیکن ترک موالات کے سلسلے میں جب انہوں نے اپنے قیمتی کپڑے پہننا چھوڑ دیے تو ہم نے دیکھا کہ قیمتی کھانے Ì آہستہ آہستہ چھوڑتے چلے گئے- آخر کے دنوں میں صرف روٹی اور کدو کی سبزی ہلکے شوربے کے ساتھ کھانے لگے تھے- کئی رمضانوں میں میں نے دیکھا کہ ان کے لیے دو روٹی کی ثرید بن کر جاتی تھی، افطار کی دوسری چیز , Ì کھاتے تھے ہلکی پھلکی، مگر خاص طور پر وہی ثرید کھایا کرتے، ابا جی کی زندگی کا یہ انقلاب ہے جسے میں نے سنا نہیں ہے اور نہ کسی کی

روایت Òن کررہاہوں، بلکہ سب میرے مشاہدات ہیں-ایک طرف میں نے ان کی شاہی دیکھی اور دوسری طرف ان کی درویشی Ì دیکھی-انہیں کے تلامذہ میں سے مولانا منتخب الحق صاحب استاذ دینیات کراچی - نیورسٹی، ہمارے یہاں کچھ دنوں شیخ الحدیث رہے، یہ اجمیر شریف کے تلامذہ میں سے ہیں، ایک دن والد صاحب کا ذکر ہورہا تھا اور جب انہوں نے سنا کہ والد صاحب شاہی چھوڑ کر درویشی کی طرف کس طرح واپس آئے تو کہنے لگے کہ'' مولوی اگر درویش نہیں ہے تو -ں سمجھ لیجیے کہ دس میں سے ایک نکال دیا گیا- شیخ سعدی Ì یہی کہتے ہیں......ع......درویش صفت باش وکلاہ تا تاری دار

۱۹۴۴ء میں والد صاحب کا سیتا پور میں آنکھوں کا علاج ہوا، یہ برصغیر کا واحد آنکھوں کا بڑا ہسپتال تھا جسے انگریزوں نے تیار کرایا تھا، آپریشن ناکام رہا، پھر دوسری آنکھ کا Ì آپریشن کرایا تو وہ Ì ناکام ہوگیا-اوراس کے ^ اباجی لکھنے، پڑھنے سے معذور ہوگئے- اس کے ^ وہ خطوط وغیرہ یا تو مجھ سے لکھواتے تھے، یا مفتی شریف الحق صاحب سے-تمام فتوؤں کا جواب مفتی شریف الحق سے ہی لکھواتے تھے-قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ روزانہ ۷/ ۸ W مفتی صاحب کو جواب لکھنے کے لیے بلوا لیتے، ایک مرتبہ میں تقریباً ۶/ ۷/ ۸ خطوط پڑھواتے اوراس کے ^ ایک طرف سے نمبروار جواب لکھواتے چلے جاتے-تدریس کے زمانے میں وہ اتنے پابند تھے کہ ہمیشہ ۱۰/منٹ پہلے مدرسہ پہنچتے تھے، اور جب سارے اساتذہ اٹھ جاتے تھے تب آپ اپنی درسگاہ سے نکلتے تھے، درس وتدریس کے زمانے میں آپ نے کچھ لکھا Ì نہیں- دیگر خالی اوقات میں ۰ رشریعت لکھی اور طحاوی شریف پر حاشیہ لکھا،۱۹۴۴ء میں جب آپ کی آنکھ کا آپریشن ہوا اس کے ^ فتاویٰ املا کرایا- میں نے والد صاحب کے ساتھ کئی سفر Ì کیے، دوتین باران کے ساتھ کاٹھیاواڑ گیا،۱۹۴۵ء میں اور پھر ۱۹۴۶ء میں، غالباً آخر میں ۱۹۴۷ء میں Ì گیا تھا، شعبان کے مہینے میں اور رمضان پاکستان میں گزرا-کبھی Ì میں نے ان کو بے جماعت نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا-نہ اجمیر میں، نہ علی گڑھ میں اور نہ گھر پہ-والد صاحب کے ساتھ خدمت کے لیے سفر میں سبحان اللہ Ì ہوا کرتے تھے، گاڑی جب ۱۵/منٹ کے لیے کسی اسٹیشن پر رکتی تھی تو والد صاحب

کہتے کہ دیکھو اگر کسی نل پر لوگ وضو ¯ رہے ہیں تو ان کے پاس چٹائی بچھاؤ اور ان سے کہو کہ جو لوگ ان میں Ì نماز پڑھنا چاہتے ہیں نماز پڑھ لیں، پھر والد صاحب اترتے اور کسی کھمبے کو سترہ ¯ کر نماز پڑھاتے تھے، یہ اہتمام تھا ان کا سفری نمازوں میں-

والد صاحب میں احترام انسانیت، پابندی شریعت اور مذہبی رواداری Ì 1 تھی، آج گھوسی میں جہاں جامعہ امجدیہ رضویہ ہے(اللہ اسے ترقی دے) وہاں پر چھوٹی سی ایک مسجد ہے، یہ ہماری خاندانی مسجد ہے، آپ جانتے ہیں کہ خاندانی مسجد سے لوگوں کا کتنا لگاؤ ہوتا تھا، والد صاحب اس کو آباد کرنے کے لیے اپنے بچوں کو اس میں بھیجتے تھے کہ جاؤ اس میں نماز , پڑھو، تاکہ وہ آباد رہے، لیکن خود وہ ایک قریبی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اعتکاف Ì اسی میں کرتے تھے اور اسی مسجد میں آپ کے دادا حضرت علامہ ارشد القادری ۱۹۴۴ء کے ^ ۳/۲ سالوں تک رمضان والد صاحب کے ساتھ گزارے، وہ والد صاحب کے ساتھ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے- خاندان کے لوگوں نے کئی دفعہ والد صاحب سے کہا Ì کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور مسجد کے ذمہ دار آپ کے خلاف باتیں کرتے ہیں- والد صاحب نے کہا وہ جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دو-لیکن جو اقرب المساجد ہے، پہلے ہمیں اسے آباد کرنا ہے- اس کا حق ہم پر زیادہ ہے- اس لیے ہم نماز یہیں پڑھیں گے- چاہے وہ برا کہیں یا بھلا کہیں- چوں کہ اس زمانے میں ان لوگوں میں تھوڑی 1 د- بندیت Ì تھی-

سوال:-حضرت صدرالشریعہ کی تبلیغ کا انداز کیا تھا؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:-والد صاحب نے تو ۱۹۴۴ء سے پہلے تبلیغ کی ہی نہیں، ہاں بارہ رß الاول کو میلاد شریف کیا کرتے تھے، والد صاحب، مفتی وقار الد + ، صوفی مبین، سید ظہیر الد + زیدی، خلیل احمد خاں برکاتی، یہ سب حضرات مل کر اپنے اخراجات سے ۱۲/ر , شریف کو ایک یا دو دیگ کھیر پکایا کرتے تھے-طلوع صبح صادق سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے، ایک a بچھتا تھا، اس کے اوپر بیلا چمیلی اور دوسرے پھول، بچھائے جاتے تھے اور پھر اس پر بیٹھ کر والد صاحب میلاد شریف پڑھتے تھے- اس کے علاوہ انہوں نے

وعظ تقریر کبھی نہیں فرمائی - ہاں ۱۹۴۴ء کے ^ جب والد صاحب آنکھوں سے معذور ہو گئے جہاں جاتے کچھ دیر وعظ و تبلیغ فرما دیا کرتے تھے، اس میں وہ حضور صلی اللہ علیہ سلم کے فضائل ہی اس انداز میں Ò ن کیا کرتے تھے کہ شیعیت کا، وہابیت کا یا اور جتنے گروہ ہیں سب کا رد ہو جایا کرتا تھا-

سوال:- ۔ رشریعت انہوں نے کب لکھی؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- والد صاحب نے اعلیٰ حضرت کی زندگی میں ہی اسے لکھنا شروع کر دیا تھا-۳ یا ۴ حصوں پر اعلیٰ حضرت کی تقاریظ Ì ہیں- والد صاحب نے درس و تدریس کے زمانے میں لکھنے کا کام نہیں کیا، انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام یا تو چھٹیوں میں کیا یا پھر گرمیوں میں جب ایک وقت کا مدرسہ ہوتا تو دوپہر کے ^ اپنے شاگرد مفتی وقار الد + وغیرہ کو لے کر عصر تک بیٹھتے تھے، لیکن میں یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ ۔ رشریعت لکھتے تھے یا طحاوی شریف کا حاشیہ لکھتے تھے-

سوال:- جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی:- جب میں نے پہلی مرتبہ جام نور دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی کہ آپ تو بڑے نوخیز اور نوعمر ہیں، آخر اتنا اچھا کیسے لکھ سکتے ہیں- پھر مجھے محسوس ہوا کہ بلا شبہ یہ علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ غلام آسی پیا رحمۃ اللہ علیہ اور جتنے Ì بزرگان د + ہیں سب کا فیض اور کرامت ہے- رسالہ کے مضامین Ì 1 ہی معیاری اور علمی ہوا کرتے ہیں، مشمولات گراں قدر ہیں، لیکن آپ سے میرا ایک مشورہ ہے کہ اختلاف جتنا Ì کرنا ہے کیجیے لیکن احترام انسانیت ملحوظ رکھیے اور مخالفت مت کیجیے- میں ہر ماہ جام نور پابندی سے پڑھتا ہوں، کراچی میں اس کے قارئین کی 1 بڑی تعداد Ì ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مزید بام عروج تک پہنچا دے-□□□

(شمارہ جنوری ۲۰۰۷ء)

مولانا سید رکن الد + اصدق چشتی

مدیر اعلیٰ سہ ماہی ''جام شہود'' و بانی و مہتمم مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف ۔ رشریف

بارہو , صدی ہجری میں عارف باللہ خواجہ شاہ قیام اصدق صادقی فخری نظامی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جنہیں صوبہ ۔ رمیں سلسلہ نظامیہ کے بانی ہونے کا شرف Ì حاصل ہے- آپ کی خانقاہ چشتی چمن پیر بیگہ شریف ضلع نالندہ میں واقع ہے اور یہیں خانوادۂ اصدقیہ آباد ہے- اسی خانوادے کے ایک علمی فرزند کا نام مولانا سید رکن الد + اصدق چشتی ہے- آپ کی ولادت ۱۹۴۴ء میں ہوئی- ابتدائی تعلیم خانوادہ کے بزرگوں ہی کے زیر نگرانی عمل میں آئی- فراغت کے ^ ۱۹۶۸ء میں آپ مدرسہ عزیزیہ پنجرانواں ضلع جہان آباد میں صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوئے، جب کہ ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء جامعہ شرفیہ گیا میں Ì اسی منصب پر رہے- آپ کی علمی، قلمی اور تدریسی صلاحیتوں اور دینی خدمات سے متاثر ہو کر ۲۵/ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ادارۂ شرعیہ پٹنہ کا منصب اہتمام آپ کے سپرد کیا- ۹/ سال تک آپ نے بحسن و خوبی ادارے کا نظم و نسق چلایا اور پھر ۱۹۸۳ء کو د + و مسلک کی اشاعت کے لیے ۔ رشریف میں ''مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف'' کے نام سے تعلیمی ادارہ قائم کیا- مذہبی صحافت میں Ì آپ کی خدمات لائق ستائش ہیں، آپ نے ادارۂ شرعیہ کے دور اہتمام میں پندرہ روزہ ''رفاقت'' کی ادارت فرمائی جب کہ پچھلے ۱۰/ سالوں سے سہ ماہی ''جام شہود'' آپ کی زیر نگرانی شائع ہو رہا ہے- آپ کے قلم سے متعدد کتابیں Ì منظر عام پر آئیں ہیں، جن میں تاریخ ہجرت، تحائف اصدقیہ، بے نقاب چہرے، خطرات کے بادل، ترجمہ زاد السفر اور حیات اصدق قابل ذکر ہیں-

سوال:-کیاماضی کے مقا » میں آج جماعت اہل سنت تحریری،صحافتی اوردعوت و تبلیغ کے میدان میں زیادہ فعال ہے- اگر ایسا ہے تو اس عروج کا سہرا آپ کس کے سر باندھیں گے؟

مولانا سیدرکن الد + اصدق:-ماضی میں ہماری جماعت کے اندر تدریسی صلاحیت کے علما کی بہتات تھی اوراب ویسے اساتذہ ڈھونڈنے پر ملتے ہیں- با , ہمہ تحریری،صحافتی اوردعوت وتبلیغ کے میدانوں کی طرف سے بے اعتنائی ضرورتھی- گوناگوں دینی موضوعات پر کتب ورسائل کم یاب تھے-جس کا نقصان دہ پہلو یہ تھا کہ کامیاب مناظروں کے ^ زمین اہل سنت کے حق میں ہموار ہوجاتی تھی-مگرہم دعوت وتبلیغ اوردینی جرائدورسائل کے ذریعہ اسے اپنے حق میں استوارنہیں رکھ پاتے تھے-جس کی متعدد مثالیں میرے پیش نظر ہیں، مگراس کا ذکراس وقت طوالت کا باعث ہوگا-

متاخر + علامیں حکیم الامت حضرت مولانا احمد یارخاں بدا-نی اورحضرت مولانا عبد المصطفی اعظمی علیہم الرحمہ قابل ذکر ہیں جنہوں نے عوام کی ضرورتوں کوسامنے رکھ کر دینی کتابیں تصنیف فرمائیں-اوراس طرح تحریری ڈگر پر چلنے کی ہمیں راہ دکھائی- دعوت وتبلیغ کے میدان میں خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی اور رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہم الرحمہ کی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی- ان حضرات نے فرق باطل کے جراثیمی اثرات سے قوم کومحفوظ رکھنے کے لیے جگہ جگہ مساجدومدارس قائم فرمائے اورنوع ٔ ع کتابیں تحریرفرمائیں-ایک نے الہ آباد سے ماہنامہ پاسبان اوردوسرے نے کلکتہ سے ماہنامہ جام نور جاری کیا جس کے دوررس نتائج برآمد ہوئے-لیکن آج تحریری، صحافتی اوردعوت وتبلیغ کے میدان میں ان اسلاف کے جانشیں پیدا کرنے کا فریضہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپورانجام دے رہا ہے-

سوال:-د + کی اشاعت کے نام پرموجودہ جلسہ وجلوس کوآپ کتنا موثر اور با مقصد جانتے ہیں؟

مولانا سیدرکن الد + اصدق:-:-جلسے جومدارس اسلامیہ کے تحت فارغین کی دستار بندی اورتقسیم اسناد کی غرض سے ہوتے ہیں،ضرورتاً ہیں یا پھر میلا النبی اورمعراج النبی کے نام پر جو جلسے منعقد ہوتے ہیں، بامقصد ہیں-ان موقعوں پرعموماً باوقاراورعلمی شخصیتوں کومدعو کیا جاتا ہے- خاص کر دستار بندی کے جلسوں میں تواس کا خاص اہتمام ہوتا ہے-۱۹۸۲ء میں دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے جلسۂ دستارفضیلت میں، میں شریک تھا- جب سند , اسٹیج پرلائی گئیں تو حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے فرمایا سندوں پرعلما سے دستخط کرالو-اس موقعہ پرحضرت علامہ خواجہ مظفرحسین پرنوی اسٹیج پرموجود تھے-انہوں نے بلند آواز سے کہا:''مقرر + سے نہیں صرف مستندعلما ہی سے دستخط کرائیے گا''-

اب تو آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ دستار بندی کے موقعوں پرعلمی شخصیتوں کی موجودگی کیوں ضروری ہے،اب رہی عوامی جلسوں کی بات تو چاہے وہ کسی نام سے ہو یہ ایک خو Z رت اورنفع اندوز تجارت ہے ایک خطیررقم جلسہ کرانے والوں کومنافع میں چاہیے- غیرضروری ڈیکوریشن اورآرائش پر،نمائش اورکمیشن کےطور پر پانی کی طرح پیسہ · یا جاتا ہے- چترویدی،لطیفہ باز اورڈائیلاگ بولنے والے مقرر + مدعو کیے جاتے ہیں جواپنی بکواس میں رات گزاردیتے ہیں-صبح کوایک طرف اذان ہورہی ہے اوردوسری طرف پیشہ ورمقرر + کی گاڑی روانہ ہورہی ہے،جس کا کھلی آنکھوں سے عوام نظارہ کررہے ہیں- بے گانے طعنہ زنی اوراپنے افسوس کررہے ہیں- دوسرے روز ہرطرف چرچہ ہے کانفرنس پردولاکھ روپے خرچہ ہوئے اورڈھائی لاکھ روپئے خرچ ہوئے-پچیس ہزار کا مجمع تھا اور پچاس ہزار کا مجمع تھا-لیکن پوچھ دیجیے کہ عوام کوکیا ملا؟ تو جواب ہوگا نغمہ، راگ، لطیفہ، چٹکلا اورقہقہہ- افسوس جو جلسے اصلاح عمل کے لیے ہوتے- آج وہ ذہنی عیاشی کا سامان بن کررہ گئے ہیں-

سوال:-تو پھرآپ کی نظر میں ان نمائشی جلسوں اورایسے پیشہ ورمقرر + کوروکنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

مولانا سیدرکن الد + اصدق:-جودھارا چل پڑا ہے اسے روکا نہیں جاسکتا- ایسے

لوگوں کولگام دینے والی شخصیتیں اب روپوش ہوچکی ہیں اور جو ہیں ان کا ان جلسوں سے مفاد وابستہ ہے- ہماری اور آپ کی یہ باتیں صرف ان ہی لوگوں کو اچھی لگیں گی- جو گہرائی میں اتر کر اس کے نقصانات پر غور کرنے کی کوشش کر , گے- بدقسمتی سے ہمارے سرمایہ داروں کو Ì ان نمائشی جلسوں سے ہی دلچسپی ہے- وہ Ì پائیدار کام نہیں چاہتے، ورنہ ان جلسوں کو بند کر کے ہی قومی سرمائے کے نقصان سے X جاسکتا ہے-

سوال:- ادارہ شرعیہ پٹنہ کے قیام اور اس کے استحکام میں آپ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے دست و بازو رہے- کیا وہ حضرت علامہ کے خوابوں کی تعبیر بن سکا ہے- اگر نہیں تو پھر وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے ادارہ اس مقام تک پہنچ گیا ہے؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:-:-۱۹۷۴ء میں Ì حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے چودہ ماہ غیر ملکی دورے کے نتیجے میں ادارۂ شرعیہ پٹنہ موت کی دہلیز پر پہنچ گیا تھا- ہندوستان واپسی کے ^ اس کی حیات نو کے لیے حضرت علامہ نے قائد ملت حضرت مولانا سید شاہ اسرار الحق شاہجہاں پوری اور مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی رکن علما بورڈ کی مدد سے مجھے پا T لاں ادارۂ شرعیہ لاکر منصب اہتمام پر جز وکل کے اختیار کے ساتھ بٹھایا تھا- اس وقت نہ صرف یہ کہ ادارہ کے اثاثہ میں ایک پھٹے ہوئے توشک اور ایک بے غلاف کی مسند کے سوا کچھ نہ تھا- بلکہ مالی d ان کا یہ حال تھا کہ شروع سال ہونے کے باوجود تیرہ سو روپے قرض میں مجھے ادارہ کا چارج ملا تھا، ادارہ کی صرف پہلی منزل وہ Ì انتہائی خستہ حالت میں تھی- انوار احمد نامی ایک لڑکا صرف دو گھنٹے کے لیے دفتر کھولتا تھا-

چونکہ ادارہ شرعیہ کے قیام کا مقصد حفظ خانہ کی فہرست میں ایک نام کا اضافہ نہیں تھا بلکہ اس کا بنیادی مقصد دار القضاء اور دار الافتاء کا شعبہ تھا- ان دونوں شعبوں کا الگ الگ محکمہ نہیں تھا- میں نے سب سے پہلے ان دونوں کو الگ الگ محکموں میں تقسیم کیا- قاضی شریعت حضرت مولانا فضل کر * فیض پوری علیہ الرحمہ کی تنخواہ کا معقول بندو n کرنے کے ^ انہیں دار القضاء کی مکمل ذمہ داری پر آمادہ کیا- وہ سلیم الفطرت بزرگ تھے- انہوں نے اپنے کمال علمی اور پختہ کاری کی ¯ ء پر جس خلوص کے ساتھ اپنی ذمہ داری نبھائی- اس

کی مثال ادارہ شرعیہ کی تاریخ میں کبھی لوٹ کر نہیں آئے گی-

اس کا دوسرا بنیادی شعبہ دار الافتاء تھا- اس کے لیے حضرت مولانا مفتی عبد الواجد صاحب حامدی سے را , قائم کیا گیا- انہوں نے اس شعبے کی خدمت قبول فرمائی اور لمبے عرصے تک ~ یقۂ احسن اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے اور کسی طرح کی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا- میرے مستعفی ہونے تک وہ ادارہ میں موجود تھے- ان کی علاحدگی کا سبب مجھے نہیں معلوم- ان دونوں شعبوں کے ^ ضرورتاً اور مصلحتاً مدرسہ شرعیہ میں حفظ خانے کا انتظام کیا اور Ûونی طلبہ کی رہائش اور خوراک کا بندو n کیا- پہلی منزل کے تمام کمرے قابل استعمال ¯ دینے کے ^ Ì جگہ ناکافی ہوئی تو میں نے تنہا اپنی کوششوں سے دوسری منزل تعمیر کرائی جس میں حضرت علامہ کا Ì کوئی تعاون شامل نہیں ہے-

حضرت علامہ کے ناچاہتے ہوئے Ì بار بار اصرار کر کے ان سے منظوری حاصل کی اور پندرہ روزہ ''رفاقت'' جاری کیا- اس کے اجراء کے ^ جب تک ادارہ میں رہا الحمد للہ اس کا ایک شمارہ Ì ناغہ نہیں ہونے دیا- حضرت علامہ کو ان راہ کی کٹھنائیاں معلوم تھیں- انہیں گمان تھا کہ رسالہ یہ چلا نہیں پائیں گے، اس لیے انہیں اجازت دینے میں تأمل تھا- فخراً نہیں، تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں اور ملک کے مقتدر علما کو Ì اس کا اعتراف ہے کہ روز قیام سے لے کر اب تک یہ دور ادارہ شرعیہ · رکا سب سے تا ¯ ک دور تھا- اور بلاشبہ حضرت علامہ اور تمام بانیین ادارہ کے خوابوں کی تعبیر کا دور تھا-

آپ کے سوال کا یہ ٹکڑا کہ ''وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے ادارہ اس عبرتناک مقام تک پہنچ گیا ہے-'' اس کا مختصراً جواب یہ ہے کہ ملک کے گیارہ منتخب علما پر مشتمل ادارہ شرعیہ · رکا ایک نگراں علما بورڈ ہوا کرتا تھا- جس کے صدر اور امین شریعت حضرت مولانا شاہ رفاقت حسین اشرفی علیہ الرحمہ تھے- چونکہ دستور اساسی میں یہی ہے کہ جو علما بورڈ کا صدر ہوگا وہی امین شریعت کہلائے گا- نائب صدر حضرت مولانا مفتی انیس عالم صاحب علیہ الرحمہ، اور ناظم عمومی حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ تھے-

ہر تین سال پر علما بورڈ کی نشست ہوا کرتی تھی جس میں ادارہ شرعیہ کی کارکردگی کا

جائزہ لیا جاتا تھا- نئے انتخابات عمل میں آتے تھے اور تجویز , اور منصوبے بروئے کار لائے جاتے تھے- اس موقعہ پر ہمارے تمام معروف اداروں کے ناظمین واساتذہ مدعو کیے جاتے تھے- اور انہیں شریک کار کیا جاتا تھا- تاکہ ان کے اندر ادارے کے تعاون کا احساس جاگے- اور وہ سمجھیں کہ ادارہ شرعیہ شخص واحد کا نہیں پوری جماعت کی امانت ہے- اسی موقعہ پر اجلاس عام Ì منعقد ہوا کرتا تھا- حفظ خانوں کی طرح ہر سال دستار بندی کا جلسہ نہیں ہوتا تھا-

اس کارروائی کا خاطر خواہ فائدہ یہ تھا کہ · ر کے ہر ادارے کے ناظم و مہتمم اور ہر مدرسے کے صدر مدرس و سربراہ خود کو ادارہ شرعیہ سے منسلک جانتے تھے اور ادارے کا ہر پیغام اپنے حدود عمل میں نافذ کرنا اپنے اوپر لازم گردانتے تھے اور اسی باعث ادارے کا نظم و نسق درست تھا، میرے عہد اہتمام میں اس طرح کی تین بار نشستیں منعقد ہوئی تھیں-

آج علما بورڈ کے ارباب حل وعقد گوشہ غریباں میں آرام فرما ہیں- جو بچ رہے ہیں وہ بر طرف ہیں، وہ لوگ جو یہ Ì نہیں جانتے کہ قضائے قاضی کے نفاذ کی کتنی صورتیں ہیں- وہی آج سب کچھ ہیں اس لیے کوئی Ì بڑا عالم ادارہ کی مرکزیت تسلیم کرنے پر راضی نہیں ہے- اور آج کسی کے دل میں ادارہ کے لیے ہمدردانہ جذبات نہیں پائے جاتے- · ر کے ہزاروں اداروں میں ایک نام ادارہ شرعیہ کا Ì ہو کر رہ گیا ہے-

سوال:- آپ اس ادارہ کے انتظام وانصرام میں شریک رہے اور اس کے ترجمان پندرہ روزہ ''رفاقت'' کے مدیر مسئول Ì رہے پھر وہاں سے دست بردار ہونے کی کوئی خاص وجہ؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:-:- یہ سوال کر کے آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے- اس وقت میں ''گو*مشکل وگرنہ گو*مشکل'' کے دوراہے پر کھڑا ہوں اگر وجہ صاف صاف Ò ن کرتا ہوں تو بہتوں کو تکلیف ہوگی اور خاموشی اختیار کرتا ہوں تو سچائی کو چھپانے کا الزام میرے سر آئے گا-

دراصل ایسا ہے کہ کچھ لوگ ''نہ خود خورد، نہ کسے دہد'' کے قائل ہوتے ہیں، خود Ì کچھ

کرنا نہیں چاہتے اور کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھنا Ì پسند نہیں کرتے، ایسے ہی لوگ میرے استعفیٰ کا باعث ¶ ، آپ کے دادا بزرگوار جہاں بے شمار خوÇں کے مالک تھے وہیں ان کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ جس نے جو کہہ دیا اس پر یقین کر لیا کرتے تھے، ذاتی طور پر Ì آپ کو اس کا تجربہ ہوگا- اسی لیے چمچہ گیری کرنے والے لوگ اپنی اوقات سے زیادہ ان سے فائدہ اٹھا لیا کرتے تھے- میرے ہوتے ہوئے جن لوگوں کی ادارہ شرعیہ میں دال نہیں گل سکتی تھی انہوں نے میرے خلاف ایک متحدہ محاذ ¯ لیا اور حضرت علامہ کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر کچھ الزامات میرے خلاف تراشے جن کی تفصیلات اس وقت نا مناسب ہیں-

نومبر ۱۹۸۳ء میں امین شریعت دوم اور صدر اعلیٰ کے انتخاب کے لیے جو علما بورڈ کی نشست ہوئی تھی اور جس میں · ر کے تمام اہم مدارس کے نمائندگان موجود تھے- ان لوگوں نے ان الزامات کو خوب اچھالا جس کا میری طرف سے دفاع میں کافی وشافی جواب حضرت مولانا محمد شبنم کمالی، حضرت مولانا مفتی عبدالجلیل مدھو µ اور حضرت مولانا محبوب رضا جیسے متد + علما نے دیا اور سارے الزامات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے- آخر میں Ò ن صفائی دینے کے ^ میں نے اپنے استعفیٰ کا اعلان کر دیا-

اگر چہ میرا یہ استعفیٰ نہایت دھماکہ خیز ثابت ہوا اور استعفیٰ کی واپسی کے لیے [1] سارے جتن کیے گئے، مگر میں اپنے فیصلے پر قائم رہا- کیونکہ میں نے جس خلوص، للہیت اور بے نفسی کے ساتھ ادارہ کی دس سالہ خدمات انجام دی تھیں، اس کا یہ صلہ نہیں تھا- ''رفاقت'' میں نے اپنے بل بوتے پر جاری کیا- مالیات کی فراہمی سے لے کر اس کی تمام ذمہ داریاں اپنے دوش ناتواں پر اٹھائیں- اور کبھی اس کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا- پھر Ì ان معاملات میں ذمہ داران کا پہلو تہی کرنا اور بدخواہوں کی باتوں پر کان دھرنا میرے لیے نا قابل برداشت تھا-

سوال:- کیا وجہ ہے کہ ادارہ شرعیہ میں قابل قدر علمی شخصیتیں نہیں رکتیں؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:-:- قابل قدر علمی شخصیتوں کے لیے صرف موٹی تنخواہ

اور عمدہ کھانا ہی کافی نہیں ہے، ان کے وقار و تمکنت کے لائق دوسرے انتظامات Ì ضروری ہیں- ان کے فقدان کی صورت میں ان کا رکنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے- مثلاً باوقار عالم ہر کس و ناکس کی حکمرانی برداشت نہیں کرسکتا-

سوال:- حضرت علامہ کے رفیق اور معتمد خاص ہونے کی حیثیت سے کیا آپ Cئیں گے کہ ان کا طریقۂ دعوت و تبلیغ کیا تھا؟ اور وہ جماعت کے لیے تعمیری کام کس نہج سے کرتے تھے تاکہ نئی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہو؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:- حضرت علامہ مرحوم کا ایک خاص مزاج تھا- وہ عزیز و اقارب کی دعوت پر کہیں تشریف لے جاتے یا جلسہ و جلوس میں مدعو ہوکر کہیں پہنچتے تو وہاں کے ماحول کا جائزہ لیتے، اپنے لوگوں کے اعداد و شمار معلوم کرتے اور انہیں متحد و منظّم رکھنے اور دیگر افراد کو اپنے قریب لانے کے لیے کسی مدرسہ یا مسجد کی داغ â ڈال دیتے اور کسی عالم کا انتخاب کرکے نہ صرف اس جگہ پر بھیج دیتے بلکہ اس کی کارگزار- ں کی خبر Ì لیتے رہتے، ہر روز جماعتی کام آگے بڑھانے کے لیے نئی نئی راہیں اسے دکھاتے رہتے- وہ کسی اہم اور غیر مانوس مقام پر پہنچنے کے ^ صرف گھن گرج کی تقریر کردینے کے ^ واپس لوٹ جانے کے قائل نہ تھے- وہ اپنے ذہن و فکر سے ہم آہنگ لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے- اور انہیں اپنی ایک الگ شاخ¯ نے پر آمادہ کرتے- اشاعت سنیت کے لیے ان کی یہ کوششیں نہایت کارآمد ثابت ہوتیں- اور سچی بات یہ ہے کہ ان ساری کارروائیوں کے پیچھے مسلکی مفاد کے سوا ان کا کوئی ذاتی مفاد نہ ہوتا-

سوال:- تحریر و صحافت کی بہ نسبت اہل سنت نے ہمیشہ عوامی جلسہ و جلوس کو اہمیت دی- ماضی میں Ì ہمیں دوسرے مکاتب فکر کے مقا » میں اپنے لٹریچر کی کمی کا احساس رہا اور اب Ì ہے- اس کا ذمہ دار آپ کس کو مانتے ہیں؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:- بلاشبہ تحریر و صحافت کے میدان میں دوسرے لوگ کل Ì ہم سے آگے تھے اور آج Ì ہیں- خواص تحریر و صحافت کو پسند کرتے ہیں اور عوام جلسہ و جلوس کے شیدائی ہیں- دوسروں نے خواص کو نظر میں رکھ کر قدم اٹھایا اور اپنوں نے

عوام کی بھیڑ کو ساتھ لے کر چلنا پسند کیا- جس کا نقصان دہ پہلو یہ سامنے آیا کہ تمام سرکاری اور نیم سرکاری محکموں میں آج غیروں کے ہمنوا دیکھے جارہے ہیں اور ہر طرف ان کے لیے آسانیاں نظر آرہی ہیں- اس حد تک کہ وہ تمام اقلیتی اداروں پر اپنی اجارہ داری سمجھنے لگے ہیں اور آج ہم جماعتی مشن کے لیے جو قدم Ì اٹھاتے ہیں ہمارے سامنے مشکلات آکھڑی ہوتی ہیں-

آپ ہماری جسارت معاف فرمائیں تو میں یہ عرض کروں کہ لاکلام ہمارے اگلوں سے یہ Èل ہوئی کہ انہوں نے قابل اعتراض کتابوں کا صرف رد لکھ دینے کے ^ یہ تکیہ کر بیٹھے کہ ہم تحریری ذمہ دار- ں سے عہدہ برآ ہوگئے اور ایسی تمام اصناف تحریر سے گریز فرمایا جس کے ذریعہ دانشوروں کا دل جیتا جاسکتا تھا- اور انہیں اپنے سے قریب لاکر اپنے کام کا آدمی¯ یا جاسکتا تھا- اگر کچھ کارآمد کتابیں اپنے بزرگوں کی تھیں Ì تو وہ ہر شہر اور ہر کتب خانے میں دستیاب نہیں تھیں- کیونکہ دور دور تک سنی مکتبے اور کتب خانوں کا پتہ نہیں تھا- اب جب کہ قرطاس و قلم لے کر کچھ لوگ میدان عمل میں اترے ہیں اور جگہ جگہ اپنے کتب خانوں کا انتظام کیا ہے- تو 1 دیر ہوچکی ہے پھر Ì اس کا 1 کچھ فائدہ سامنے آرہا ہے-

سوال:- ہمارے یہاں ایک عام بات دیکھنے میں یہ آتی ہے کہ ہمارے اکابر + و مشاہر + اپنے پیچھے اپنا کوئی نعم البدل اور علمی و فکری جانشین چھوڑ کر نہیں جاتے، جب کہ دوسری جگہوں پر اس کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے- اسباب کیا ہیں؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:- مثل مشہور ہے کہ ''گھر چراغ تو مسجد چراغ'' مگر ہمارے اکابر + قوم کے درد میں کچھ اس طرح غرق ہوئے کہ گھر ہی کی خبر نہیں رہی- یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں میں جیسے جیسے مایۂ ناز علما پیدا کیے- فرزندوں میں ان خوÇں کے حاملین پیدا نہ ہوسکے- الا ماشاءاللہ! کچھ تو بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی نسبت نے انہیں آزادی کی راہ دکھائی اور کچھ شفقت پدری نے ڈھیل دی، نتیجہ جو کچھ سامنے آیا وہ سب کو معلوم ہے-

اب رہے مشاہر + تو ان کی تو بات ہی نہ کیجئے، ان کے گرد دولت اس قدر سمٹ آئی

کہ انہوں نے اپنے فرزندوں کے لیے یہ راہ پسند ہی نہ کی- وہ اپنے فرزندوں کو دولتوں کے انبار پر بٹھانے کی فکر میں ہمیشہ غلطاں نظر آئے، گویا دلق اویسی پر تاج سلطانی کی طلب غالب آ گئی-

سوال:-(۱۰) ماہنامہ ''جام نور'' اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

مولانا سید رکن الد + اصدق:-''جام نور'' جب کلکتہ سے آپ کے دادا بزرگوار کی ادارت میں نکلتا تھا تو اس کا ایک الگ رنگ تھا، ہندو پاک میں دیابنہ اس وقت سواد اعظم سے مغلوب تھے، اس لیے وہ طرح طرح کے فتنے جگا کر امت کو ورغلایا کرتے تھے اور حضرت علامہ کا خاراشگاف قلم ''جام نور'' کے صفحات پر اس کا دندان شکن جواب دیا کرتا تھا- اور آج اسلام دشمن طاقتیں نئے نئے چولے بدل کر سامنے آ رہی ہیں تو آپ کی ادارت میں دہلی سے نکلنے والا یہ ''جام نور'' قوم کو ان کے خطرات سے متنبہ کر رہا ہے- لہٰذا قوم کو اس وقت ملت کے اس ترجمان کی اشد ضرورت ہے، اس لیے قوم کو چاہیے کہ اس رسالہ کی زندگی کے لیے ہر ممکن تعاون فرمائیں- مولیٰ تبارک و تعالیٰ آپ کے علم و عمر میں برکتیں عطا فرمائے-□□□

(شمارہ دسمبر ۲۰۰۴ء)

مولانا شاکر علی نوری

امیر ''سنی دعوت اسلامی''، ممبئی

مولانا شاکر علی نوری (عمر: ۴۵ سال) جونا گڑھ کاٹھیاواڑ گجرات میں پیدا ہوئے- میٹرک تک کی تعلیم جونا گڑھ میں حاصل کی، پھر مدرسہ عرفان العلوم اپلیٹہ اور دار العلوم مسکینیہ دھوراجی میں حفظ قرآن کیا اور تجوید و ترتیل کی تعلیم پائی- پھر دار العلوم محمدیہ مینارہ مسجد ممبئی میں دا 4 ہوئے اور درس نظامیہ کی جماعت خامسہ تک تعلیم حاصل کی- آپ کے اساتذہ میں مولانا ظہیر الد + قادری، مولانا مجیب الرحمٰن قادری اور مولانا حنیف خاں اعظمی مبارک پوری کے نام شامل ہیں- مولانا سید حامد اشرف علیہ الرحمہ سے اَ استفادہ کیا- مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری علیہ الرحمہ سے شرف بیعت ہے، جب کہ خلافت مولانا اختر رضا خاں ازہری اور سجادہ نشیں آستانہ قادریہ ; ادسے حاصل ہے- موصوف دینی تعلیم سے فراغت کے ساتھ ہی دعوت و تبلیغ سے وابستہ ہو گئے تھے، نہایت د + دار اور پابند سنت ہیں- دعوت و اصلاح کی غرض سے ۱۹۹۲ء میں عالم گیر اصلاحی و دعوتی تحریک ''سنی دعوت اسلامی'' کو قائم کیا جو 1 جلد مقبول ہو گئی، ہندوستان کے علاوہ برطانیہ، کناڈا اور امریکی و افریقی ممالک میں اس کے بینر تلے اچھا کام ہو رہا ہے- ہندوستان ،امریکہ اور برطانیہ میں اس کے عظیم الشان سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں- آزاد میدان ممبئی میں ہر سال تقریباً ۵/لاکھ فرزندان توحید کا مجمع ہوتا ہے- مولانا تعلیم د + کو عام کرنے کے لیے ایک سو گیارہ مدارس قائم کرنے کا عزم رکھتے ہیں جب کہ اب تک ایسے ۲۵/مدارس /اسکول قائم ہو چکے ہیں- مولانا کے منصوبوں میں انگلش میڈ * اسکول اور ہاسپٹل کا قیام اَ شامل ہے- تصنیف و تالیف سے اَ آپ کا رشتہ ہے، جس کے نتیجے میں اب تک کئی اصلاحی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں-

سوال:- 'دعوت' کا مفہوم کیا ہے اور اس کے تقا 2 کیا ہیں؟

مولانا شاکر نوری:- داعی جس عقیدہ پر خود قائم ہو اس کی طرف حکمت وموعظت کے ساتھ بلانا دعوت ہے- بلانا اسی وقت ممکن ہے جب داعی کو اس عقیدے کے حوالے سے یقین کامل ہو کہ یہی صحیح ہے اور اس عقیدے کے تعلق سے دلائل وبراہین سے آ واقف ہو- قرآن پاک میں ہے کہ تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں سے فرماتے ہیں "**وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ**" دوسرے مقام پر قرآن مقدس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں سے -ں خطاب کرنے کے لیے فرمایا گیا "**قل ھذہ سبیلی ادعو الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی**" لہٰذا داعی جب تک اپنے عقائد پر صدفی صد یقین نہ رکھتا ہو دعوت کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے- آج عقیدہ توحید ورسالت وآخرت کے حوالے سے کما حقہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان کو بھٹکنے میں دیر نہیں لگتی- جہاں تک دعوت کے تقا 2 کا معاملہ ہے تو عرض ہے کہ داعی اعظم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ لوگوں کو دعوت الی اللہ پیش فرمائی اس وقت لوگوں نے حضور سے دلیل طلب کی تھی- اس وقت نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اسے قرآن نے -ں Ô ن کیا ہے: **فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون**" لہٰذا جب تک ہمارا وجود ہماری دعوت کا نمونہ نہ ہو جائے ہم بحیثیت داعی کامیاب نہیں ہو سکتے- دعوت کا پہلا تقاضا ہے اپنے وجود کو دعوت کا عملی نمونہ ¯نا- اس کے علاوہ آ دعوت کے تقا 2 ہیں- مثلاً علمی تقا 2 ،فکری تقا 2 اور عملی تقا 2 - اور یہ سب اس وقت مکمل ہو سکتے ہیں جب ہم قرآن وسنت اور اس کے صحیح پیروکاروں سے را , مضبوط کرلیں- اور سب سے اہم تقاضا تو یہ ہے کہ ہم بغیر کسی طمع کے لوگوں کو حق کی طرف بلائیں، دعوت میں اخلاص وللّٰہیت موجود ہو، حرص وطمع اور کوئی دنیوی مقصد پیش نظر نہ ہو-

سوال:- پیری مریدی اور دینی وتعلیمی اداروں کی کثرت کے باوجود 'دعوت وتبلیغ' کا کام ہماری بے توجہی کا شکار کیوں ہے؟

مولانا شاکر نوری:- میرے نزدیک پیری مریدی اور دینی وتعلیمی ادارے ہی دعوت الی اللہ کے سب سے موثر ذرائع ہیں- لیکن اسے صحیح طور پر انجام دینا چاہیے- مثلاً سرکار حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ پیر کامل تھے، آپ نے پیری مریدی کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کو نمازی اور شریعت کا پابند اور عقیدہ حقہ کا عامل ¯یا، ان کا جلال وجمال سب کچھ اللہ کے لیے تھا- وہ د + کو جانتے تھے اور اس کی تعریف سے آشنا تھے، آپ کو معلوم تھا کہ د + "خیر خواہی" کا نام ہے- شب وروز پریشان حال انسانوں کو تعویذ آ دیتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو شریعت وسنت کی پابندی کی دعوت آ دیتے- کوئی ضرورت مند خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو حضرت تک رسائی آ ممکن تھی اور اس کی مراد آ پوری ہوتی تھی- ان کی نصیحت ودعوت اس لیے موثر تھی کہ وہ خود فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کے پابند تھے- پیرانہ سالی کے باوجود جب نماز باجماعت کے لیے مسجد کی طرف نکلتے تو a بوڑھے جوان سب حضرت کی اقتدا میں اللہ کے گھر کی طرف چل پڑتے- اہتمام نماز کا یہ عالم تھا کہ "**خذوا زینتکم عند کل مسجد**" پر عمل کرتے ہوئے ہر نماز کے لیے دولھے کی طرح تیار ہوتے دکھا بس اسی طرز عمل کے اِحیا کی ضرورت ہے- جہاں تک تعلیمی اداروں کی بات ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے انداز درس وتدریس اور طریقہ تربیت کو اپنانے کی ضرورت ہے- حضور حافظ ملت کے سینکڑوں شاگرد دنیا کے کونے کونے میں دعوت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، وجہ یہ ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور راہ خدا میں آنے والی تکالیف پر صبر واستقامت کی تعلیم آ دیتے تھے- آپ کی زندگی کو آئیڈیل ¯لیا جائے تو ان شاء اللہ پھر اہل سنت کا بول بالا ہوگا- ساتھ ہی ساتھ ایک کامیاب داعی بننے کے لیے مبلغ اسلام خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی آ ہمارے لیے عظیم نمونہ ہے- وہ انتظار نہیں کرتے تھے کوئی ان کو اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے بلائے اور انتظامات کرے بلکہ آپ نے خود دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور دعوت کا وہ فریضہ انجام دیا کہ آپ کے اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں پر ۷۰ ہزار سے

زائدلوگوں نے اسلام قبول کیا-آج اسی جذبے کی ضرورت ہے-ہم اپنی اصلاح کر , اور ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلیں ان شاءاللہ ہر طرف اسلام وسنیت کے جلوے نظر آئیں گے-ان شاءاللہ

سوال:-دعوت کے عمل اور تردید وتنقید کے عمل میں کیا فرق ہے؟

مولانا شاکر نوری:-دعوت کے عمل میں تردید وتنقید کا عمل اَ ضروری ہے،اس لیے کہ جب داعی کسی کو اسلام کی دعوت پیش کرے گا اور مدعو اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوگا تو داعی کلمہ طیب پڑھا کر دا 4 اسلام کرے گا-اس کلمہ میں معبودان باطل کی تردید ہے اور اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار،کیا رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معبودان باطل کا رد اور ان کے نافع نہ ہونے پر تنقید نہیں فرمائی؟ہاں!اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ دعوت میں درد ہو،اخلاص ہو،تردید وتنقید فکر واعتقاد کی اصلاح کے لیے ہو،تخریب کے لیے نہیں-اس راہ میں مجادلہ اور مباحثہ تو ہونا ہی ہے لیکن جدال احسن کے حکم پر عمل ضروری ہے،تبھی نتیجہ احسن ہوگا-

سوال:- فاسق وفاجر،بدعقیدہ وگمراہ اور کافر ومشرک تک اپنی بات پہنچانے کا حکیمانہ طریقہ کیا ہے؟اگر داعی ان سے ملاقات کو یکسر مسترد کرتا ہو تو وہ فریضۂ دعوت کیوں کر ادا کرسکتا ہے؟

مولانا شاکر نوری:-فاسق وفاجر کو عام مبلغین دعوت دے سکتے ہیں لیکن بدعقیدہ اور کافر ومشرک تک اسلام کی بات پہنچانے کا فریضہ وہی علما انجام دے سکتے ہیں جو اپنے مذہب پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ کفار ومشرکین اور بدمذہبوں کے اعتراضات کا کماحقہ جواب دے سکیں-

سوال:-''سنی دعوت اسلامی'' کا قیام کب اور کن حالات میں عمل میں آیا؟

مولانا شاکر نوری:-سنی دعوت اسلامی کا قیام ۵؍ستمبر ۱۹۹۲ء بروز سنیچر ممبئی میں ہوا-

سوال:-''سنی دعوت اسلامی'' کے بنیادی،فکری،اعتقادی اور عملی اصول کیا ہیں، جن پر اس کی عمارت قائم ہے؟

مولانا شاکر نوری:-تحریک کے قیام کے چند ماہ ^ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی ممبئی تشریف لائے تھے-ان دونوں علمائے کرام کی بارگاہ میں میں نے معروضہ پیش کیا کہ تحریک کے لیے آپ حضرات کوئی دستورالعمل تحریر فرماد , تاکہ ہم انہیں خطوط پر دعوت کا کام کرسکیں-تو انہوں نے درج ذیل خطوط متعین کیے-

☆فکری وعملی سطح پر مسلکِ اہل سنت کی ترویج واشاعت اس تحریک کا بنیادی نصب العین ہے اور یہ تحریک انہیں خطوط پر کام کررہی ہے اور ان شاءاللہ تعالیٰ کرتی رہے گی،جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابۂ کرام،تابعین کرام،ائمۂ کرام، سیدنا غوث الثقلین اور خواجہ غریب نواز اور حضور اعلیٰ حضرت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے متعین فرمائے ہیں-اسی کے نتیجہ میں یہ تحریک اس امر کی پابند ہے اور رہے گی کہ ہر حال میں وہ اپنے جماعتی امتیازات اور مسلکی شناخت کو برقرار رکھے گی-

☆عقائد واعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اس تحریک کے قیام کا بڑا مقصد علمائے اہل سنت اور مدارس اہل سنت سے عوام کو مربوط رکھنا،تعلیمی واخلاقی پسماندگی کو دور کرنا، سماجی وفلاحی کاموں کے ذریعہ اُمت مسلمہ کی پریشانیوں کو ختم کرنا اور ہر اس تحریک کو ناکام ¯ نا ہے جو کسی ذات خاص کو مرشد انام اور مرجع خلائق ¯ نے کے لیے علما ومدارس کے خلاف چلائی جائے-

سوال:- مختلف شہروں میں ‰ اوقات تحریک دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کے کارکنان عمل دعوت وارشاد کی O ئے باہم دست وگریباں ہوجاتے ہیں،جب کہ جماعت کے ارباب حل وعقد دونوں تحریکوں کو اہل سنت کی تحریک سمجھتے ہیں،آخر کارکنان کی اصلاح کے لیے اوپر سے احکام کیوں نہیں جاری ہوتے؟

مولانا شاکر نوری:-ایسا نہیں ہونا چاہیے،ہم کسی مبلغ یا کارکن کو باہم دست وگریباں ہونے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ آج جام نور کے ذریعہ پھر جملہ مبلغین سُنی دعوت اسلامی کو حکم دیتے ہیں کہ باہم الجھنے سے گریز کر , اور اپنے مقصد پر نظر رکھیں-

سوال:- ''سنی دعوت اسلامی'' کو اپنے کاز میں سب سے زیادہ رکاوٹ کن چیزوں سے ہے، کیا خارجی یا داخلی سطح پر واقعی کچھ ایسی رکاوٹیں ہیں جن کو ختم کیا جانا ضروری ہے؟

مولانا شاکر نوری:-تحریک کے کاز میں سب سے بڑی رکاوٹ افراد کی قلت ہے-اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے-اس لیے کہ ہم خیال و ہم فکر ساتھی کا ملنا بڑے نصیب کی بات ہے-ویسے افراد سازی کی کوشش جاری ہے لیکن چونکہ ملک وبیرونِ ملک میں تحریک کا تعارف و تنظیم نیز تصنیف و تالیف، تعمیری کاموں کی مصروفیت کی وجہ سے اس کام میں خاطر خواہ وقت نہیں دے پاتے لیکن اب تربیت یافتہ چند ساتھی تیار ہو چکے ہیں-اس لیے امید ہے کہ درپیش رکاوٹیں جلد ہی ختم ہو جائیں گی-ان شاء اللہ-

سوال:- ''تحریک دعوت اسلامی'' جو ایک زمانے تک ٹیلی ویژن کے استعمال کے خلاف رہی مگر حالات کے پیش نظر اب نہ صرف وہ اس کے جواز کے قائل ہے بلکہ اب اس کا مدنی چینل آ شروع ہو چکا ہے، کیا سنی دعوت اسلامی آ اس سمت میں کچھ سوچ رہی ہے؟

مولانا شاکر نوری:-فی الحال اس سمت میں کچھ ارادہ نہیں ہے-

سوال:- تبلیغی جماعت نے اصلاح عمل کے نام پر جو فکری بے اعتدالیاں پیدا کیں اس کی روک تھام میں سنی دعوت اسلامی کس حد تک کامیاب ہو سکی ہے؟

مولانا شاکر نوری:-تبلیغی جماعت نے چھے باتوں میں لوگوں کو قید کر رکھا تھا-تحریک نے اس سے لوگوں کو آزاد کرایا اور یہ C نے کی 1/2پور کوشش کی کہ اسلام صرف چھے باتوں میں محدود نہیں ہے بلکہ اسلام ہر شعبے میں اپنی حکومت و برتری چاہتا ہے-الحمد للہ! تحریک اس بات کو سمجھانے میں کسی حد تک کامیاب ہوئی ہے-

سوال:- ''سنی دعوت اسلامی'' ایک علمی و دعوتی مجلہ ''سنی دعوت اسلامی'' آ شائع کر رہی ہے جس کا ''دعوت نمبر'' سال گزشتہ شائع ہوا-سوال ہے کہ علمی سطح پر، خاص طور پر ہندی اور انگریزی دنیا تک اپنی بات پہنچانے کے لیے ''تحریک'' کیا کر رہی ہے یا مستقبل میں اس کے کیا پروگرام ہیں؟

مولانا شاکر نوری:-الحمد للہ! علمی سطح پر اب تحریک کے پلیٹ فارم سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں وہ بہ یک وقت اردو، ہندی اور انگلش زبانوں میں طبع ہوتی ہیں، اب تک دو درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں-عنقریب ایک نہایت اہم کتاب ''آیات جہاد کا قرآنی مفہوم'' (تصنیف علامہ یسین اختر مصباحی) انگلش میں شائع ہوگی، ترجمہ ہو چکا ہے، پروف کا کام چل رہا ہے-اسی طرح انگریزی میں ہمارے برطانیہ اور کنیڈا کے مبلغین کے Ôنات کی MP3 آ منظر عام پر آ چکی ہے جس کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچانے کا انتظام کیا جا رہا ہے-مزید کے لیے دعا اور مشورے کا طلب گار ہوں-ساتھ ہی اب تک چار انگلش میڈ * اسکول مع اسلامک اسڈیز قائم کیا جا چکا ہے-جہاں ہزاروں طلبہ عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کے ز-ر سے آراستہ ہو رہے ہیں-اور تحریک کے زیر اہتمام اب تک ۲۵/ دینی ادارے قائم ہو چکے ہیں جہاں درس و تدریس اور انگلش و کمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے-

سوال:- آپ کی نظر میں مسلموں اور غیر مسلموں میں دعوت کے جدید تقا 2 اور ذرائع کیا ہیں، جن کی طرف اب تک توجہ نہیں دی جا سکی ہے؟

مولانا شاکر نوری:-میری نظر میں مسلموں اور غیر مسلموں میں دعوت کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کی خوÇں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمتوں کو اجاگر کیا جائے-آج ہمیں شخصیات کے ساتھ ساتھ اسلام کی عظمتوں کو اجاگر کرنے والی کتابیں لکھنے اور سی ڈیز تیار کرنے کی ضرورت ہے-تا کہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا جواب ہو سکے اور اصلی اسلام کو لوگ سمجھ سکیں-

سوال:-ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

مولانا شاکر نوری:-رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **بادروا بالاعمال الصالحةفتكون فتن كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمناً و يمسى كافراً ويمسى مؤمناً ويصبح كافراً يبيع دينه بعرض من الدنيا-**
(صحیح مسلم: کتاب الایمان)

ترجمہ: نیک عمل میں جلدی کرو، اس لیے کہ بڑے بڑے فتنے آنے والے ہیں، ایسے فتنے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے، صبح کو آدمی مومن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر، اپنے د + کو تھوڑے سے دنیاوی سامان کے بدلے میں Ô ڈالے گا-

اللہ اکبر! آج فتنے کا وہی دور ہے اور یہ فتنے اندھیری رات کے ٹکڑے کی طرح ظاہر ہو رہے ہیں- آدمی سوچتا ہے کہ آنے والا کل آج سے بہتر ہوگا لیکن رات کے پہلے حصّے سے ^ والا حصہ زیادہ تاریک ہوتا ہے- ویسے ہی آنے والا کل آج سے خراب ہی ہوگا- لہٰذا نیک کام کرنے میں اب تاخیر مت کرو · نے نہ ¯ وَ- شیطانی وسوسوں کا شکار مت ہو جاؤ، ٹال مٹول مت کرو یہ نہ سوچو کہ ا Ï تو ہماری عمر ہی کیا ہے؟ ا Ï جوان ہیں- یہ سب شیطانی دھوکہ ہے- آج بدعقیدگی کا سیلاب اور اس کی چمک دمک کے سامنے بندہ مرعوب ہو جاتا ہے اور غلط عقائد و نظریات کو قبول کر لیتا ہے- یہ Èل جاتا ہے کہ اسلاف کی میراث کیا ہے؟ حق کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ خلیجی ممالک دنیا کمانے جاتے ہیں اور د + بگاڑ کر آ جاتے ہیں- حلال و حرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے- الّا ماشاء اللّٰہ- کیا آج کے دور میں یہ سوچ نہیں بن گئی ہے کہ سب چلتا ہے- نہیں نہیں سب نہیں چلتا بلکہ وہی چلے گا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چلایا ہے- اس لیے گزارش ہے کہ ہم اپنی فکر کر , ، آخرت کی تیاری کر , ، کسی Ï نیک کام کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑ , نہیں اور کسی چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر نہ کر , - اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فمن یعمل مثقال ذرۃٍ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شراً یرہ**-

آج کے مسا " کے دور میں ہم کہاں کھڑے ہیں؟ تعلیمی میدان سے لے کر تعمیری میدان تک اور سماجی خدمات سے لے کر سیاسی معاملات تک، اس کا احتساب ضروری ہے- کاش کہ ہم قرآن مقدس کی اس آیت پر عمل پیرا ہوتے "**فاستبقوا الخیرات**"- تو یقیناً دنیا مقتدی ہوتی اور ہم امام ہوتے- آج ہمارے اندر منصوبہ بندی کی ضرورت ہے- صبر و ضبط کی ضرورت ہے، خیر خواہی کے جذبے کی ضرورت ہے، اور خاص طور پر جذبۂ اخلاص و ایثار کی ضرورت ہے- مخلوق خدا کی خدمت ضروری سمجھیں- حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی امت کے غموں کا ازالہ کر , نہ کہ اس میں اضافہ- اور اپنے ایمان کی فکر کر , - اپنی اولاد کی ایمان کی فکر کر , - ان شاء اللہ سنہرا دور پھر سے آئے گا اور دار + میں سرخروئی نصیب ہوگی-

عصر حاضر میں دارالعلوم کے ساتھ ساتھ انگلش میڈ * اسکول (جن میں اسلامی تعلیمات کا معقول بندو n ہو) کا قیام Ï ضروری ہے تا کہ مڈل اور اَپر کلاس کے لوگوں تک Ï اسلام و سنیت پہنچ سکے اور ساتھ ہی ساتھ معیاری اسپتال کا قیام Ï ضروری ہے تا کہ علاج و معالجہ کے ذریعہ کسی حد تک مخلوقِ خدا کی خدمت Ï ہو- اور ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو قدرتی آفات کے مواقع پر امداد رسانی کا کام کر , - دراصل ان تینوں شعبوں میں خلا ہونے کی وجہ سے آج ہم مسلکی طور پر کما حقہ متأثر نہیں کر پاتے ہیں- میں اپنا واقعہ آپ کو Cؤں کہ گجرات کے کچھ کی سرزمین پر جب زلزلہ آیا تھا اس کے ۲۴ر گھنٹے ^ ہم اپنے رفقا کے ساتھ وہاں کا جائزہ لینے اور امداد رسانی کی غرض سے جب وہاں پہنچے تو ہم سے پہلے کئی جماعتوں کے کیمپ لگ چکے تھے- ظاہر سی بات ہے جو مصیبت میں کام آئے گا لوگ اس کے ہم خیال ہو جائیں گے- الا ماشاءاللہ- اس وقت ہم نے یہ محسوس کیا کہ یہ شعبہ 1 ضروری ہے- اس سے متعلق عوام اہل سنت کو پیش قدمی کرنی چاہیے- آج عصری علوم کے سلسلے میں البرکات انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کو نمونۂ عمل ¯ یا جا سکتا ہے اور پیر طریقت حضور امینِ ملت اور حضرت اشرفِ ملت سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اور دیگر شعبوں میں جماعتِ اہل سنت کے دانشوران اور نوجوان پیش قدمی کر , تو بہتر ہوگا- اِن تینوں شعبوں میں اس چیز کا خیال رکھا جائے کہ مسلکِ حقہ کا فروغ اور اس کا عامل ¯ نا Ï مقصود ہو- اخیر میں عرض ہے کہ اس فقیر کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر عطا فرمائے-□□□

(شمارہ نومبر ۲۰۰۹ء)

ڈاکٹر سید شمیم احمد منعمی

سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ قمریہ وصدر شعبۂ عربی اورینٹل کالج، پٹنہ

حضرت مخدوم شاہ محمد منعم پاک باز (م: ۱۱۸۵ھ) بارہو , صدی ہجری کے عظیم عالم ربانی، عارف حقانی اور شیخ ہمہ عالم گزرے ہیں- ان کا آستانہ فیض شہر پٹنہ کے محلّہ متین گھاٹ میں صد-س سے مرجع خلائق ہے- یہ آستانہ دینی ،روحانی اور تاریخی ہونے کے ساتھ اپنی علمی روایت Ì رکھتا ہے، چنانچہ آستانے کے کتب خانے میں ۱۶ہزار مطبوعات اور پانچ سو سے زائد قیمتی مخطوطے ہیں- ڈاکٹر سید شاہ شمیم احمد منعمی اسی مقدس آستانے کے متولی وسجادہ نشین اور اس کی دینی وعلمی روایتوں کے امین ہیں- موصوف نے دینیات کی تعلیم خانقاہ میں اپنے بزرگوں اور مختلف اساتذہ سے حاصل کی، پھر عصری تعلیم سے وابستہ ہوئے، آپ ا* اے کی تین اسناد رکھتے ہیں، ایک عربی میں، دوسری فارسی میں اور تیسری قد* ہندوستانی تاریخ اور آرکیالوجی میں- لائبریری اور قانون کی اسناد سے Ì سرفراز ہیں، کچھ دنوں محکمۂ آثار قدیمہ سے وابستہ رہے، پھر پٹنہ - نیورسٹی میں فیلو رہے اور ۱۹۹۷ء سے اورینٹل کالج پٹنہ کے شعبۂ عربی میں ہیں، اس وقت صدر شعبہ ہیں- آپ علمی، روحانی، فکری اور ادبی شخصیت کے حامل ہیں- شگفتگی، شائستہ Oنی اور تحقیقی انداز آپ کی تحریر وتقریر کی خصوصیات ہیں- ان خصوصیات کی وجہ سے ملک کے مختلف مذہبی ،ادبی، روحانی اور ملی کانفرنسوں، سیمیناروں اور جلسوں میں کثرت سے مدعو کیے جاتے ہیں- تصوف آپ کا خاص میدان ہے، ۹/۱۱ کے ^ اسلام کو جس طرح بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ایسے میں ضروری ہوگیا ہے کہ اسلام کی صحیح تعبیر یعنی صوفی اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، جس کے لیے آپ مختلف پلیٹ فارم سے کوشش کررہے ہیں-

سوال :- عصر حاضر کی آزاد فکر، تصوف کو اسلامی تاریخ کی ایک بدعت یا عجمی روایت کے طور پر دیکھتی ہے، آپ کیا کہتے ہیں؟

سید شمیم احمد منعمی :- عصر حاضر کی آزاد فکر اگر تصوف کو اسلامی تاریخ کی ایک بدعت یا عجمی روایت کے طور پر دیکھتی ہے تو اس میں حیرت کیا ہے؟ وہ تو اب فقہ اسلامی اور فقہاے اسلام کو Ì حرف غلط کی طرح مٹانے پر مصر ہے- آزاد فکر کی ایک اور زرد موشگافی حدیث و سنت کی تشریعی حیثیت کو ماننے سے انکار کرچکی ہے اور عصر حاضر کی آزاد فکر تو اسلامی شریعت کو Ì قابل ترمیم سمجھتی ہے- نعوذ باللہ من ذلک

تاریخ اسلامی وشخصیات اسلامی کا مطالعہ روز روشن کی طرح صاف صاف یہ Cرہا ہے کہ تمام مقبول اور مستند شخصیتوں کے یہاں تصوف کا ذوق وشوق موجود ہے الا ماشاء اللہ اور اگر کسی کے یہاں انکار تصوف کی کوئی مثال ملتی Ì ہے تو اس کی ناپختہ کاری اور متشدد ہونے کی علامت ہے- جیسے جیسے اسے بالغ نظری نصیب ہوتی گئی اور محققانہ شان پیدا ہوتی گئی، اس کا رجحان نہ صرف تصوف کی طرف ہوا بلکہ وہ اس کا حامل ہوگیا-

تحقیق ومطالعہ کا حق تو یہ ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر اکابر میں سے کسی کے یہاں ابتدا یا وسط میں انکار تصوف کا اضطراب ہے Ì تو انتہا تصوف کے سکون وقرار سے مالا ہے- مولانا روم اور امام غزالی اس کی سب سے بڑی مثال ہیں-

شعور وآگہی کا سفر اگر تصوف کے انقباض سے شروع ہو لیکن اختتام انشراح تصوف پر ہو تو انجام بخیر ہونے کی دلیل ہے- اللہ تعالیٰ سب کی عاقبت بخیر فرمائے-

سوال :- وہابی فکر اور صوفی فکر میں بنیادی طور پر کیا اختلافات ہیں اور آپ ان میں کس کو درست سمجھتے ہیں اور کیوں؟

سید شمیم احمد منعمی :- صوفی مکتبۂ فکر، صوفی کہلانے کے پہلے سے موجود وسرگرم ہے- عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وعہد صحابہ وعہد تابعین، صوفی فکر کا نقطۂ عروج ہیں حالاں کہ اس وقت یہ فکر صوفی نہیں کہلاتی تھی اور ,, ہر یہی حال وہابی فکر کا Ì ہے کہ وہابی فکر، وہابی

کہلانے سے پہلے Ì موجود تھی اور آج Ì خود کو اس کے اہل وہابی کہیں یا نہ کہیں، مانیں یا نہ مانیں روح اس کی وہی ہے جس کی تحقیق کرنے والے نے اس کو وہابیت کا نام دیا ہے-

وہابی فکر اور صوفی فکر کا بنیادی فرق یہ ہے کہ وہابی فکر تعریف (Defination) تو یاد رکھتی ہے لیکن مثال (Example) Èل جاتی ہے جبکہ صوفی فکر جس قدر تعریف کو یاد رکھتی ہے اسی قدر مثال کو Ì پاس رکھتی ہے- وہابی فکر کا نقطۂ آغاز حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کے زمانے کا وہ لمحہ ہے جب تاریخ اسلامی و ایمانی ایک ایسی فکر سے روبرو ہوتی ہے، جس کے حاملین قرآن وحدیث کے اقدار و احکام کو تو یاد رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کی فی زمانہ سب سے روشن مثال حضرت علی کو Èل جاتے ہیں اور انہیں Oئے تعریف کی مثال قرار دینے کے ضد قرار دیتے ہیں- قرآن وحدیث کے عنوان سے اپنی فکر اور اپنی تفہیم کو بنیاد —کر سا—ن کے رد و انکار اور تنقید و تنقیص کی یہ سب سے پہلی مثال ہے- یہ ایسی جرأت ہے جس کے آگے کسی علم کا انکار اور کسی شخصیت کا انکار کوئی معنی نہیں رکھتا ہے- جب اپنی تفہیم کی بنیاد پر حضرت سیدنا علی کی تنکیر و تکفیر کی جاسکتی ہے تو صوفیہ کرام و مشائخ عظام کا رد و انکار کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ ایسے خود ساختہ دربانوں سے محفوظ رکھے جو کسی روز اہل خانہ کو Ì شک کے دائرے میں لاد , اور داخلہ ممنوع کرد , -وہابی فکر کے Ì کئی دور گزرے ہیں- حضرت علی کے انکار سے مسلک جمہور سے اعتزال تک اور اعتزال سے علامہ ابن تیمیہ کے ا° رتک اور علامہ ابن تیمیہ سے شیخ عبدالوہاب نجدی تک اور شیخ نجدی سے مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی سے موجودہ متمول وہابیت تک-

وہابی تحریک مولوی اسمٰعیل دہلوی تک دلچسپ تضاد Oنی و عملی سے گزرتی رہی- علامہ ابن تیمیہ جہاں ایک طرف صوفی فکر کو دار پر کھینچ کر سنگسار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں سلسلہ قادریہ کا خرقہ پہنتے ہوئے Ì دیکھے جاسکتے ہیں- اسی طرح مولوی اسمٰعیل دہلوی، تقویۃ الایمان میں فیل مست خرام کی طرح اتحاد و اتفاق امت کو روندتے ہوئے نظر آتے ہیں وہیں دوسری طرف عبقات وصراط مستقیم میں ائمہ صوفیہ کی اقتدا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن موجودہ وہابیت علامہ ابن تیمیہ اور مولوی اسماعیل دہلوی کے سنگ میل سے [1]

آگے نکل چکی ہے اور اب اس میں روز اول کی طرح اپنی تفہیم کی بنیاد پر سا—ن کی سراسر تنقید و تنقیص ہے-

اگر وہابیت انا خیر منه کی جلوہ گاہ ہے تو صوفیت ربنا ظلمنا انفسنا کی چلہ گاہ ہے- اگر وہابیت عقل کی موشگافی ہے تو صوفیت عشق کی خموشی ہے- اگر وہابیت طائف کی وادی ہے تو صوفیت اهد قومی کی وظیفہ خوانی ہے- اگر وہابیت Wرت ہے تو صوفیت بصیرت ہے- اگر وہابیت خود کو ناجی مان چکی ہے تو صوفیت شب و روز خود کو خوف دوزخ سے پگھلا رہی ہے اور وقنا عذاب النار کا وظیفہ پڑھ اور پڑھا رہی ہے- اگر وہابیت وما اوتیم الا قلیلا ہے تو صوفیت وعلمناه من لّدنا علما ہے-

سوال:- نظری اور عملی تصوف میں کیا فرق ہے اور موجودہ حالات میں تصوف کی اشاعت کے لیے کس کس انداز سے کام کرنے کی ضرورت ہے؟

سید شمیم احمد منعمی:- نظری اور عملی تصوف میں وہی فرق ہے جو اصول حدیث اور حدیث میں ہے یا اصول فقہ اور فقہ میں ہے- یا پھر Jurisprudence اور Law میں ہے- لیکن یہ یاد رہے کہ نظری تصوف یا فلسفۂ تصوف کا ماہر ہونا ٹھیک اسی طرح صوفی ہوجانے کی دلیل نہیں ہے جس طرح کسی مستشرق کا ‰ اسلامی علوم پر گراں قدر کام کرجانا اس کے مسلمان ہونے کی دلیل نہیں ہے- نظری تصوف ساحل سمندر سے سمندر کا نظارہ ہے اور عملی تصوف غوطہ لگا کر موتی نکال لانا ہے-

موجودہ حالات میں Ì تصوف کے کام کو سب سے بڑا خطرہ اور سب سے زیادہ نقصان نیم حکیم قسم کے نیم صوفی اور صوفی نما مستصوفین سے ہے- یہ اپنی بول چال اور گفتار و کردار سے اقدار و اوصاف تصوف کو جس قدر نقصان پہنچاتے ہیں اس قدر نقصان تو منکر +تصوف سے Ì نہیں پہنچتا- یہی وجہ ہے کہ تصوف کی تمام مستند تصانیف میں نقلی صوفی اور صوفی نما افراد و جماعت پر سخت سے سخت تنقید , دیکھنے کو ملتی ہیں- اسی لیے مشائخ کی یہ [1] بڑی ذمہ داری ہے کہ ان کے حلقۂ ارادت کا کوئی شخص تصوف کی ایسی ترجمانی خواہ وہ قولی ہو یا فعلی نہ کرے جس سے تصوف کی معنویت کو ٹھیس پہنچے-

علم تصوف کے خواہاں ہر فرد کو پہلے علم ظاہر میں خاطر خواہ محنت و مصروفیت رکھنی چاہیے ورنہ علم تصوف سے O ئے فائدے کے نقصان ہوگا اور اگر کوئی جہل پر مصر، کسی بزرگ صوفی کا نام رمثال لے تو وہ راہ تصوف کے لیے روز اول سے ہی نا لائقی کا ثبوت فراہم کر رہا ہے- حضرت شیخ الشیوخ شہاب الد + سہروردی (م ۶۳۲ھ) فرماتے ہیں:

"ولا تكونوا من جهال الصوفية فانهم لصوص الدين وقطاع الطريق"

(جاہل صوفیہ کی طرح مت بن جانا جود + کے چور اور لٹیرے تھے-)

دوسری چیز یہ کہ مشائخ کی کتابوں کے تراجم یا شروح وحواشی کی ذمہ دار اشاعت ہونی چاہیے جس سے اس راہ کو سر کرنے والے کے لیے آسانیاں پیدا ہوں، ساتھ ہی ایسی کتابوں کی اشاعت سے پرہیز Ì کرنا چاہیے جس سے متشا · ت پیدا ہوں-

مشائخ کی ان کتابوں کی اشاعت Ì ہونی چاہیے جو انہوں نے علم تفسیر وحدیث وفقہ ودیگر علوم منقولہ وغیر منقولہ سے متعلق تالیف فرمائی ہیں تا کہ علوم وفنون کے ارتقاء میں صوفیہ کرام کی گراں قدر خدمات نمایاں ہوسکیں-

مشائخ کی درگاہیں اور خانقاہیں ہمہ وقت اور ہمہ جہت تبلیغ ودعوت اور خدمت خلق اللہ کا مراکز رہی ہیں، فی زمانہ یہ ذمہ داری ‰ مراکز پر غفلت کا شکار ہوگئی ہے، اعراس یا خاص مواقع پر خانقاہوں کی آبادی اور سالوں ½ ویرانی Ì تصوف کی اشاعت میں بڑی رکاوٹ ہے، ہر خطے میں پھیلی ہوئی بے شمار درگاہیں اور خانقاہیں اگر خاطر خواہ طور پر مصروف عمل ہوجائیں تو تصوف کی حیات j روشنی سے گوشہ گوشہ منور ہوجائے-

خانقاہوں اور درگاہوں میں اوقات کی پابندی کے ساتھ عام لوگوں کے لیے قرآن و حدیث نیز مستند کتب صوفیہ کے درس کا اہتمام، عام لوگوں نیز طالبین طریقت کے لیے تربیتی ہفتوں کا التزام، ذکر ومراقبہ کی با فیض مجالس کا انعقاد اور ضروری عوامی مسائل کے لیے حتی الامکان اقدام یہ ایسی سرگرمیاں ہیں جن سے اندورن ملت Ì انقلاب آئے گا اور Ûون ملت Ì -

سوال:- اہل سنت وجماعت پر بدعت نوازی کا الزام کتنا درست ہے؟

سید شمیم احمد منعمی:- اگر ایمان داری سے محاسبہ کیا جائے تو یہ الزام خود ملزمین پر 3/4 خوبی ثابت ہوتا ہے اور ان کے مقا » اہل سنت و جماعت قرآن وسنت کی پاسداری و پابندی میں ان چودہ سو برسوں میں منفرد نظر آتے ہیں-

کسی خاص نسل کے بادشاہوں کا یکے ^ دیگرے نسلی بنیادوں پر مسلمانوں کے ملک اور جان و مال کا مالک بننا مخالفین اہل سنت و جماعت کے نزدیک عین شریعت ٹھہرتا ہے، انہیں بادشاہت کے علاوہ ہر چیز میں بدعت نظر آتی ہے-

اسلامی ملکوں کے غیر اسلامی بادشاہوں کی تصویر , کرنسی نوٹوں سے لے کر شاہ راہوں، دفتروں اور انتہا یہ کہ مسجد حرام کے اندر انتظامیہ کے دفتروں میں آویزاں ہیں اور یہ سب عین اسلام اور بدعت سے پاک ہیں-

مسجدوں سے منبر ہٹا کر کرسی لگائی جارہی ہے اور امام کے خطبہ دینے کے لیے منبر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی کے O ئے بادشاہوں کے جھروکھوں کی مانند تعمیر کو تیزی سے معمول ¯ یا جارہا ہے اور یہ سب بدعت پروف اعمال ہیں-

حرم کے علاوہ اکثر مساجد میں باضا , سرکاری طور پر امام کو ہی مؤذن اور مکبر یعنی تینوں ذمہ داری اکیلے ادا کرنے کا پابند کر دیا گیا ہے اور یہ Ì عین شریعت، پاک از بدعت ٹھہرا-

نمازوں میں مکروہات کو Ì اس طرح قبولیت مل گئی جیسے مستحب ہوں اور سنت مؤکدہ نمازوں کا باضا , ترک Ì عام ہوگیا اور یہ Ì قطعی بدعت وضلالت نہ ٹھہرا-

چوں کفر از کعبہ برخیزد
کجا ماند مسلمانی

یہ سرکاری جھلکیاں ان اعمال کی ہیں جو بدعت غلیظہ ہیں اور علی الاعلان بالقصد و بالارادہ ترک سنت ہیں اور ان کی تاویلات عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہیں، ان کے مقا » میں اہل سنت و جماعت پر بدعت نوازی کا الزام کج فہمی، ژولیدہ دماغی اور نفاق بین المسلمین کے ارادے سے لگایا گیا ہے-

سوال:- ''علمائے ربانیین'' کون ہیں؟ اور آج ان کی تلاش کہاں کی جائے؟ مدارس

میں، خانقاہوں میں، یا کہیں اور؟

سید شمیم احمد منعمی :- علمائے ربانیین سے یہ دنیا کبھی خالی نہیں ہوتی ہے سوائے وقت فنا کے- لیکن اس دنیا میں ان کی تلاش **کونوا مع الصادقین** کے حکم سے فرض ہے اور یہ آ طے ہے کہ ان کی تلاش میں کامیابی بغیر فضل الٰہی کے ناممکن ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب عالم ربانی حضرت خضر کے دیدار اور ان سے استفادہ کا شوق ہوا تو جو طریقہ C یا گیا وہ سورۂ کہف میں موجود ہے اور غیر معمولی ہے اور قرآن کر* سے یہ آ ثابت ہے کہ اس کوشش میں ناکام کرنے کے لیے شیطان ایڑی چوٹی کا زور آ لگاتا ہے- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق تلاش خضر میں بھٹک کر عرض کرتے ہیں، **وما انسٰنیہ الا الشیطان ان اذکرہ** جب ان کی تلاش میں ایک پیغمبر کی راہ میں شیطان اس قدر فعال ہے تو ان علمائے ربانیین سے تعلق ومودت اور ان سے اخذ فیضان ونسبت نیز ان کی بارگاہوں، درگاہوں اور خانقاہوں میں حاضری کے عنوان پر شیطان کیا کیا عیاری مکاری نہ کرتا ہوگا، کبھی اسے خلاف شریعت C ئے گا تو کبھی اسے بدعت سمجھائے گا تو کبھی اسے قبر پرستی سے تعبیر کرے گا اور کبھی شرک ہی قرار دے دے گا- ایسا دراصل شیطان اس لیے کرتا ہے کہ وہ خود اسی راہ میں بھٹک کر برباد ہوا ہے، تو اس کی پہلی خواہش ہے کہ میں اس راہ پر آنے والے سے اپنا انتقام لیتا رہوں اور جس طرح میں نے عالم ربانی حضرت آدم علیہ السلام کی تنقیص کی تھی اسی طرح ان سے آ تنقیص علمائے ربانی کراتا رہوں گا- **العیاذ باللہ**

اب سوال یہ ہے کہ ان علمائے ربانی کو کہاں تلاش کی جائے، مسجد میں یا مدرسے میں؟ تو اس کا جواب حضرت مولانا جامی خوب دے گئے

خوشا مسجد و مکتب و خانقاہے
کہ دروئے بود قیل و قال محمد ﷺ

سچ تو یہ ہے کہ جب تک کوئی سمندر شوق کے ساحل پر سفر اختیار نہیں کرے گا اور شوق و فضل الٰہی کے مجمع البحر + تک نہیں پہنچے گا اور علامت کے È ل جانے پر شیطان مردود سے پناہ طلب نہیں کرے گا وہ عالم ربانی تک نہیں پہنچ سکتا-

یہ آ درست ہے کہ گر کوئی اچھے بڑے اور ماڈل اسکول کی تلاش میں مقامی اسکولوں میں دا 4 نہ ہو تو وہ جاہل ہی رہ جائے گا اس لیے تلاش جب طویل ہو تو طول شب فراق کو شیطان کا افسانہ سمجھ لینا چاہیے اور اپنے قریب میں ہی منزل کھوج نکالنا چاہیے-

سوال :- ملکی اور عالمی سطح پر اہل سنت و جماعت کے مابین نقطۂ اتحاد و اشتراک کیا ہے؟

سید شمیم احمد منعمی :- ملکی و عالمی سطح پر اہل سنت و جماعت کے مابین اتحاد و اتفاق واشتراک جس قدر آ ہے وہ **سیجعل لھم الرحمن وُدّا** کی تجلی ہے- محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، عقیدت اولیاء اللہ، وسیلہ الی اللہ اور صحابہ سے لے کر کل تک کے سا—ن بالا یمان کے لیے سینہ خالی از کینہ یہی وہ مرکزی عناصر ہیں جو اہل سنت و جماعت کے مابین نقطہ اتحاد و اشتراک ہیں-

سوال :- آخر کیا وجہ ہے کہ · رمیں علما، دانشوران، مدارس اور عصری دانش گاہوں کی کثرت کے باوجود وہاں کے تعلیمی اداروں میں علمی ماحول اور جذبۂ مسا " کا فقدان ہے؟

سید شمیم احمد منعمی :- · رمیں کثرت کے باوجود قلت کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی لیاقت بڑے پیمانے پر Ûونی ریاستوں اور راجدھانی دہلی کی طرف ہجرت کر جاتی ہے اور وہاں کی قلت کو کثرت اور وہاں کے خزاں کو · ربخشتی ہے- اسی لیے اس ملک کی تمام بڑی دانش گاہیں نہ صرف · رکے طلبہ سے پُر ہیں بلکہ اساتذہ کی صف میں آ · رکے اہل علم نمایاں ہیں- یہی حال معاصر علوم وفنون کا ہے- · رکے سپوت دوسروں کی ترقی کے معمار ¶ ہوئے ہیں- یہی وجہ ہے کہ خود · رپسماندہ ہوتا جاتا ہے- اگر · رمیں آ اچھے معیاری تعلیمی ادارے جدید تقاضوں کو پورا کرنے لگیں تو · رکے بہتر + دماغ · رکو پُر · ر کر سکتے ہیں-

ایک دوسری وجہ · رمیں خاطر خواہ پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کا فقدان ہے- بے توجہی، بے حسی اور ناقدری کا معاملہ آ پہ نہیں کہاں سے یہاں آ گیا ہے- یہی وجہ ہے کہ یہاں کا ہیرا دوسری جگہ آنکھیں خیرہ کر رہا ہے لیکن وہ · ری لغت کے اس محاورے کا

مصداق ¯ ہوتا ہے: گھر کی مرغی دال برابر

ایک تیسری وجہ · ر-ں سے غیر · ر-ں کا تعصب ہے، ساری لیاقت کے باوجود اگر کوئی · ری ہے تو یہی اس کا سب سے بڑا ڈی میرٹ ہے، اس وکینہ نے Ì · ری لیاقت کو احساس کمتری اور پست حوصلگی کا شکار ¯ یا ہے اور جائز حقوق و مقام سے محروم رکھا ہے-

چوتھی وجہ یہ ہے کہ · ر کے تعلیمی ادارے خواہ وہ مدارس ہوں یا عصری دانشگاہیں وہاں عمارتیں اور طلبہ کی کثرت تو دیکھنے کو ملتی ہے لیکن نصاب اور طریقۂ تعلیم Up to date نہیں ہے، جدید تقاضوں سے جیسی ہم آہنگی ہونی چاہیے وہ نظر نہیں آتی، سب سے برا حال سرکاری تعلیمی اداروں کا ہے، یہاں کے اساتذہ و ذمہ داران اپنی معاش سے مطمئن ہو کر جد وجہد È ل چکے ہیں اور ان کی عدم دلچسپی نے علمی ماحول اور مسا ' تی فکر کو مردہ کر دیا ہے- سرکاری مدارس کی حالت تو ناگفتہ بہ ہے، لمبے عرصے تک تنخواہوں کے نہ ملنے سے سرکاری دفاتر کی دوڑ ¸ گ اور روزانہ کی دقتوں نے نظام درس و تدریس کو بے روح کر دیا ہے، مدارس میں زیادہ تر مکاتب ہیں اور اونچے درجے خال خال ہی چلتے ہیں اور وہ Ì ناقابل تذکرہ یا برائے نام- ان ساری وجوہات کے علاوہ فکر معاش نے تعلیمی نظریے میں جو انقلاب برپا کر دیا ہے وہ تو صحت مند تعلیم و تعلم کے لیے قیامت سے کم نہیں ہے-

سوال:- کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ عصری اداروں میں تعلیم حاصل کرنے سے فکر و عمل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے، آپ اس تعلق سے کیا کہتے ہیں؟

سید شمیم احمد منعمی:- فکر و عمل میں کجی اگر عصری اداروں کا نتیجہ ہوتیں تو جتنے فرقے اور مسلک پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں، ان کے بانیین عصری دانش گاہوں کے فارغین ہوتے- دراصل عصری اداروں میں دو طرح کے معاملے ہیں، یا تو وہاں د + اور مذہب کا دور دور تک نہ è ہے اور نہ چرچا ہے- نتیجتاً اس ماحول میں پرورش پانے والے نوجوان د + سے اس طرح متوحش رہتے ہیں جیسے جنگل سے آنے والے ہرن آبادی سے-

دوسرا معاملہ یہ ہے کہ عموماً عصری اداروں میں طلبہ کے درمیان دینی رجحان پیدا

کرنے والے صحیح العقیدہ فکر کے ترجمان 1 کم ہیں- یہی وجہ ہے کہ ان کا ناپختہ ذہن بد عقیدگی کے ساتھ پختہ ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود یھدی من یشاء کی جلوہ باری اپنا کام کرتی ہے اور عصری اداروں کے فارغین میں Ì متقی و پرہیزگار اور صوفیہ کرام کے عشاق نیز د + کے اچھے واقف کار ملتے ہیں-

سوال:- کالج اور - نیورسٹی دعوت و تبلیغ کے لیے بہتر + میدان ہیں، آپ کی نظر میں اس میدان میں کام کرنے کے لیے کس طرح کی منصوبہ بندی ہونی چاہیے؟

سید شمیم احمد منعمی:- یہ بالکل صحیح و درست ہے کہ کالج اور - نیورسٹی دعوت و تبلیغ کے بہتر + میدان ہیں، عقل و فہم اور علم و دانش کی نئی نئی کونپلیں یہاں پھوٹتی رہتی ہیں، ان کے درمیان کام کرنے کے لیے ان کی زبان اور ان کے ماحول سے یکسانیت رکھنے والے طریقۂ کار زیادہ مفید رہیں گے- 1 روایتی یا 1 تنقیدی طریقۂ کار شاید خاطر خواہ کامیاب نہ ہو سکے لیکن یہ طے ہے کہ جہاں اس عمر کے طلبہ میں گمراہ ہونے کے امکانات قوی ہوتے ہیں، وہیں اس عمر میں د + داری و پرہیزگاری کا ذوق و شوق Ì بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے، اگر ہم نے مثبت جذبّات کو قاعدے سے مہمیز نہیں لگائی تو ایک 1 بڑی تعداد جس پر مستقبل کا انحصار ہے، وہ د + سے یا تو ناواقف رہ جائے گی یا پھر د + سے متوحش ہو جائے گی-

ہر عصری دانش گاہ میں طلبہ کی ایسی انجمنیں تشکیل پانی چاہییں جو خوش عقیدہ دینی شغف اور رجحانات کو پیدا Ì کر , اور ان کی حفاظت Ì کر , اور اس میں مقامی مربیین کی مدد و نصرت مناسب طریقے پر ملنی چاہیے، اچھے علما و خطبا کے لیکچرس Ì اگر طلبا کو نصیب ہوتے رہیں جس میں دینی موضوعات سے متعلق واقفیت بخشنے کے ساتھ ساتھ ان کے شکوک و شبہات Ì دور کر دیے جائیں تو 1 مناسب ہوگا- اچھے مطالعے کا شوق و ذوق Ì پیدا کرانا چاہیے، اگر کتابیں اور کتا a مہیا کرائے جائیں تو بہتر ورنہ ان تک ان کی رہنمائی کی جائے- اس کے علاوہ وقت اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے کہ ان کا د + کار رجحان فزوں سے فزوں تر ہوتا جائے-

سوال:- موجودہ دور میں ایک طرف میدان سیاست میں علما کے اترنے کی بات

کی جارہی ہے تو دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علما سیاست میں آنے کے ^ اپنا تقدس سلامت نہیں رکھ پاتے -اس حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے؟

سید شمیم احمد منعمی :-سیاست اور علما یہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہیں یا مخالف؟ معاصر تاریخ میں اگر اس کا جواب ڈھونڈ , تو ایران کی سرزمین علما کی سیاسی بصیرت کی بلائیں لیتی ہوئی نظر آتی ہے،لیکن اسی سوال کا ایک دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک ہی نام وبینر تلے چلنے والی ایک دینی جماعت سرحد کے پار سیاست کو لقمہ حلال سمجھ رہی ہے اور اس پار لقمۂ حرام -دراصل oo% لوگ جس طرح مسجد کو نماز کے لیے محدود کر دیتے ہیں اسی طرح علما کو Ì مصلیٰ تک محدود ومقید دیکھنا چاہتے ہیں، جہاں مسجد میں نماز کے علاوہ ہر کام خواہ اس کا دینی وملی پس منظر جو Ì ہوشان کے خلاف نظر آتا ہے اور مسجد ناپاک دکھتی ہے،ٹھیک اسی طرح علما کی سیاسی بصیرت وپیش قدمی Ì دامن امامت پر مثل داغ نظر آتی ہے-è نہیں ایسی سوچ میں علما کے لیے خلوص ہے یا کہیں پر اپنے لیے عدم تحفظ کا احساس ہے- **واللہ اعلم**

یہ بالکل درست ہے کہ جیسے عہد نبوی میں خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک oo% کا توریت وزبور وانجیل کا علم حاصل کرنا درست نہیں تھا اور oo% کے لیے یہ حکم تھا کہ عبرانی پڑھو اور صحائف وکتب سماویہ کا Ì علم حاصل کرو،اسی طرح جسے یہ خوف وخطرہ ہو کہ سیاست مجھے طاہر نہیں رکھے گی اس کے لیے اس سے اجتناب د + ہے اور جس میں یہ عزیمت موجود ہو کہ وہ مردانہ وار اس راہ میں خود د + پہنے ہوئے ہروار سیاست سہہ لے گا تو اسے سیاست روا ہے- **لاھلہ حلال ولغیرہ حرام واللہ و رسولہ اعلم**-□□□

(شمارہ جون ۲۰۰۹ء)

مولانا عبدالحکیم شرف قادری

سابق شیخ الحدیث: جامعہ نظامیہ، لاہور، پاکستان

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری اہل سنت وجماعت کے ان ممتاز علماے محققین میں ہیں جن کی تحقیقات پر ان کے اکابر نے Ì حد درجہ اعتماد کیا-موصوف منفرد محقق وقلم کار ہونے کے ساتھ منجھے ہوئے مدرس،نکتہ رس خطیب اور عربی وفارسی زبانوں کے ماہر تھے-آپ نے اپنی ۶۳ر سالہ زندگی میں ملت کی رہنمائی کے لیے جتنا کام کیا وہ —ل شارح مسلم مولانا غلام رسول سعیدی ''قابل رشک اور لائق تقلید ہے''-آپ کی ولادت مرزا پور ضلع ہوشیار پور پاکستان میں ۱۹۴۴ء میں ہوئی-۳ر سال کی عمر میں لاہور ہجرت کی اور ابتدائی تعلیم اسی شہر میں مکمل کی، پھر بالترتیب جامعہ رضویہ فیصل آباد، جامعہ نظامیہ لاہور اور جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال میں دا 4 ہوکر اپنے وقت کے جلیل القدر علما (محدث پاکستان مولانا سردار احمد، مولانا عطا محمد بندیالوی چشتی، مولانا اشرف سیالوی اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی) سے درس نظامیہ کی تکمیل کی اور ۱۹۶۴ء میں سند فضیلت حاصل کی-فراغت کے ^ ۶۵ء میں جامعہ نعیمیہ لاہور سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، ۶۶ء میں جامعہ نظامیہ لاہور منتقل ہوگئے اور پھر اپنی پوری تدریسی زندگی اسی ادارے سے وابستہ رکھی-اس درمیان آپ نے عربی، فارسی اور اردو میں دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں، اہم علمی کتابوں کے ترجمے کیے، درسی وغیر درسی کتابوں پر مقدمات، حواشی اور شروحات لکھے اور مختلف علمی وفکری موضوعات پر پچاسوں مضامین ومقالات سپرد قلم کیے-آپ کی انہی علمی خدمات کے اعتراف میں متعدد اداروں نے آپ کو اعزازات سے نوازا-آپ کا وصال یکم ستمبر ۲۰۰۷ء میں ہوا-مختلف زبانوں میں ان کی ہزاروں صفحات پر پھیلی درجنوں تصانیف، تراجم اور حواشی یقیناً طالبان منزل شوق کی رہنمائی کرتے رہیں گے-

سوال:- آپ ہندوستان پہلی بار کب تشریف لائے؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- میرا نام ہے محمد عبدالحکیم شرف قادری، میں لاہور پاکستان سے حاضر ہوا ہوں- پہلی دفعہ غالباً ۱۹۹۴ء میں سرہند شریف امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس شریف میں حاضر ہوا تھا-

سوال:- ہندوستان آنے سے قبل یہاں کے مسلمانوں کے معاشرتی، مذہبی، ثقافتی اور تعلیمی معیار کے متعلق آپ کیا تأثر رکھتے تھے؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں معاشرتی اور معاشی طور پر یہ تأثر تھا کہ وہ تجارت، زراعت، ملازمت بلکہ ہر میدان میں 1 پیچھے ہیں یا-ں کہہ لیجیے کہ میں انہیں کافی پسماندہ سمجھتا تھا- معاشی لحاظ سے Ì اور تعلیمی لحاظ سے Ì ، لیکن مذہبی اعتبار سے میری یہی رائے تھی اور ہے کہ ہندوستانی مسلمان پاکستانی مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہیں- اس لیے کہ یہاں ایک مقا » کی کیفیت ہے، ایسی صورت میں آدمی زیادہ مضبوط اور غیرت مند ہوتا ہے، کیونکہ جب دیکھتا ہے کہ دوسرا آدمی اپنے د + وایمان کی حفاظت کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہے تو ہمیں Ì اپنے د + وایمان کی حفاظت کے لیے قربانی دینی چاہیے-

سوال:- ہندوستان تشریف لانے کے ^ اب آپ کے کیا تأثرات ہیں؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- میں نے محسوس یہ کیا ہے کہ حکومت ہندوستان مسلمانوں کو بالکل نظر انداز نہیں کر رہی ہے بلکہ جہاں وہ دوسرے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتی ہے وہاں وہ مسلمانوں پر Ì توجہ دے رہی ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے وہ دینی مدارس جن کا الحاق الہٰ آباد بورڈ کے ساتھ ہے ان کو وہ بڑی ہی گراں قدر امداد گرانٹ کی صورت میں دیتی ہے- یہاں کے مدارس کے جو اساتذہ ہیں ان کی تنخواہیں چھ چھ آٹھ آٹھ ہزار روپئے تک ہیں- میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھی علامت ہے، جبکہ حکومت کو دینی مدارس کے علما سے کوئی فائدہ نہیں ہے- مدارس کے علما نہ تو ان کے ووٹرز

ہیں اور نہ ان کے حق میں رائے عامّہ کو ہموار کرتے ہیں، یعنی ان سے ظاہری فائدہ نہ ہونے کے باوجود حکومت ہند کا ان کی امداد کرنا ایک نیک فال ہے اور اچھی علامت Ì ، اس کی قدر کرنی چاہیے-

سوال:- آپ نے ہندوستان کے مختلف مدارس اور خانقاہوں کا دورہ کرنے کے ^ علمائے اہل سنت کی مذہبی سرگرمیوں کے متعلق کیا رائے قائم فرمائی؟ کیا یہاں کے علما کی سرگرمیوں سے عوام مطمئن ہیں؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- ہندوستان آنے کے ^ میں نے ممبئی کے کچھ مدارس کا سروے کیا، لیکن وہاں اکثریت مقامی طلبہ کی ہے وہ یا تو قرآن پاک پڑھ رہے ہیں یا درس نظامی، اس لیے زیادہ لمبا چوڑا اسسٹم دیکھنے میں نہیں آیا- البتہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور جب میں گیا تو الحمدللہ! یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جامعہ اشرفیہ کا جو رقبہ ہے وہ کوئی ۲۵/ ایکڑ ہے یہ 1 وسیع رقبہ ہے، عمارات Ì 1 عالی شان ہیں اور پھر عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مدظلہ العالی نے علما کی جو ٹیم جمع کی ہے وہ 1 ہی شاندار ہے- میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک درۂ یکتا ہے اور جو کام جامعہ اشرفیہ میں ہو رہا ہے وہ پورے ملک میں مجھے کسی دوسرے مدرسے میں نظر نہیں آتا- ہندوستان میں جامعہ اشرفیہ اور پاکستان میں جامعہ نظامیہ رضویہ اہل سنت کی مذہبی سرگرمیوں کے اہم مراکز ہیں- اب رہی بات کہ عوام اہل سنت علما سے مطمئن ہیں یا نہیں یہ تو مجھے نہیں معلوم، کیوں کہ عوام اہل سنت کے ساتھ مجھے کوئی زیادہ میل جول اور رابطے کا موقع نہیں ملا، رہی میری بات تو میں خود مطمئن نہیں ہوں- علما کو جتنا فعال اور مستعد اور سرگرم ہونا چاہیے وہ بات مجھے نہ تو ہندوستان میں نظر آئی اور نہ ہی پاکستان میں- ہمارے یہاں عام طور پر یہ رواج بن گیا ہے کہ مدرسے میں پڑھ لیا اور پڑھا لیا، امامت اختیار کر لی، مسجد سے لگ گئے یا خطیب بن گئے اور بس، حالانکہ ایک عالم د + کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ اِس محدود دائرے سے کہیں بڑھ کر ہیں- مدرسے اور مسجد سے باہر Ì اُن کی ذمہ داریاں ہیں کہ تصنیف واشاعت کے میدان میں وہ کام کر , ، مکتبہ قائم کر , اور زبانی دعوت وتبلیغ Ì اس جذبے کے تحت کہ اللہ ورسول کا پیغام لوگوں

تک پہنچانا ہے، لیکن معلوم ہو رہا ہے کہ رسمی طور پر علما یہ کام کر رہے ہیں اور اسی پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں، حالانکہ اس پر اکتفا نہیں ہونا چاہیے۔

سوال:۔ سنی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر بے چینیوں کے آثار پائے جاتے ہیں، کیا ان وجوہات پر آپ روشنی ڈالنا پسند کر , گے؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:۔ میں نے یہاں پر اہل سنت و جماعت کے 1 سے نوجوانوں سے ملاقات کی، ان لوگوں میں دیکھا ہے کہ واقعی یہ حضرات بے چینی کا مجسمہ ہیں اور اس بات سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔ یہ لوگ اپنے اندر ایک تڑپ رکھتے ہیں، سوچ رکھتے ہیں کہ ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔ آپ نے کہا ان کے وجوہات کیا ہیں؟ وجوہات ظاہر ہیں کہ جب آئیڈیل شخصیتیں تسلی j انداز میں کام نہیں کر , گی تو پھر عوام الناس ì بے چینی محسوس کر , گے اور طلبہ اور نوجوان ì بے چینی محسوس کر , گے۔ یہ ذمہ داری میں سمجھتا ہوں کہ سرکردہ علما اور مشائخ کی ہے کہ ان نوجوانوں کے سروں پر ہاتھ رکھیں، دست شفقت رکھیں اور ان کی بات کو سنیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں، کس انداز میں کام چاہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ تم باغی ہو گئے ہو تمہیں ہم مسترد کرتے ہیں یہ بات اچھی نہیں ہے، بلکہ ان سے پوچھا جائے کہ آپ چاہتے کیا ہیں۔ اگر وہ د + اور مسلک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ان کی ہر طرح سے سرپرستی اور حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

سوال:۔ آپ ایک مؤقر درس گاہ کے شیخ الحدیث ہیں، کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ عصری تقاضوں کے پیش نظر مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے؟ اپنے تجربات کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:۔ میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں حدیث شریف کا خادم ہوں اور مجھے کوئی تیس سال ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ انعام اور اس کا احسان ہے، حق یہ ہے کہ عصری تقاضوں کے مطابق مدارس اسلامیہ کے نصاب میں تبدیلی کی تو 3/4 حال ضرورت ہے اور بالخصوص ہمارے مدارس میں انگریزی کی تعلیم ضرور ہونی چاہیے اور جدید عربی کی ì ۔ کیوں کہ اگر ہم اپنا پیغام انٹرنیشنل سطح پر پہنچانا چاہتے ہیں تو انگلش کے بغیر کوئی

چارہ نہیں ہے۔ رہی جدید عربی کی بات تو عرب ممالک کے ساتھ ہمارے دینی، ایمانی اور روحانی تعلقات ہیں، لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان را , نہیں ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے اکابر کی فروگزاشت ہے اور یہ میں کوئی گستاخی نہیں کر رہا ہوں کہ انہوں نے عربی لٹریچر تیار نہیں کیا اور عربوں کے ساتھ انہوں نے کوئی را , قائم نہیں کیا۔

درس نظامی کے نصاب میں ایسی کتابیں شامل ہیں جو چھ سو سال یا پانچ سو سال پرانی لکھی ہوئی ہیں۔ ہماری کمی یہ ہے کہ مولانا جامی نے کافیہ کی شرح لکھ دی تو اب دوسرا آدمی اس کی شرح نہیں لکھ سکتا جب کہ عرب و مصر کے اساتذہ اور دوسرے ممالک کے اساتذہ نے نئی نئی کتابیں اپنے تجربات کی روشنی میں لکھی ہیں جو طلبہ کے لیے مفید ہیں۔ ہمارے علما کو چاہیے کہ وہ خود کتابیں تیار کر , ۔ یعنی بے شمار کتابیں جو دنیا کے اندر موجود ہیں ان کو سامنے رکھیں اور اپنے لیے ایک نئی کتاب تصنیف کر , اور ایسی کتابیں لکھ کر شاگردوں کو ì تلقین کر , کہ اگر وہ اپنے دور میں نئی کتابوں کی ترتیب کی ضرورت محسوس کر , تو وہ ì لکھیں۔

ہمارے مدارس میں اصول و عقائد کی نئی کتابیں لانی چاہیے کیوں کہ شرح عقائد چھ سو سال پرانی لکھی ہوئی ہے، اس کے علاوہ تقابل ادیان اور تاریخ اسلام کو اہمیت دینی چاہیے مزید یہ کہ تصوف کو ì شامل کر , کیوں کہ تصوف دل میں خوف خدا اور اتباع رسول کا جذبہ پیدا کرتا ہے، ایک آدمی کو انسان ¯ تا ہے اور نیکی و تقویٰ کی طرف مائل کرتا ہے۔ یہ ì عجیب بات ہے کہ ہمارے یہاں منطق و فلسفہ تقریباً نکال دیا گیا ہے اور ''توضیح و تلویح'' جیسی کتاب رکھی ہوئی ہے جب کہ ایک طالب علم اس کتاب کو بغیر منطق و فلسفہ کے سہارے نہیں پڑھ سکتا۔

سوال:۔ آج ہمارے مخالفین کا ہم پر یہ اعتراض ہے کہ ہمارے علما اپنے جلسوں میں صرف شانِ رسالت، اختیارات انبیاء اور عظمت اولیاء پر ہی گفتگو کرتے ہیں، توحید کے موضوع پر 1 کم بولتے ہیں، ان کے الزامات کہاں تک درست ہیں؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:۔ اصل میں یہ ہوا کہ انگریز کے دور اقتدار میں ایسے

فتنے کھڑے کیے گئے اور ایسے علما کی سرپرستی کی گئی جنہوں نے توحید کی آڑ میں عظمت نبوت اور عظمت ولایت کو مجروح کرنے کی کوشش کی، انہوں نے کہا کہ اللہ کو مانو اور کسی کو نہ مانو- علمائے اہل سنت اور خاص طور پر اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے 1/2 پورا انداز میں ان لوگوں کی مذمت کی اور ان کے سیلاب کے آگے بند ھ باندھ دیا بلکہ میں کہوں گا کہ ان کے منہ میں لگام دے دی، مگر اب Ì وہی سلسلہ برقرار ہے، ہمارے یہاں ایسی 1 سی جماعتیں ہیں جو اللہ رب العزت کی وحدانیت اور اس کی عظمت وجلالت کو متفقہ طور پر مانتی ہیں مگر رسول پاک ﷺ اور اولیائے کرام کی عظمت کے سبھی قائل نہیں ہیں، اس لیے ہمارے علما اس طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں- مسئلہ یہ ہے کہ ایک ہوتا ہے مقصود بالذات اور ایک ہوتا ہے مقصود بالعرض، مقصود بالذات کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ^ پھر کوئی مقصود نہیں ہے وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، اب رہا سوال یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا اور Ì کوئی مقصود ہے یا نہیں؟ تو میں یہی کہوں گا کہ پیر ومرشد Ì مقصود ہے جو رسول پاک کی تعلیمات پر چلنے کا سبق دیتا ہے اور حضور ﷺ Ì مقصود ہیں کیوں کہ وہ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارہ گاہ میں پہنچائیں گے اس لیے ہمیں اپنی گفتگو، تقریروں اور محفلوں میں توحید کو Ì موضوع سخن — نا چاہیے نیز رسالت اور ولایت کے بارے میں Ì گفتگو کرنی چاہیے- اب رہی بات ان کے الزامات کی کہ ہمارے علما توحید کے موضوع پر 1 کم بولتے ہیں تو یہ بات صحیح ہے-

سوال:- کہا جاتا ہے کہ ماضی میں علمائے اہل سنت کا وقار عوام میں 1 بلند تھا لیکن دور حاضر میں اس کا انحطاط ہے، ایسا کیوں؟ کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے انہیں کون سے مدبرانہ رخ اختیار کرنے کی ضرورت ہے؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- یہ صحیح ہے کہ ماضی میں ہمارے علما کا کردار 1 بلند تھا کیوں کہ وہ صرف گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ کردار کے Ì غازی تھے، وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے اسی وجہ سے عوام میں ان کی ہیبت تھی اور رعب Ì تھا، آج Ì ایسے علما ہیں جن کی قدر ومنزلت عوام کے درمیان 1 ہے

جب وہ کہیں جاتے ہیں تو ہزاروں افراد ان کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور ان کے وعظ ونصیحت کو سننے کے لیے آتے ہیں، اگر ہم اپنے کردار پر نظر ثانی کر , ، ہمارے اندر جو کمیاں اور کوتاہیاں ہیں ان کو پورا کرنے کی کوشش کر , ، رسول پاک کی اسوۂ حسنہ پر عمل کر , ، اپنے اندر فعالیت اور تنظیمی سطح پر کام کرنے کی صلاحیت پیدا کر , اور عوام سے ایک مضبوط را , —ئیں تو پھر صورت حال تبدیل ہوسکتی ہے، لیکن یہ تمام امور اسی وقت ہوں گے جب ہمارے تمام کام خلوص اور للہیت پر مبنی ہوں-

سوال:- پاکستان میں اب تک نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ کیوں نہیں ہوا؟ کیا اس پس منظر میں علما کی تساہلی ہے یا سیاسی حکمرانوں کی رسہ کشی؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- علما کی تساہلی Ì ہے اور سیاسی حکمرانوں کی رسہ کشی Ì مگر بڑی ذمہ داری حکمرانوں کی ہے کیوں کہ علما قوانین کا نفاذ نہیں کر سکتے اس لیے کہ ان کے پاس اقتدار ہی نہیں ہے تو وہ نظام مصطفیٰ ﷺ کس طرح نافذ کر , گے، حکمران جب اقتدار میں نہیں ہوتے ہیں تو عوام سے کہتے ہیں کہ اقتدار میں آنے کے ^ ہم یہ کر , گے اور وہ کر , گے، اسلامی قوانین کا نفاذ کر , گے مگر اقتدار میں آتے ہی اپنے وعدوں کو È ل جاتے ہیں- جہاں تک علما کا مسئلہ ہے تو وہ Ì ذمہ دار ہیں کیوں کہ پاکستان کے علما نے جماعتی سطح پر کام نہیں کیا، جب جنرل ضیاء الحق کے دور میں شرعی عدالت قائم ہوئی تو انہیں وہاں جا کر قرآن واحادیث کے حوالے سے مسائل دینیہ پر گفتگو کرنی چاہیے تھی مگر انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی یا پھر قوانین کی دفعات نظام اسلام کی روشنی میں ترتیب دیتے اور ایسے افراد تیار کرتے جو جج اور وکلاء کی کرسی سنبھال سکیں، نہ ہی انہوں نے افراد تیار کیے اور نہ ہی لیٹریچر اور نہ ہی ان کے اندر قوت ہے کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈال سکیں کہ حکومت نظام مصطفیٰ ﷺ کو نافذ کرے-

سوال:- تبلیغ واشاعت د + کے سلسلے میں ہندو پاک کے علما میں آپ نے کیا فرق محسوس کیا؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- ایک وقت وہ تھا جب ہندوستان کی راجدھانی دہلی

میں اہل سنت و جماعت کا کوئی تبلیغی اور اشاعتی ادارہ نہیں تھا مگر علامہ ارشد القادری صاحب نے جامعہ حضرت نظام الد + اولیاء اور مولانا یٰسین اختر مصباحی نے دار القلم قائم فرمایا اور کتب اہل سنت کی اشاعت کے لیے کئی کتب خانے Ì وجود میں آئے، میں سمجھتا ہوں کہ تبلیغی و اشاعتی سطح پر یہ ایک زبردست انقلاب ہے جس کے اثرات پورے ہندوستان پر مرتب ہوں گے، اب رہی بات کہ اشاعت د + کے سلسلے میں ہندو پاک کے علما میں کیا فرق ہے تو میں یہی کہوں گا کہ ہندوستان میں خو z رت ٹائٹل اور مضبوط جلدوں کے ساتھ کتابیں تو 1 سی شائع ہو رہی ہیں مگر نئے نئے موضوعات پر کتابیں نہیں لکھی جا رہی ہیں اور پاکستان میں کتابیں Ì شائع ہو رہی ہیں اور اسی سرعت کے ساتھ جدید موضوعات پر اردو اور عربی دونوں زبانوں میں کتابیں Ì لکھی جا رہی ہیں، وہاں کے کتب خانے صرف کاروباری نوعیت سے ہی نہیں بلکہ تبلیغ و اشاعت د + کے پیش نظر Ì کتابیں شائع کر رہے ہیں، مکتبہ قادریہ لاہور جس کا قیام میرے ہاتھوں عمل میں آیا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے درس نظامیہ کی 1 ساری کتابوں کو نئے حواشی و شروحات کے ساتھ شائع کیا نیز حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ پر کئی کتابیں شائع کیں کیوں کہ حضرت علامہ اہل سنت کی وہ مظلوم شخصیت ہیں جن پر ہمارے علما نے توجہ نہیں دی-

سوال:- احسان الٰہی ظہیر کی کتاب ''البریلویہ'' کی تردید میں جو کتابیں آپ نے لکھی ہیں ان کا اسلوب عام بریلوی مزاج سے ہٹ کر ہے، آپ نے اپنی تحریر میں شدت کیوں نہیں اختیار کی؟ اور آپ کے سنجیدہ و شائستہ اسلوب سے کیا فائدہ پہنچا؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- احسان الٰہی ظہیر لاہور کے رہنے والے ایک غیر مقلد تھے جنہوں نے البریلویہ نامی کتاب لکھی جس کی وجہ سے عوام و خواص میں بے چینی محسوس ہونے لگی، اس سلسلے کے پیش نظر مولانا عبدالستار خان نیازی نے پروفیسر طاہر القادری کے گھر علما کی ایک میٹنگ بلوائی جس میں میں Ì حاضر تھا، جہاں اس کے جواب لکھنے پر غور و فکر کیا گیا کہ کون شخص اس کا جواب لکھے، کئی علما کے نام زیر غور آئے، خود پروفیسر طاہر القادری نے کہا کہ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں خود ہی اس کا جواب لکھتا مگر مولانا عبد

الستار خان نیازی نے مجھے اس کا جواب لکھنے کے لیے کہا اور میں تیار ہو گیا اور جب میں نے اس کا جواب لکھا تو مولانا موصوف نے اس کے شائستہ اسلوب کی وجہ سے کہا کہ جواب زناٹے دار نہیں ہے- ایک فاضل نے کہا کہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی a کو گود میں رکھ کر کھلایا جائے، یہ تو بڑے پیار و محبت والے انداز میں لکھی گئی ہے، یہ جواب کا انداز نہیں ہے- ہمارا ایک طبقہ ایسا تھا جو خوش نہیں تھا کہ اس میں 1 شائستہ زبان استعمال کی گئی ہے، مگر میرے پیش نظر یہ تھا کہ جو تعلیم یافتہ اور عوامی طبقہ ہے اور جو کالج و اسکول کے طلبہ ہیں میں ان سے بات چیت کر رہا ہوں اور ان سے گفتگو کرنے کے لیے معقولیت اور سلیس لب و لہجہ میں گفتگو کرنی ہوگی ورنہ وہ اسے قبول نہیں کر , گے- آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایسے لب و لہجہ میں اپنی کتابیں لکھیں کہ ہر طبقہ اسے پڑھے اور ہمارے عقائد و نظریات کی طرف متوجہ ہو اور ہمارے سروں سے انتہا پسندی کا الزام دور ہو، یہی وجہ ہے کہ مجھے Ûون ممالک کے اکثر خطّوں سے مبارکبادی کے بے شمار خطوط موصول ہوئے- جب میں ہندوستان آیا تو چند علما کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر نے کہا کہ ہم نے آپ کی فلاں فلاں کتابیں پڑھی ہیں اور ہم نے ان سے خوب استفادہ کیا- ویسے Ì اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ **ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و جا د لھم بالتی ھی احسن**-

سوال:- تبلیغ و اشاعت د + میں حسن اخلاق کی کیا اہمیت ہے؟

مولانا عبدالحکیم شرف قادری:- مذکورہ آیت جو میں نے پیش کی ہے یہ تبلیغ و اشاعت د + میں حسن اخلاق کی طرف اشارہ کرتی ہے اور Cتی ہے کے اپنے مخالفین سے c و مباحثہ اور جھگڑا اچھے طریقہ پر کر , -اس ضمن میں میں ایک واقعہ کو C تا چلوں کہ فرانس کے معروف فاضل ڈاکٹر حمید اللہ کے پاس ایک خاتون ملنے کے لیے آئیں اور ملاقات کے وقت مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا، کیوں کہ -رپ و امریکہ اور فرانس و جرمنی میں یہ عام سی بات ہے کہ عورتیں مردوں سے ہاتھ ملاتی ہیں اور اگر انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور آپ نے نہیں ملایا تو اسے غیر اخلاقی حرکت اور باعث تحقیر و تذلیل سمجھا جاتا ہے، تو جب اس خاتون نے ڈاکٹر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے مصافحہ نہیں کیا اور فرمایا دیکھئے محترمہ

آپ ناراض نہ ہوں، اسلام نے قرآن پاک کو اتنا احترام دیا ہے کہ بغیر وضو اسے کوئی ہاتھ ا نہیں لگاتا اور اسی اسلام نے عورت کو اتنا تقدس اور احترام دیا کہ بغیر نکاح اسے ا کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا تو وہ ان کی شکر گزار ہوئی- اسی طرح انہوں نے پردے کے بارے میں ا فرانس میں ایسی حکمت کے ساتھ تبلیغ فرمائی کہ فرانس جیسے عریانیت شعار ملک میں کتنی عورتیں پردہ کرنے لگیں، انہوں نے فرمایا کہ عورتوں کی یہ نفسیات ہے کہ وہ اپنے حسن کی حفاظت چاہتی ہیں، وہ نہیں چاہتیں کہ ان کا حسن ماند پڑے تو جسم کے وہ حصے جو کھلے ہوتے ہیں وہ تمازت، گرد و غبار اور ماحول کے زیر اثر جلدی بدرنگ ہو جاتے ہیں، مگر وہ حصے جو چھپے ہوتے ہیں وہ ویسے ہی تر و تازہ رہتے ہیں، لہٰذا 1 سی عورتیں وہاں پردہ کرنے لگیں-اگر ہم اپنی تحریروں اور تقریروں میں تبلیغ و اشاعت د + کے لیے حسن اخلاق برتیں گے تو بلاشبہ اسلام ترقی کے منازل طے کرنا شروع کردے گا-□□□

(شمارہ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

زیب سجادہ خانقاہ قادریہ، بدا-ں (-پی)

بدا-ں کی مٹی بڑی زرخیز کہی جاتی ہے، اس خاک سے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے ہیں جن کی تابانیوں سے اسلامیان ہند کی تاریخ ہر دور میں منور رہی ہے، اسی مردم خیز خطے کو چھٹی صدی ہجری میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ایک بزرگ قاضی دانیال قطری نے اپنا مسکن یا، ان کی اولاد میں علم وفن کا ایسا تسلسل قائم ہوا کہ اس وقت سے لے کر آج تک یہ خاندان علم ظاہر و باطن میں ملت کی قیادت کررہا ہے، کسی ایک خاندان میں علم وفن اور تصوف و روحانیت کا ایسا سلسلہ جو آٹھ صد-ں پر محیط ہو، حیرت انگیز ا ہے اور نادر ا کم از کم برصغیر ہند و پاک میں ایسی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی- احقاق حق اور ابطال باطل کے سلسلہ میں گزشتہ دو صد-ں میں اس خاندان کے اکابر کی خدمات اتنی نمایاں ہیں کہ ان کے ذکر کے بغیر جماعت اہل سنت کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی- اسی خانوادے کے چشم و چراغ، تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدا-نی کے پوتے، عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدا-نی کے صاحبزادے اور خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کی روحانی امانتوں اور روایات کے وارث، شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری ہیں، جن کی ولادت ۲۶ رشعبان ۱۳۵۸ھ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ہوئی، تعلیمی مراحل اپنے آبائی مدرسے مدرسہ قادریہ میں طے کیے- آپ کی متعدد کتابیں اور نعت ومناقب کے مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں- آپ اپنی خاندانی اور خانقاہی روایتوں کے پابند، اخلاق وتواضع میں اپنے اکابر کا نمونہ، میانہ روی، توازن و اعتدال، صبر وتحمل اور اعلیٰ ظرفی میں سلف کی یادگار ہیں- ۲۰۱۰ء میں آپ کی سجادگی کو پچاس سال مکمل ہوگئے ہیں- آپ کی اصلاحی، تبلیغی، تعلیمی اور تعمیری خدمات کا سلسلہ نصف صدی کو محیط ہے-

سوال:-خانوادۂ عثمانیہ اور خانقاہ قادریہ بدا-ں کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں خاندان عثمانی بدا-ں کے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری قطب الد + ایبک کے لشکر کے ہمراہ ہندستان آئے،شمس الد + التمش جب بدا-ں کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے حضرت دانیال قطری کو بلا کر بدا-ں کا قاضی مقرر کیا،جب سے اب تک انقلابات زمانہ کے باوجود یہ خاندان یہیں آباد ہے،اور گزشتہ آٹھ سو سال سے د + وملت کی خدمت کر رہا ہے-

جہاں تک خانقاہ قادریہ کے تاریخی پس منظر کا سوال ہے تو عرض ہے کہ اس خاندان میں ابتدا ہی سے علم ظاہر کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک اور روحانیت کی طرف رجحان رہا،خود ہمارے مورث اعلیٰ قاضی دانیال قطری حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید وخلیفہ تھے،اسی طرح ہر دور میں اس خاندان کے افراد صوفیا واولیا کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے رہے اور دوسروں کو Ì فیض بخشتے رہے،تیرہو , صدی کے اوائل میں حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدا-نی مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے،شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی خدمت میں رہے،سلوک کی منزلیں طے کیں،اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے،حضور اچھے میاں قدس سرہ کی حیات مبارکہ تک حضرت عین الحق قدس سرہ مارہرہ شریف میں ہی رہے،۱۲۳۵ھ میں حضور اچھے میاں قدس سرہ نے وصال فرمایا اس کے ^ حضرت شاہ عین الحق قدس سرہ بدا-ں تشریف لائے اور مخلوق خدا کی اصلاح وہدایت اور تزکیہ وتصفیہ میں مصروف ہوگئے،گویا انہوں نے خانقاہ قادریہ بدا-ں کی بنیاد رکھی،اس کے ^ سے یہ سلسلہ آج تک قائم ہے-

سوال:-آپ نے Ì حضور اچھے میاں صاحب سے خلافت ملنے کا ذکر کیا،اس پر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مارہرہ اور بدا-ں کے درمیان رشتے کیسے رہے ہیں؟اور آج ان رشتوں کی کیا نوعیت ہے؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-مارہرہ اور بدا-ں کے درمیان رشتے پہلے دن سے

لے کر آج تک ویسے ہی ہیں جیسے ایک خادم اور مخدوم کے درمیان ہونا چاہیے،میں نے Ì عرض کیا کہ حضرت شاہ عین الحق بیعت ہونے کے ^ مارہرہ شریف ہی میں رہے،وہاں پر صاحبزادگان کی تعلیم وتربیت آپ کے سپرد کی گئی،آپ نے یہ خدمت انجام دی،جب شمس مارہرہ کے وصال کے ^ آپ مستقل بدا-ں آگئے تو صاحبزادگان کا حصول علم کے لیے بدا-ں آنا شروع ہوگیا،حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی،اور حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری سمیت کم از کم ۱۵ شہزادگان کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں جن کی تعلیم وتربیت کرنے کا اعزاز بدا-ں والوں کو حاصل ہوا،اس کے علاوہ حضرت خاتم الاکابر نے اپنے دونوں صاحبزادگان حضرت سید شاہ ظہور حسین اور حضرت سید شاہ ظہور حسن کو با اصرار حضرت شاہ عین الحق سے اجازت وخلافت دلوائی،حضرت نوری میاں قدس سرہ حضرت تاج الفحول کی محبت کو سنیت کی علامت فرماتے تھے،یہ سب مخدومانہ کرم فرمائیاں ہیں،تاریخ کے اس لمبے سفر میں کچھ نازک موڑ Ì آئے،لیکن بدا-ں نے اپنی خادمانہ حیثیت کبھی فراموش نہیں کی اور آج Ì ہم فخر سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب مارہرہ مطہرہ کا فیض ہے-

سوال:-مدرسہ قادریہ کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟اس ادارے نے اہل سنت کو کس طرح کے افاضل دیے ہیں؟اور آج یہ تاریخی ادارہ کس حال میں؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-قاضی دانیال قطری کے صاحبزادے قاضی رکن الد + نے بدا-ں میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا،اس کے ^ یہ سلسلہ مختلف ناموں سے چلتا رہا،اور ہمارے خاندان کے افراد اپنے اپنے زمانے میں درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے،بارہو , صدی ہجری کے اواخر میں dالعلوم حضرت مولانا محمد علی عثمانی بدا-نی کے درس کا شہرہ ہوا،آپ کی درسگاہ مدرسہ محمدیہ کے نام سے موسوم ہوئی،تیرہو , صدی کی تیسری دہائی میں حضرت سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدا-نی قدس سرہ نے خاندانی دستور کے مطابق درس وتدریس کا آغاز کیا تو مدرسہ محمدیہ کا نام ''مدرسہ قادریہ'' رکھ دیا گیا،اس طرح اب مدرسہ قادریہ اپنے قیام کے دوسو سال مکمل کرنے جا رہا

ہے، پہلے معمول تھا کہ خاندان کے بزرگ ہی مدرسہ قادریہ میں درس دیا کرتے تھے، یہ سلسلہ حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدا-نی قدس سرہ کے ابتدائی عہد تک جاری رہا، جب مفتی اعظم عدالت عالیہ کی حیثیت سے ریاست حیدرآباد میں حضرت کا تقرر ہوا تو آپ مستقل طور پر حیدرآباد میں قیام پذیر ہوگئے، مدرسہ کے لیے آپ نے چند مدرسین کا تقرر کر دیا، حضرت کے وصال کے ^ Ì مدرسہ کسی نہ کسی صورت میں چلتا رہا، مدوجزر کہاں نہیں آتے، لیکن رب مقتدر کا شکر واحسان ہے کہ اب پھر مدرسہ قادریہ تیزی سے ترقی کی طرف گامزن ہے، میرے دونوں بیٹے عزیزی اسیدالحق قادری اور محمد عطیف قادری اپنے اسلاف کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے مدرسہ قادریہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان بچوں کی صلاحیتیں اور جذبہ دیکھ کر روشن مستقبل کی امید ہو چلی ہے-

اس سوال کا جواب کہ ''اس مدرسہ نے اہل سنت کو کس قسم کے افاضل دیے ہیں''، ذرا تفصیل چاہتا ہے، مختصراً آپ اتنا سمجھ لیں کہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ۱۲۶۰ھ سے لے کر ۱۳۲۰ھ تک حق وباطل کے درمیان جو قلمی جنگ ہوئی ہے اس میں آپ کو مدرسہ قادریہ کے فاضلین اور ان کے تلامذہ اور فیض یافتہ ہی صف اول میں نظر آئیں گے-

سوال:-قطع کلام پر معذرت چاہتے ہوئے ہم عرض کر , گے کہ ا Ì آپ نے حق وباطل کی کشمکش کا ذکر کیا، ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہابی تحریک کے خلاف خاندان عثمانیہ اور مدرسہ قادریہ کی کیا خدمات ہیں؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:- شاہ اسماعیل دہلوی نے جب اہل سنت کے مسلک سے انحراف کرتے ہوئے بدعقیدگی پھیلانا شروع کی، اور تقویت الایمان کے ذریعہ کتاب التوحید کے غلط عقائد رائج کرنے کے درپے ہوئے، تو بالکل ابتدا میں تقویت الایمان کا رد کرنے والوں میں حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدا-نی کا نام ملتا ہے آپ نے تقویت الایمان کے رد میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جو غیر مطبوعہ ہے اور کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے، اس کے ^ آپ کے صاحبزادے سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول بدا-نی قدس سرہ نے تو اس محاذ کی قیادت فرمائی، المعتقد المنتقد، سیف الجبار، بوارق

محمدیہ، فصل الخطاب، حرز معظم، فوز المؤمنین، احقاق حق، تلخیص الحق، تصحیح المسائل، وغیرہ کتب ورسائل تصنیف فرما کر حق وباطل میں خط امتیاز کھینچ دیا، ^ کے سارے معرکے انہیں کے ¯ ئے ہوئے خطوط پر سر کیے گئے، اس کے ^ حضرت کے صاحبزادوں حضرت مولانا محی الد + قادری اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدا-نی اور ان کے تلامذہ نے محاذ کی کمان سنبھالی اور احقاق حق کا حق ادا کر دیا-

مدرسہ قادریہ کے فضلا نے تحریک وہابیہ کے رد میں جو قلمی جہاد کیا ہے اس کی تفصیل طوالع الانوار اور اکمل التاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے- یہاں میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے گزشتہ دو سال سے ایک منظّم منصوبے کے تحت اکابر خانوادۂ قادریہ کی کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے، اس سلسلہ میں وہ ساری کتابیں دوبارہ جدید انداز میں شائع کی جارہی ہیں جو ہمارے اکابر نے بدعقیدوں کے رد میں تصنیف فرمائی تھیں، ان کتابوں کی جدید اشاعت وقت کی ضرورت تو ہے ہی ساتھ میں اس بات کا ثبوت Ì ہے کہ مدرسہ قادریہ نہ صرف یہ کہ آج Ì اپنے اسلاف واکابر کی روش پر قائم ہے بلکہ منکر + عظمت رسالت کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں آج Ì کسی سے پیچھے نہیں ہے-

سوال:-کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ ایک طبقے نے دانستہ طور پر بدا-ں اور اہل بدا-ں کی خدمات کو نظر انداز کیا، اور ان کو تاریخ میں وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ O طور پر مستحق تھے؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-اس پر میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاèہتا، اپنے اسلاف کی خدمات کو منظر عام پر لانے کے لیے ہم سے جو کچھ ہوسکتا ہے ہم کر رہے ہیں، باقی کسی دوسرے سے نہ کوئی توقع وابستہ کی ہے اور نہ ہی کوئی شکایت ہے-

سوال:-خود آپ کی شخصیت کے ساتھ Ì انصاف نہیں کیا گیا، اور oo% فروعی مسائل کی بنیاد پر بدا-ں کو جماعتی دھارے سے کاٹ کر رکھ دیا گیا، اس پر کیا کہیں گے؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-اس پر وہی کہنا چاہوں گا جو میرے اسلاف کا طریقہ رہا ہے کہ **انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ** اس بارے میں Ì مجھے کسی سے کوئی شکایت

نہیں ہے:

از ما S حکایت مہر ووفا مپرس

ما قصہٴ سکندر و دارانخواند*

سوال:-موجودہ حالات میں تمام خانقاہوں اورسنی مراکز کا اتحاد کتنا ضروری ہے؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:- بے حد ضروری ہے، اور وقت کا اہم تقاضا ہے، مگر یہ خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے جب اتحاد ¯ م اہل سنت ہو-

سوال :-آپ کی عہد سجادگی کے پچاس سال مکمل ہورہے ہیں، ان پچاس برسوں میں خانقاہ قادریہ نے کیا خدمات انجام د , ؟ اور آپ کے عہد سجادگی میں خانقاہ کی توسیع واستحکام کا کتنا کام ہوا؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-گزشتہ پچاس برسوں سے خانقاہ قادریہ میں جاروب کشی کی خدمت انجام دے رہا ہوں، اس عرصے میں اہل سلسلہ کی تعلیم واصلاح کے علاوہ د + وسنیت کے فروغ واشاعت، اور خانقاہ کی تعمیر وترقی کے لیے جو کچھ ضروری سمجھا گیا وہ حسب صلاحیت اور وسائل کیا گیا-

خانقاہ اور درگاہ میں حسب ضرورت نئی عمارتیں تعمیر کی گئیں، درگاہ قادریہ کے بالمقابل عظیم الشان مہمان خانے کی عمارت تعمیر ہوئی، ; اد شریف میں درگاہ غوث اعظم کے بالمقابل جو مہمان خانہ ہے اس کا نام ''د-ان خانہ'' ہے، ہم نے اسی مناسبت سے اس عمارت کا نام ĩ ''د-ان خانہ'' رکھا ہے، کتب خانۂ قادریہ کے لیے ĩ نئی عمارت تعمیر کی گئی، اور چند سال پہلے کتب خانے کی تزئین وتجدید کا کام ĩ مکمل ہوا، یہ تاریخی کتب خانہ ہے جس میں ہزاروں قد * مطبوعات کے علاوہ تقریباً ایک ہزار نادر و نایاب قلمی نسخے ہیں، مدرسہ قادریہ کے لیے ĩ جدید عمارت تعمیر کی گئی، مدرسے کی نشاۃ ثانیہ کی گئی اب پھر درس وتدریس کا سلسلہ پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے اور مزید ترقی کے لیے کئی منصوبے زیر غور ہیں، مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ''تقویہ اسلامیہ گرلز انٹر کالج بدا-ں'' قائم کیا گیا، جو آج بدا-ں ضلع کے چند معیاری کالجوں میں سے ایک ہے، بدا-ں

کی مرکزی عمارت ''گھنٹہ گھر'' جو مولانا عبدالماجد بدا-نی کی یادگار ہے اس میں عوام کے لیے ''مولانا عبدالماجد بدا-نی پبلک لائبریری'' کا قیام کیا گیا، اکابر بدا-ں کی تصنیفات کی اشاعت کے لیے پہلے ادارہ مظہر حق قائم کیا گیا تھا، جس نے اشاعتی خدمات انجام د , ، پھر اس کا نام بدل کر تاج الفحول اکیڈمی کر دیا گیا جو بحمدہ تعالیٰ اشاعتی میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے، ملت کے نوجوانوں کو عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے الازہر انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں لایا گیا، جو فی الحال د-ان خانے کی عمارت میں چل رہا ہے اس کے لیے الگ سے زمین حاصل کر لی گئی ہے، جلد ہی تعمیر شروع ہونے والی ہے، اس میں فی الحال تین کورس چل رہے ہیں، M.B.A. B.B.A. B.C.A کوشش کی جارہی ہے کہ اگلے سال سے B.Sc(I.T.) اور B.Ed کی کلاسز ĩ شروع ہو جائیں-

اسی طرح خانقاہ قادریہ کے زیر انتظام اور ĩ کئی ادارے مختلف میدانوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں، جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں ہے- یہاں یہ C نا ضروری ہے کہ یہ تعمیر وترقی میرے بس کی بات نہیں تھی اگر میرے عزیز حافظ عبدالقیوم قادری سلمہ ناظم اعلیٰ مدرسہ قادریہ اور منتظم خانقاہ قادریہ یہ ذمہ داریاں اپنے سر نہ لیتے -**جزاہ اللہ تعالیٰ**

سوال:-عام طور پر خانقاہی شہزادے علم وعمل سے دور ہوتے جارہے ہیں، لیکن خانقاہ قادریہ بدا-ں اس سے مستثنیٰ ہے، اس خانقاہ میں مولانا اسید الحق قادری جیسا عالم و محقق ہے، مولانا عطیف قادری جیسا باصلاحت عالم اور خطیب ہے اور تیسرے صاحبزادے مولانا محمد عزام قادری ĩ علم وفکر کے منازل طے کررہے ہیں، ان سے ĩ جماعت کو توقعات ہیں، سوال یہ ہے کہ آپ کی تعلیم وتربیت کا وہ کون سا انداز تھا کہ جس نے آپ کے صاحبزادوں کو اس مقام تک پہنچایا، اگر اسے جام نور کے قارئین کے ساتھ Share کر , تو یہ بات دوسرے ارباب خانقاہ کے لیے اپنے شہزادوں کی تربیت میں معاون ہوگی؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-پہلی بات تو یہ ہے کہ:

ا , سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسرے یہ کہ میں نے ان کو ہمیشہ یہی تاکید کی کہ دوران تعلیم خود کو کبھی پیرزادہ اور صاحبزادہ نہ سمجھیں، اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کر , اور پوری محنت سے تعلیم حاصل کر , ،خدا کا شکر ہے کہ ان لوگوں نے اس پر عمل کیا، اور ان شاء اللہ یہ اپنے اسلاف کا نام روشن کر , گے بلکہ کر رہے ہیں-

سوال :-آج جب کہ آپ کے تینوں صاحبزادوں نے علم وبصیرت کی آنکھیں کھول لی ہیں، ان کے ساتھ خانقاہ قادریہ کا مستقبل کا منصوبہ کیا ہے؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:-کسی نے کہا ہے:

کیے تھے کام کچھ ہم نے Ì جو کچھ ہم سے بن آئے
یہ باتیں جب کی ہیں باقی تھا جب عہد شباب اپنا
جو سچ پوچھو تو اب ساری امید , بس تمھیں سے ہیں
جواں ہو تم لبِ بام آچکا ہے آفتاب اپنا

مجھے امید ہے کہ یہ a کامیاب منصوبہ بندی کر , گے، بزرگوں کی ارواح کو خوش کر , گے، میری دعائیں ہر وقت ان کے ساتھ ہیں-

سوال:-ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری:- جام نور واقعی ملت کا ترجمان ہے، یعنی اسم با مسمیٰ ہے ،آپ نے اپنے محترم دادا کی یاد تازہ کر دی ہے، رب مقتدر آپ کے حوصلوں کو جوان رکھے، آپ سے صرف اتنا ہی کہوں گا کہ:

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

رہا سوال قارئین کا، تو میں Ì ایک قاری ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس کا مطالعہ ملّت کے لیے، ملّی معاملات میں ذہنی تناؤ سے چھٹکارے اور صحیح رائے قائم کرنے میں مددگار ثابت ہوگا-❑❑❑

(شمارہ فروری ۲۰۱۰ء)

مولانا عبدالمبین نعمانی

بانی رکن ''المجمع الاسلامی'' مبارک پور و مہتمم دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو (-پی)

مولانا عبدالمبین نعمانی کا شمار برصغیر کی عظیم درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر فرزندوں میں ہوتا ہے- موصوف ایک پختہ قلم کار، باصلاحیت مدرس ، کامیاب مبلغ اور ایک اچھے مذہبی صحافی کے طور پر جانے جاتے ہیں-مسلکی و جماعتی اصلاحات کا جذبہ، امانت داری، تقویٰ اور پرہیز گاری آپ کے نمایاں اوصاف ہیں-تعلیم سے فراغت کے ^ آپ ایک عرصے تک الجامعۃ الاشرفیہ میں بحیثیت استاذ اور اس کے ترجمان ''ماہنامہ اشرفیہ'' کے مدیر اعلیٰ رہے- آپ نے اپنے احباب مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا افتخار احمد مصباحی کے ساتھ مشترکہ جدو جہد اور نجی وسائل سے اہل سنت کی گراں قدر کتابوں کی اشاعت اور ریسرچ کے لیے ''المجمع الاسلامی'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی جو آج مبارک پور اعظم گڑھ میں اپنی مستقل عمارت کے ساتھ علمائے اہل سنت کی پچاسوں کتابیں شائع کر چکا ہے- آپ نے چریاکوٹ ضلع مئو میں Ì میں ایک دینی درس گاہ ¯م دارالعلوم قادریہ قائم کیا ہے جو ترقی پذیر ہے- اب تک آپ کے لاتعداد فکر انگیز مضامین اور اصلاح معاشرہ پر مبنی کئی چھوٹی بڑی تصانیف منظر عام پر آکر مقبول ہو چکی ہیں، جن میں ''عورت اور ہمارا معاشرہ''، ''معاشرے کی چند خرابیاں'' اور ''لوٹری و شراب کی برائیاں'' وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں- آپ ایک پیر طریقت اور مصلح قوم ملت کے طور پر Ì متعارف ہیں-نوجوان علما کی علمی و قلمی تربیت اور حوصلہ افزائی Ì برابر کرتے رہے ہیں- دعوت و اصلاح کی عالم گیر تحریک ''دعوت اسلامی'' کے حامی و مبلغ کے طور پر Ì آپ کو جانا جاتا ہے- المختصر آپ ایک تعمیری فکر اور اصلاحی مزاج شخصیت کے مالک ہیں-

سوال :- جماعت اہل سنت تحریری وتصنیفی حیثیت سے آج کس مقام پر کھڑی ہے اوراس کا تحریری مستقبل کیا ہے؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:- تحریری وتصنیفی لحاظ سے جماعت اہل سنت کا حال، ماضی قریب کے مقا " میں بہتر ہے اور مستقبل میں مزید بہتری کی توقع ہے- پہلے کے مقا » میں اس وقت لکھنے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے جو یقیناً خوش آیند ہے، لیکن یہ ترقی Ì ماضی کے اہل قلم اکابر کی ہی رہین منت ہے، تاجدار علم وحکمت شہنشاہ قلم امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے ^ صدر الشریعہ اعظمی، حضرت صدر الافاضل مراد آبادی، سرکار مفتی اعظم ہند نوری بریلوی، حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی، مفتی سید محمد افضل مونگیری، صدر العلما سید غلام جیلانی میرٹھی، شمس العلما قاضی شمس الد + جونپوری، استاذ العلما حضور حافظ ملت مراد آبادی، شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، پاسبان ملت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی، مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی، رئیس التحریر والقلم علامہ ارشد القادری بلیاوی، شارح g ری مفتی محمد شریف الحق امجدی گھوسوی، فقیہ ملت مفتی جلال الد + احمد امجدی، بدر ملت مولانا بدرالد + احمد گورکھپوری، علیہم الرحمۃ والرضوان کی تصنیفی خدمات کو ہرگز بھلایا نہیں جاسکتا، آج انہیں اکابر کا فیضان ہے کہ ہمیں قلم پکڑنا آ گیا اور آج ہم انہیں اکابر کی تصانیف کے سہارے جی رہے ہیں-

سوال:- دعوت اسلامی جیسی عالمی تنظیم سے آپ Ì بحیثیت مبلغ وابستہ ہیں، کیا آپ C سکتے ہیں کہ سنیت اور اسلام کی اشاعت میں وہ کتنی کامیاب رہی ہے؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:- تحریک دعوت اسلامی یقیناً اہل سنت و جماعت کی ایک عالمی تنظیم ہے، جس کی تبلیغ ودعوت کا دائرہ تقریباً دنیا کے ساٹھ ملکوں تک پھیلا ہوا ہے جس سے کئی کروڑ سنی مسلمان وابستہ ہیں اور لاکھوں مسلمان گناہوں سے تائب ہوکر سنت و شریعت کے پابند ہو چکے ہیں، کتنی ویران مسجد , دعوت اسلامی کے صدقے میں آباد ہو چکی ہیں، کتنے وہ مسلمان جو ٹوپی Ì پہننا گوارہ نہیں کرتے تھے آج اپنے سروں کو عماموں سے

سجائے ہوئے ہیں، اور کتنے محلوق اللحیہ باریش ہوکر سنت کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں- آج کے ایک بڑے پیر صاحب نے دعوت اسلامی کے مثبت اثرات سے متاثر ہوکر فرمایا-'' میں کیا میرے والد گرامی Ì جن مریدوں کو ٹوپی نہ اڑھا سکے آج مولانا الیاس قادری کی دعوت اسلامی نے ان کے سروں کو عماموں سے سجادیا ہے-'' شارح g ری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے خود اپنا مشاہدہ Ò ن کیا کہ، کراچی کے فیضان مدینہ مرکز دعوت اسلامی میں ہفتہ واری اجتماع میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ ہمارے یہاں بڑی بڑی کانفرنسوں میں نہیں ہوتی اور بڑے بڑے سیٹھ جو کسی بڑے سے بڑے جلسے میں Ì جانے کا وقت نہیں نکالتے وہ ہفتہ واری اجتماع میں سڑکوں پر رو رو کر دعائیں مانگتے نظر آتے ہیں، دینی اجتماعات میں شرکت کا یہ شوق اور اپنے گناہوں سے رو رو کر توبہ کرنے کا یہ جذبہ صرف دعوت اسلامی کی د + ہے- جسے میں 1 بڑی کامیابی سمجھتا ہوں اور یقیناً یہ کامیابی صرف اسلام وسنت کی ہے اور د + وشریعت کی-

سوال:- کچھ سالوں سے اس تنظیم کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ یہ سنیت سے منحرف ہوکر وہابیت کی جانب جارہی ہے، جس پر باقاعدہ کچھ مفتیان کرام اور علما نے فتاوے صادر کیے، اس کے خلاف کتا a اور پوسٹر شائع نکالے گئے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کی گئی، آخر سچائی کیا ہے؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:- میں نے دعوت اسلامی کا 1 گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس کے ذمہ داروں سے Ì ملاقاتیں کی ہیں، اور خود امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس عطا رقادری سے Ì کئی بار ملا ہوں، میں نے ان کی تقریر یا نجی گفتگو میں یا ان کے کسی لٹریچر میں مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف کوئی بات نہیں دیکھی اور مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کو جھوٹا اور غلط پایا، حضرت مولانا مفتی محمد نظام الد + صاحب رضوی سینئر مفتی دار الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے چند سال پیشتر حج وزیارت سے واپسی پر اپنا واقع Ò ن کیا کہ میں حضرت مولانا محمد الیاس قادری کے پاس بیٹھا تھا، گفتگو ہو رہی تھی، مجھ سے شرعی مسائل پوچھے جارہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب نے پوچھا، وہاC ں کے پیچھے نماز

پڑھنا کیسا ہے، میں نے کہا کہ اس کا جواب حضرت مولانا (محمد الیاس قادری) د , گے، اس پر انہوں نے فرمایا: وہاçں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اس بات کو مفتی صاحب نے متعدد مجالس میں Ôن فرمایا ہے اور آج ĺ ان سے اس کی تصد& کی جاسکتی ہے- ان کا مطبوعہ Ôن موجود ہے کہ" میں حسام الحرمین شریف کی تصد& کرتا ہوں اور جن جن گستاخان رسول کو سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے میں ĺ ان کو کافر سمجھتا ہوں-" آپ نے یہ ĺ فرمایا بلکہ تحریر شائع کی کہ" علمائے کرام بد مذہبوں کا رد کر , جنہیں اس فن میں مہارت ہو، عام مبلغین کو رد کی اجازت نہیں دی جاتی وہ صرف فضائل Ôن کر , اور وہ مسائل جو اچھی طرح یاد ہوں یا کتابیں دیکھ کر Ôن کر , بلکہ اسی کو ترجیح ہے-"

میرا خیال ہے کہ یہ موقف ان کا بالکل صحیح ہے، اس کو بنیاد — کر ان کے اوپر کوئی فتویٰ لگانا درست نہیں- اس سلسلے میں جو حضرات بدگمان ہیں ان کو اپنی بدگمانی دور کر لینی چاہیے، اور دیکھیے فتوے کا معاملہ ہے کہ سائل جیسا Ôن دے گا مفتی ویسا ہی حکم دے گا- میں نے دیکھا کہ 1 سی باتیں بے بنیاد دعوت اسلامی کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں پھر ان پر فتاوے حاصل کر کے شائع کیے جاتے ہیں، میرے پاس اس کے کئی شواہد موجود ہیں- ا ĺ حال ہی میں مولانا محمد الیاس قادری کے نام ایک فرضی خط — کر فتویٰ حاصل کیا گیا، جب مولانا سے رجوع کیا گیا تو فرمایا نہ میں نے ایسی کوئی تحریر دی ہے نہ زبانی Ôن دیا ہے- اس فرضی خط کی پوری داستان اور اس پر مرکزی دارالافتاء بریلی شریف کا شرعی حکم شائع ہو چکا ہے جس پر کئی ایک دیگر علما کی تصدیقات ĺ ہیں، جسے مولانا مفتی محمد خوشنود عالم احسانی قادری برکاتی رضوی استاذ دارالعلوم غریب نواز مرزا غالب روڈ، الہ آباد (- پی) نے شائع کر دیا ہے، موصوف نے دو اور کتابیں شائع کی ہیں، جن کے نام یہ ہیں" دعوت اسلامی سے محبت کیوں؟" "اور دعوت اسلامی اکابر علمائے اہل سنت کی نظر میں" جن کو تفصیل درکار ہو وہ مذکورہ بالا کتابیں مطالعہ میں لائیں-

میں نے دیکھا کہ اکثر علمائے کرام جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے مخالفت کرتے تھے جب

ان کو حقائق سے آگاہ کیا گیا تو مطمئن ہو گئے اور اب ĺ جو مخالف ہوں گے اس کی وجہ یہی ہوگی کہ ان کو حقائق سے آگاہی نہ ہوئی ہوگی، غلط فہمی کی ایک بڑی وجہ یہ ĺ ہے کہ o% لوگ مناظرہ، فتویٰ اور دعوت و تبلیغ سب کو یکساں سمجھتے ہیں جب کہ ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے، ہر کام کے لیے علیحدہ علیحدہ آدمی ہوتے ہیں- نہ ہر آدمی مناظرہ کر سکتا ہے نہ ہر عالم فتویٰ دے سکتا ہے نہ ہی دعوت و تبلیغ سب کے بس کی بات ہے- اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے رجال پیدا کیے ہیں، دعوت اسلامی کے بانیوں میں قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ہیں، اس کے طریقہ کار کو طے کرنے والے ĺ علامہ ہی ہیں، حتی کہ اس کی اصطلاحات ĺ علامہ ہی کی وضع کردہ ہیں- ایک وقت وہ ĺ آیا کہ حضرت علامہ ہی کو لوگوں نے غلط فہمی میں ڈال دیا تھا، لیکن جب ان کے سامنے حقائق رکھے گئے تو فوراً انہیں بات سمجھ میں آ گئی پھر وہ کھل کر دعوت اسلامی کی تائید کرنے لگے- اس کی تائید کے سلسلے میں جو خط علامہ نے میرے نام تحریر کیا ہے وہ رسائل اور کتابوں میں بارہا چھپ چکا ہے، مولانا خوشنود عالم صاحب کی کتاب میں ĺ وہ خط موجود ہے، انتقال سے کچھ پہلے سید پورہ بلیا (اپنے گاؤں) جاتے ہوئے حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے خود مجھ سے فرمایا کہ" ایک الیاس قادری نے پوری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا-" اور فرمایا کہ" باضا , مرکز قائم کرو اور قوم کی تربیت کا انتظام کرو، صرف دورہ کرنے سے کام نہیں چلنے والا ہے- اصلاح کے لیے ایک جگہ بیٹھنا ہوگا- اس سلسلے میں میری کوئی ضرورت ہو تو میں تیار ہوں"-

حضرت شارح g ری مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سے شروع شروع میں جب میں نے دعوت اسلامی کی بات کی تو حضرت ناراض ہو کر فرمانے لگے" چپ رہیے مولانا! آپ نہیں جانتے" - واقعی میں اس وقت چپ ہو رہا اور اس وقت میں زیادہ معلومات ĺ نہیں رکھتا تھا، لیکن کچھ ہی دنوں کے ^ جب حضرت شارح g ری علیہ الرحمہ نے اطمینان کر لیا تو حاجی نگر کلکتہ کے اجتماع میں خود تشریف لے گئے اور میرے سامنے فرمایا" جی میں تو آتا ہے کہ دارالافتاء کو چھوڑ دوں، اب دعوت اسلامی ہی کا ہو کر رہ جاؤں، مگر پھر سوچتا ہوں کہ دارالافتاء کون سنبھالے گا؟" - مولانا مفتی محمد نسیم صاحب مصباحی اور

ماسٹر فیاض احمد صاحب اس کے گواہ ہیں اور آ کچھ حضرات تھے جن کے نام یاد نہیں، پھر یہ بات حضرت نے اور آ مواقع پر ارشاد فرمائی- محدث کبیر حضرت علامہ ضیا المصطفیٰ قادری شہزادہ صدر الشریعہ نے بار ہا ارشاد فرمایا ''میں دعوت اسلامی کو سنی تحریک سمجھتا ہوں، الیاس قادری کو سنی ہی کہتا ہوں بلکہ ممبئی میں جب %oo لوگوں نے ان کے خلاف فتویٰ لگانا چاہا تو میں نے ہی روکا کہ ان پر فتویٰ لگانا اور ان کو غیر سنی قرار دینا درست نہیں-'' ہاں! حضرت کا %oo طریقہ کار کے سلسلے میں اختلاف ہے، لیکن یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں اس لیے دعوت اسلامی کی تائید میں ایک فتوے پر حضرت محدث کبیر نے تصد & آ فرمائی ہے جو کتا a میں چھپ چکی ہے اور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری قادری (جانشین مفتی اعظم ہند) نے بار ہا ارشاد فرمایا کہ ''میں الیاس قادری کو رات کے اندھیرے میں سنی کہتا ہوں''- یہ بات حضرت نے میرے سامنے ارشاد فرمائی اور آ متعدد بار کئی مقامات پر ارشاد فرمائی، لہٰذا طریقہ کار کا تو اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن سنیت سے انحراف کا حکم لگانا بڑی جرأت اور جسارت کی بات ہے، یہ کوئی ذمہ دار اور دیندار آدمی نہیں کر سکتا، جو د + وحیا سے گزر جائے گا وہی ایسی حرکت کر سکتا ہے، ایسا کرنے والا معاند + اہل سنت کا در پردہ ایجنٹ ہوگا-

سوال:- دعوت اسلامی کے امیر مولانا الیاس عطار قادری صاحب کے خلاف لوگ یہ آ کہتے ہیں کہ وہ عالم د + نہیں، علما کو اہمیت نہیں دیتے اور ان کے اندر تصنع زیادہ ہے، اس لیے ایسے شخص کی قیادت قبول نہیں کرنی چاہیے- اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا عبد المبین نعمانی:- جہاں تک معروف معنی میں عالم د + ہونے کا سوال ہے یعنی درس نظامیہ کی تکمیل اور سند کی تحصیل تو مجھے اس سلسلے میں کوئی قطعی علم نہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ 1 سے درس نظامی کی تکمیل کرنے اور سند حاصل کرنے والوں سے ان کا علم بڑھا ہوا ہے، ان کا مطالعہ بڑا وسیع ہے، مسائل پر آ بڑی گہری نظر رکھتے ہیں، علمائے کرام سے برابر استصواب آ کرتے رہتے ہیں جو سنت انہیں معلوم ہو جاتی ہے اور شریعت کا جو آ مسئلہ ان کے علم میں آ جاتا ہے ان پر وہ سختی سے عمل کرتے ہیں اور اپنے متعلقین کو آ عمل کی

تلقین کرتے ہیں- اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے درس وسند کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے فتاویٰ رضویہ جلد دہم کو دیکھا جا سکتا ہے اس میں تفصیل موجود ہے- آج 1 سے بے سند اور بے پڑھے عالم ¶ پھرتے ہیں، ان کو علما میں شمار کیا جاتا ہے، علامہ لکھا اور کہا جاتا ہے جو محض اپنی چرب زبانی کی وجہ سے مقبول ہیں، ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتا کہ وہ عالم نہیں اور کتنے تو سند یافتہ ہو کر آ محض جاہل ہیں، ان کو آ کوئی جاہل کہنے کی جرأت نہیں کرتا، پھر مولانا محمد الیاس قادری جو اپنے علم وعمل تقویٰ اور جدوجہد کی بنیاد پر عالمی پیمانے کا دینی کام کر رہے ہیں جس کے نتائج آ سامنے ہیں، ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا تو صاف C رہا ہے کہ یہ کسی سازش کا شاخسانہ ہے تا کہ اہل سنت وجماعت کی 1/2تی ہوئی یہ تحریک دب جائے اور بدعقیدوں کو مزید کھیل کھیلنے کا موقع ملے- ہاں! اتنا ضرور کہوں گا کہ مولانا محمد الیاس قادری آ انسان ہیں، معصوم نہیں، غلطیاں ان سے آ ہو سکتی ہیں، افہام وتفہیم سے مسائل حل آ کیے جا سکتے ہیں، مگر ہر چھوٹی بڑی غلطی کو پہاڑ کر پیش کرنا اور دینی تحریک کو نقصان پہنچانا تو کسی طرح قر + قیاس نہیں- مولانا نے مجھ سے خود فرمایا اکابر اہل سنت و مفتیان کرام میری اصلاح کے لیے جو فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا- مزید فرمایا آپ فیضان سنت کو دیکھ ڈالیں اگر مجھ سے کہیں لغزش واقع ہوئی ہو تو مطلع کر , ، میں اس کی اصلاح کی کوشش کروں گا-

جہاں تک یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ علما کو اہمیت نہیں دیتے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی- میں نے علمائے کرام کو دیکھا کہ جب وہ ان کے پاس جاتے یا ان سے ملاقات ہوتی تو غایت درجہ تعظیم کرتے ہیں اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، %oo اپنی عمر سے کم عمر والے علما کا آ ہاتھ چومتے ہیں ہاں 1 سے علما سے اچانک ملاقات ہو جاتی ہے اور وہ نہیں جان پاتے یہ کون عالم ہیں تو ہو سکتا ہے تعظیم واحترام میں کوتاہی ہو جاتی ہے اور ایک عالمی پیمانے کے آدمی سے ایسی چوک لازمی ہے کیوں کہ سب کا جاننا پہچاننا آسان کام نہیں، ہم جیسے معمولی لوگوں سے آ ایسی چوک ہو جایا کرتی ہے، یہی حال تصنع کے الزام کا ہے کہ جو کوئی 1 بڑی تحریک کو لے کر چل رہا ہے جس کے ہزاروں دشمن آ ہیں، لمحہ لمحہ جس کا مصروف

ہے تو وہ 1 آسانی سے سب کو نہیں مل جائے گا اس کے لیے اپنے کو ریزرو رکھنا اَ اس کی اپنی مجبوری ہے اس کو اگر کوئی تصنع کہتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے پھر ہر آدمی ہر کسی کے معیار پر تو اتر نہیں سکتا لہٰذا جس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوئی اس نے جھٹ ریاکاری یا تصنع کا حکم لگا دیا یہ طریقہ تو نظر ثانی کا مستحق ہے نہ کہ تشہیر کا-

سوال:-سنی دعوت اسلامی کی دعوت اسلامی سے علیحدگی کی بنیاد , کیا ہیں- کیا یہ صحیح ہے، اور کیا آپ سنی دعوت اسلامی کی کارکردگی سے مطمئن ہیں؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:- دعوت اسلامی سے سنی دعوت اسلامی کی علیحدگی میرے سامنے نہیں ہوئی اس کی کیا بنیاد , ہیں میں صحیح طور سے Ò ن کرنے سے قاصر ہوں، جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ اس میں اَ غلط فہمیوں کو زیادہ د4 ہے- میں نے تحریری اور زبانی طور پر مولانا شاکر القادری سے اس سلسلے میں بات کی کہ یہ اختلاف دور ہو جائے مگر میں اپنی کوشش میں ناکام رہا، مولانا قمر الزماں اعظمی سے اَ میں نے گذارش کی، بالآخر میں نے یہ کہا اور تجویز رکھی کہ جہاں ان دونوں تحریکوں میں کوئی ایک تحریک کام کر رہی ہو وہاں دوسری تحریک اپنی سرگرمیاں شروع نہ کرے تاکہ کسی قسم کے تصادم کی نوبت نہ آئے، خدا کرے دونوں تحریکیں اس پر عمل پیرا ہو کر اور اپنے اپنے طور پر د + وسنیت کا کام کر , ، میں اس اختلاف کے سلسلے میں 1 زیادہ رنجیدہ اور فکرمند ہوں o% باتیں جو سامنے کی ہیں وہ اَ کہنا پسند نہیں کرتا کہ کہیں خلیج اور وسیع نہ ہو جائے، میں تو کام کا آدمی ہوں کام ہی پسند کرتا ہوں اور ہر کام کرنے والے کے لیے دعا گو اَ ہوں-

جہاں تک سنی دعوت اسلامی کی کارکردگی سے میرے مطمئن ہونے کا سوال ہے تو میں عرض کروں گا کہ اس کا جواب تو امیر سنی دعوت اسلامی ہی بہتر دے سکتے ہیں کہ وہ اپنی جماعت کی کارکردگی سے واقف ہیں- میرے پاس نہ تو معلومات زیادہ ہے نہ ہی قریب سے ان کی کارکردگی کو ملاحظہ کرنے کا موقع ملا ہے-

سوال:-حال ہی میں اپنے ادارہ المجمع الاسلامی کے ذریعہ وظائف کے ساتھ صحافتی و تصنیفی ٹریننگ کورس کا اعلان کیا ہے اس کا طلبۂ مدارس پر کتنا مثبت اثر پڑا ہے اور اس

پیش قدمی سے آپ کتنے پر امید ہیں؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:-اس اعلان سے طلبہ و علما پر اثر تو پڑا ہے مگر امید سے 1 کم، البتہ ہم پر امید ضرور ہیں جس کا صحیح اندازہ سال آئندہ نشست میں بیٹھنے والے طلبہ سے ہی ہوگا- ہمارے اساتذہ کرام اگر طلبہ میں تحریری صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کر , اور تحریک و ترغیب سے اَ کام لیتے رہیں تو مستقبل میں ہمیں اچھے اہل قلم بہ آسانی فراہم ہو سکتے ہیں، الحمد للہ o% مدارس بالخصوص الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تحریری سرگرمیاں شروع ہو چکی ہیں طلبہ کا ذوق بیدار ہو رہا ہے جو خوش آئند مستقبل کا غماز ہے-

سوال:-اس کورس میں تصنیف کی ٹریننگ تو سمجھ میں آتی ہے، مگر صحافت کی ٹریننگ کون دے گا؟ ہمارے مذہبی اداروں میں صحافت کا کوئی کورس نہیں ہے اور آپ کے اس کورس میں ٹریننگ دینے والا ہمارا کوئی عالم ہی ہوگا جسے صحافت میں (جہاں تک میں جانتا ہوں) Editing, Writing, Reporting اور Press laws سے متعلق کسی طرح کی معلومات نہیں، ایسے میں کیا یہ اعلان بے معنیٰ نظر نہیں آتا؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:-میں نے اپنے کسی اعلان میں باضا , صحافتی کورس کے اجراء کی بات ہی نہیں کی ہے کہ مجھ سے یہ سوال ہو کہ صحافت کی ٹریننگ کون دے گا- ہاں اتنا ضرور ہے کہ تصنیف اور مضمون نگاری کی جب صلاحیت پیدا ہو جائے گی تو صحافت کے میدان میں قدم رکھنا آسان ضرور ہو جائے گا اور اگر آئندہ ہمارے ادارے نے باضا , صحافت کی ٹریننگ کا کورس چلایا تو آپ جیسے ماہر صحافی کی خدمات اور مشوروں کو ضرور سامنے رکھا جائے گا اور ممکن ہوا تو تعاون اَ حاصل کیا جائے گا ان شاء اللہ-

سوال:-آپ نے اصلاح معاشرہ پر مبنی چھوٹی بڑی کئی کتابیں اور مقالات تصنیف و تحریر فرمائے ہیں جو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے، ایسے میں کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ جماعتی سطح پر بالعموم اچھی کتابیں تصنیف نہیں کی جاتیں جو اختلافی مسائل سے ہٹ کر عام آدمی کو متاثر کرے، اگر نہیں تو آپ کی نظر میں اس کی وجوہات کیا ہیں؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:-کسی صالح معاشرہ کی تشکیل میں مثبت و منفی دونوں پہلوؤں

کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے، اصلاح عقائد اور رد بد مذہبان کی ضرورت تو بنیادی ضرورت ہے کہ اس سے ہرگز صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، آج مسلک حق کا جو کچھ تحفظ ہے وہ انہیں کتابوں کا صدقہ ہے، ہاں اصلاح عقائد کے ساتھ اصلاح اعمال کی Ĭ 1 سخت ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اصلاح عقائد کی تحریک Ĭ پورے طور سے کامیاب نہیں ہوتی، بالخصوص عوام الناس کا حال تو یہ ہے کہ مخصوص چیزوں کی طرف جلد لپکتے ہیں- اعمال کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ اس کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے قوم زیادہ متأثر ہوتی ہے اور قوم اثر نہ لے جب Ĭ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور محرمات و مکروہات سے اجتناب و Ûاری امتثال امر بار ہی ہے جو¾ حال ہمیں انجام دینی ہے کہ اس میں رضائے الٰہی ہے، لہٰذا دونوں طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، میں نے Ĭ محسوس کیا اور اس خلا کو پر کرنے کی طرف ذرا سی توجہ دی الحمد للہ دیگر اہل قلم حضرات Ĭ اب اس جانب متوجہ ہو رہے ہیں، ناچیز سے جو Ĭ ہو سکے گا انشاء اللہ کرتا ہی رہوں گا، الحمد للہ ہمارے ادارہ المجمع الاسلامی مبارک پور نے Ĭ اس کی طرف خاص توجہ دی ہے، اسلامی اخلاق و آداب، رسوم شادی، دعوت میت، مزارات پر عورتوں کی حاضری، اصلاح رسوم، حقوق والد + ، اہمیت زکوٰۃ، اسلام اور تربیت اولاد، اسلامی معاشرت اور بندوں کے حقوق، میاں Çی اسلام کی نظر میں، شادی اور آداب زندگی، امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، آداب معلم و متعلم، وغیرہ کی اشاعت اسی غرض سے کی گئی ہے-

سوال :- آپ نے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کی کافی عرصے تک ادارت فرمائی ہے، ایسے میں کیا آپ کو لگتا ہے کہ ہمارے مذہبی رسائل بالعموم صحافتی نقطۂ نظر اور ابلاغی تاثیر سے کافی حد تک خالی ہوتے ہیں؟ جو مذہب و ملت کے عصری مسائل اور رجحانات سے بالکل صرف نظر کرتے ہیں، شائد یہی وجہ ہے کہ وہ عوام و خواص میں 1 مقبول نہیں ہوتے، آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:- اسٹیج سے لے کر رسائل و مجلات تک ہمارے یہاں عصری مسائل سے غفلت عام ہے لیکن ایسا Ĭ نہیں کے میدان بالکل خالی ہے- میں سمجھتا ہوں کہ

ماہنامہ جام نور 1 حد تک اس کمی کو پوری کر رہا ہے اور ہمارے رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی کے ادارئے تو زیادہ تر عصری مسائل ہی سے متعلق ہیں باقی رہیں عصری ضرورتیں تو یہ 1 ہیں ان کی تکمیل کے لیے سب ہی کو کوشاں ہونا چاہیے، ہم میں سب ہی ذمہ دار ہیں اور سب ہی سے ان کی صلاحیتوں کے اعتبار سے سوال ہوگا- ہاں اخبارات و رسائل کے تعلق سے ایک بات میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہمارے اکثر رسائل ایک ہی ڈھرے پر چل رہے ہیں، جب کہ کچھ رسائل صرف تحقیقی ہیں تو کچھ خواتین سے متعلق اور -ں ہی اطفال کی طرف Ĭ توجہ دینے کی ضرورت ہے، ''نیک خاتون'' کے نام سے صرف ایک رسالہ راجستھان سے نکل رہا ہے جو ہندی میں ہے اور عورتوں کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے، اردو میں تو بالکل سناٹا ہے میں سمجھتا ہوں اردو اور ہندی میں ا Ĭ اور ماہناموں کی ضرورت ہے جو نکل رہے ہیں وہ اتنے بڑے ملک کے اعتبار سے 1 کم ہیں، اور ان میں کسی کا حلقہ وسیع نہیں-

رسائل کی کمی یا جو نکل رہے ہیں ان کی اشاعت کی کمی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم میں جلسہ و جلوس پر 1 زیادہ توجہ ہے اور لٹریچر پر اس سے 1 کم، ناخواندوں کو خواندہ ¯ نے کی تو کوئی اسکیم Ĭ نہیں، نہ بالعموم جلسوں میں تعلیمی موضوعات میں Ôنات ہی ہوتے ہیں کہ قوم متوجہ ہوں یا جو پڑھے لکھے لوگ ہیں ان میں تحریک کی جائے تو رسائل کی اشاعت بڑھ سکتی ہے اور جب اشاعت بڑھے گی تو وسائل ہاتھ آئیں گے، پھر کسی رسائل کے میدان کو کوئی مشورہ دینا مناسب ہوگا ا Ĭ تو جو مواد نکل رہا ہے وہ عوام کی طبیعت کے مطابق ہی نکل رہا ہے، ہاں اہل علم طبقہ کی ضیافت کا کم ہی سامان ہوتا ہے اور اہل علم خرید کر زیادہ پڑھنا Ĭ نہیں چاہتے-

مجلّات میں ابلاغی تاثیر کے فقدان کی جو وجہ ہے وہ میرے نزدیک یہ ہے کہ زیادہ تر رسائل کسی خاص نقطۂ نظر سے نہیں نکلتے بس شوق پیدا ہوا رسالہ نکال ڈالا میں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہوں کہ ٥٥% رسائل مدارس کی طرف سے نکلتے ہیں مگر ان کے اندران مدارس کی ترجمانی کرنے والے مواد نہیں ہوتے، نہ کسی قسم کی کوئی تحریک ہوتی ہے، جس قلم کار نے جو مضمون بھیج دیا اس کو چھاپ دیا، اس سے زیادہ ایڈیٹر حضرات سوچتے ہی نہیں، در

اصل مدیر کے اپنے نقطۂ نظر اور زاویہ فکر کی چھاپ پورے رسالے پر ہونی چاہیے اگر ایسا نہیں ہے تو رسالہ محض مجموعہ مضامین ہوکر رہ جائے گا، مقصدیت سے اس کا تعلق ثانوی ہوگا اس لیے میں آپ کی رائے سے متفق ہوں-

سوال:-ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

مولانا عبدالمبین نعمانی:-میرے کئی پیغام ہیں نوٹ کرلیں: (۱) ماہنامہ جام نور دہلی رئیس القلم قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی یادگار ہے، اسے زیادہ دنوں تک باقی رکھیے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش سے در$ نہ کیجئے - خدانہ کرے کبھی بند ہو تو تمام خریداروں کا حساب کرکے ' یا ضرور چکتا کرڈالیے گا، کیوں کہ اس کا آخرت میں کیا اثر پڑے گا وہ تو ^ میں معلوم ہوگا، لیکن دوسرے نئے رسائل کے لیے خریدار فراہم کرنے میں یہ چیز بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے-لوگ کہتے ہیں کہ فلاں پرچے کا سالانہ جمع کیا، نہیں آیا، فلاں کا صرف دو شمارہ ملا پھر بند ہوگیا وغیرہ- (۲) مسلک اہل سنت و جماعت کی ترجمانی سے متعلق مضامین 1 کم ہوتے ہیں، آپ اپنی صحافتی مہارت کی بنیاد پر جدید طرز سے مسلک کی ترجمانی کر , تو شاید زیادہ مؤثر ہو (۳) اکابر اہل سنت کے حیات اور کارناموں سے متعلق ĺ مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوں تو اچھا ہے، بلکہ ضروری ہے-□□□

(شمارہ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

مفتی عبدالمنان اعظمی

شیخ الحدیث: مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو (-پی)

dالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی کی پیدائش -پی کے ایک چھوٹے سے قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور پھر ہوش سنبھالتے ہی ان کے دیندار والد + نے انہیں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ہی حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی کے تربیت میں ڈال دیا جہاں آپ نے اکتساب علوم عقلیہ ونقلیہ کرنے کے ^ ۱۹۴۷ء میں فراغت حاصل کی- فراغت کے ^ کئی مختلف اداروں میں تدریسی فرائض انجام دینے کے ^ ۱۹۵۵ء میں حضرت حافظ ملت کے مشورے سے الجامعۃ الاشرفیہ میں درجۂ عالیہ کے سربراہ کی حیثیت سے مقرر ہوئے اور اس کو اہل سنت و جماعت کا مرکزی ادارہ ¯ نے میں بنیادی کردار ادا کیا، ۱۹۵۶ء میں جب اشرفیہ میں شعبۂ افتا کا قیام عمل میں آیا تو بحیثیت مفتی ان پر مزید ذمہ داری ڈال دی گئی اور پھر جب حافظ ملت کا وصال ہوا تو ''صدر مدرس'' کے عہدے پر فائز ہوگئے اور اپنے عہد صدارت میں اپنے استاذ و مربی کے جامع منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں تندہی سے لگ گئے جس کے نتیجے میں جامعہ کا نیا نصاب مقرر ہوا اور حکومتی سطح پر ڈگر -ں کو تسلیم کیا جانے لگا- اپنی ان مختلف مصروفیتوں کے Ö انہوں نے لوح وقلم سے ĺ گہرا رشتہ رکھا اور شرعی پس منظر میں کئی کتابیں اور رسالے لکھے -اپنے استاذ مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی کی سرپرستی میں ''فتاویٰ رضویہ'' کی بیشتر جلدوں کی تدو + ، ترتیب اور تہذیب آپ کا سب سے اہم کارنامہ ہے-ان سب کے علاوہ پچھلی چھ دہائیوں سے آپ فقہ و افتا کے ذریعے برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں کی رہنمائی ĺ کر رہے ہیں- ۶ رجلدوں پر مشتمل ہزاروں صفحات میں پھیلے آپ کے فتاوے کا مجموعہ ''فتاویٰ dالعلوم'' اس کی روشن دلیل ہے-

سوال:- آپ کتنے سالوں سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:-تریسٹھ سال سے

سوال:- درس وتدریس کے میدان میں کئی دہائی گزارنے کے ^ آج مدارس کے طریقۂ تعلیم میں آپ کوئی فرق محسوس کرتے ہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:-آج تعلیم کے ٹیپ ٹاپ اور ظاہر میں اضافہ ہوگیا ہے- اور معنویت گھٹ گئی ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ پہلے طالب علم سبق پڑھنے سے پہلے اس کا از خود مطالعہ کرتا تھا-جسمیں کبھی کبھی پورا سبق ہی حل کر لیتا تھا اور کبھی کچھ کم وبیش اور سبق سے ایک مناسبت تو سبھی مطالعہ کرنے والوں کو پیدا ہو جاتی تھی-جس کے نتیجے میں دوران سبق استاد سے سوال وجواب Ì ہو جاتا تھا-اور پھر پڑھنے کے ^ وقت نکال کر پوری جماعت کے طلبہ آپس میں c وتکرار Ì کرتے تھے-اس سے کم استعداد طلبہ کو Ì کافی فائدہ ہوتا کہ وہ آپس میں بے تکلفی سے افہام وتفہیم کر لیتے-اس طریقہ سے پڑھنے میں قوت حافظہ اور عاقلہ دونوں ہی مصروف ہوتے اور طالب علم کو سبق پر پوری طرح قابو ہو جاتا تھا-

اور اب طالب علم از ابتداء تا انتہاء کتاب کو اس کے شائع شدہ ترجمہ اور شرح سے پڑھتا ہے- امتحان اردو میں تیار شدہ نوٹ اور امتحان دلانے والوں کی چٹ اور پرچیوں سے دیتا ہے، اور دیگر غیر علمی ترکیبوں سے اپنی جماعت میں -نہی پوزیشن ¯ تا ہے-یعنی حصول علم میں عقل ودماغ کا حصہ کم سے کم ہوگیا ہے-

سوال:- زمانہ کی رفتار کے مطابق ہر چیز میں تبدیلی آرہی ہے،مگر ہمارے مدارس جہاں تھے وہیں ہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:-میرے خیال میں ایسا نہیں ہے-مدارس کی عمارتوں میں عام طور سے بڑی تبدیلی آئی ہے-نصاب میں خاصی ترمیم ہوئی ہے، 1 سے مدارس میں کمپیوٹر Ì لگائے گئے ہیں، امتحانات اور مدارس میں داخلہ کا سسٹم اسکولوں کی طرح ہوگیا ہے، مدارس میں کالجوں کی طرح سمینار Ì ہونے لگے ہیں، جماعت میں لکھنے والے علما کی

تعداد Ì خاصی ہوگئی ہے- پھر ترقی اور تیز رفتار سے آپ کی مراد کیا ہے،اس کی توضیح کر , تو جواب شاید صحیح میں پاتے-

سوال:- آج علما کا وقار مسلم معاشرے میں نہیں ہے، جو کبھی ہوا کرتا تھا-اس کے اسباب کیا ہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:-اس کا 1 کچھ سبب تو یہ ہے کہ عرصہ تک لیڈر حضرات نے علما کے خلاف پوری جدوجہد سے پروپیگنڈہ کیا ہے اور یہ سبب Ì ہے کہ علما نے اپنی حرکت وعمل سے خود Ì اپنا وقار کھویا ہے-

سوال:- ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں مدارس اسلامیہ ہیں اور ہر سال ہزاروں علما فارغ ہوتے ہیں،مگر چند حضرات کے علاوہ کوئی Ì اسلام کی ترویج اور تبلیغ کرتا دکھائی نہیں دیتا، آپ کی نظر میں اس کے وجوہات کیا ہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:-مجھے یہاں Ì نقطۂ نظر کا اختلاف نظر آتا ہے-کسی Ì آبادی میں پہلے دور دور تک خط لکھنے والے اور پڑھنے والے نہیں ملتے تھے-کتنی جگہ جنازہ پڑھانے والے عنقا تھے،عوام بغیر جنازہ پڑھے مردہ کو دفن کر دیتے اور علامت کے لیے قبر پر لکڑی گاڑ دیتے کہ کوئی جاننے والا گزرے تو قبر پر جنازہ پڑھ دے-دیہاتوں میں اسلام کے طریقہ پر جانور ذبح کرنے والے نہیں ملتے تھے-چھری پھنکوا کر رکھتے اور اسی سے سال1/2جانور ذبح کرتے-

اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے گاؤں گاؤں اسلامی مدرسے، اور محلّہ محلّہ مولوی ہیں- تقسیم ہند کے طوفانی دور میں جب زندگی کے لالے پڑے ہوئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا نام لینے والے اس سرزمین سے ختم کر دئے جائیں گے-لیڈر حضرات تو اڑ کر اس پار چلے گئے تھے اور دوسرا کلمہ گو فرقہ Ì زخم پر نمک چھڑک رہا تھا اور اسٹیج پر الاپ رہا تھا-

نواکھالی سے جو پھوٹا تھا چشمہ
اسی کے تیز رو دھارے نے مارا
مجھے ہندو سے کچھ شکوہ نہیں ہے
مسلمانوں کے Lارے نے مارا

اس وقت ٹوٹے پھوٹے دیہاتی مدارس تھے جو شکستہ دل اور مظلوم مسلمانوں کو ڈھارس دلا رہے تھے- اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کر رہے تھے- کیا یہ اسلام کی تبلیغ و تلقین کا جہالت کی کایا پلٹ دینے والا کارنامہ نہیں- اور جیسے عالمی مبلغین کا ذکر آپ نے کیا ہے تو وہ تو صد -ں میں پیدا ہوتے ہیں-

سوال:- یہ کیا وجہ ہے کہ آج مسلم معاشرے سے دینی رجحان ختم ہوتا جا رہا ہے- یہی وجہ ہے کہ عام مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی O ئے عصری تعلیم کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں- کیا اس لیے تو نہیں کہ مدارس میں ہمارے بچوں کا معاشی مستقبل تا ک نہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:- آپ کا اندازہ صحیح ہے- اور یہی سبق سید احمد کرلی علی گڑھی نے اور ان کے ہوا خواہوں نے مدتوں ہندوستان کے اسلامی اشراف کو سکھایا Ì تھا اور خوشحال زندگی کی اسلام Ì مخالفت نہیں کرتا- اور ہم نے سنا کہ ملابار کے مسلمانوں نے اس رخ پر کافی پیش رفت Ì کی ہے، مگر حضرت سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ہر دم مسلمانوں کے پیش نظر رہنا چاہیے..... ع

نباشد دل آن فرد مایہ شاد
کہ از بہتر دنیا دید دہن بباد

سوال:- الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی تعمیر و ترقی میں آپ کا کیا کردار رہا- اور حافظ ملت کے ساتھ کتنے گہرے روابط رہے؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:- حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ مبارکپور تشریف لائے تو میں آٹھ، دس سال کا ^ تھا، مدرسہ مصباح العلوم کے پرائمری درجات میں پڑھتا تھا میرے سامنے ہی حضرت تشریف لائے- اور صدر المدرسین مولانا شمس الحق صاحب کی درسگاہ میں بیٹھے-

آپ کی تشریف آوری کے ^ پے در پے ایسے امور ظہور پذیر ہوئے کہ مبارک پور کے تمام سنی مرد ہو کہ عورت، ^ اور بوڑھا ہو یا جوان سب کے دل و دماغ پر حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ اور مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم چھا گئے- آپ کے ساتھ کام کرنے والا

مبارکپور کا ہر سنی تھا مگر کسی کے بارے میں مجھے یہ یاد نہیں کہ اس وقت یہ دعوی کیا ہو کہ میں نے مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں یہ کارنامہ انجام دیا- ہر موقع پر سب حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا ہی نام لیتے تھے- میں تو ان کا ایک طالب علم اور وہ میرے استاذ تھے- میں ان کا پروردہ اور وہ میرے مربی و نگراں تھے- میرے خیر خواہ اور ہم درد تھے- پرائمری درجہ دو کے ^ والد صاحب مجھے ان کی خدمت میں لے گئے تو فرمایا میں اس کو g ری پڑھاؤں گا، فی الحال درجہ فارسی میں دا 4 کر دو- شرح جامی سے دورہ تک اکثر کتابیں میں نے ان سے پڑھیں- سفر و حضر میں بیشتر ان کے ساتھ رہا- انہیں کی عنایت سے اشرفیہ میں مدرس ہوا تو ان کی درسگاہ سے متصل اشرفیہ میں تدریس کے لیے مجھے جگہ ملی، ^ میں انہیں سے میں مرید ہو گیا- انہوں نے مجھے خاک سے پاک ¯ یا اور ذرہ تھا تو آفتاب تک پہنچایا- انہوں نے جب جہاں بھیجا بے چوں چرا گیا اور جب بلایا بے عذر حاضر ہوا جو حکم دیا سعادت مندی سے O لایا- ان کے ساتھ ان کی خدمت میں رہ کر جو کیا سب انہیں کا کردار ہے- میرا کیا ہے؟

سوال:- حافظ ملت سے اس قدر گہرے مراسم اور الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و ترقی میں اتنا اہم کردار ادا کرنے کے ^ یقیناً آپ کو وہاں سے جذباتی لگاؤ ہوگا، پھر وہاں سے سبک دوشی کی اصل وجہ کیا ہے؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:- دار العلوم سے جذباتی لگاؤ کے بارے میں آپ نے صحیح اندازہ لگایا- لگاؤ تو تھا، اب Ì ہے اور ان شاء اللہ آئندہ Ì رہے گا- رہا یہ سوال کہ میں دار العلوم سے کیوں الگ ہوا؟ یہ سوال عرصہ ہوا کراچی میں مجھ سے ہوا، میں نے غالب کا یہ شعر پڑھ دیا-

سفینہ اپنا کنارے جب آ لگا غالب
خدا سے کیا گلہ جور نا خدا کرتے

اسی پر آپ Ì اکتفا کر , -

سوال:- الجامعۃ الاشرفیہ میں حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی وفات سے قبل اور ^ آپ کن عہدوں پر رہے؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:-حضرت کی حیات میں شعبہ عالیہ الٰہ آباد کے ہیڈ کی حیثیت سے میرا تقرر ہوا- جب ادارے میں شعبۂ افتاء قائم ہوا تو اس کی ذمہ داری Ì مجھے سونپی گئی- جب قوم نے ادارہ کی جملہ ذمہ داری حضرت کو سونپی تو انہوں نے جدید دستور کے موافق نئی کمیٹی قائم کی اور اس میں مجھے مجلس شوری اور عاملہ دونوں کمیٹیوں کا ممبر مقرر کیا-

حضرت کے سربراہ ادارہ ہونے کے ^ یہ سوال اٹھا کہ ادارے کا کوئی عہدیدار اس کا تنخواہ دار ملازم نہیں ہوسکتا تو آپ نے صدر مدرسی سے استعفیٰ دے دیا- اور مدرسہ سے تنخواہ لینی چھوڑ دی- کمیٹی حضرت مولانا قاضی شمس الد + صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو رصدر المدرسین ادارے میں لے آئی جب انہوں نے استعفیٰ دے دیا تو ایک کمیٹی میں حضرت نے مجھ سے کہا تم کیوں یہاں کی صدر مدرسی قبول نہیں کر لیتے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی حیات ظاہری میں آپ کی جگہ نہیں بیٹھ سکتا- آپ کی وفات کے ^ کمیٹی نے مجھ سے کہا اور میں نے یہ عہدہ قبول کر لیا تقریباً آٹھ سال کے ^ میں نے وہاں سے استعفیٰ دے دیا-

سوال:- آپ کو اسلاف کی یادگار کہا جاتا ہے- اس کے باوجود آج کے علماے کرام جو عوام میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں ان میں آپ کہیں نظر نہیں آتے- ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کو عمداً یہ لوگ نظر انداز کر رہے ہیں، جب کہ آپ ان میں سے ہر ایک کے مقا¨ میں ہر میدان میں سینیئر اور بزرگ ہیں؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:- مجھے تو ایسا نہیں لگتا لوگ بلاتے ہیں، مگر میں اپنی علالت کی وجہ سے شریک نہیں ہو پاتا اور اگر کچھ لوگ ایسا سوچتے ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں-

سوال:- اس ترقی یافتہ دور میں تعلیم نسواں کا معیار کس حد تک ہونا چاہیے؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:- حدود شرع میں رہ کر اس کی رعایت بلکہ پابندی کے ساتھ ہر جائز علم حاصل کر سکتی ہے-

سوال:- فضیلت کے نو سالہ نصاب تعلیم کو پانچ سے چھ سال کیا جائے اور اپنے مدرسوں کو عصری- نیورسٹیوں سے الحاق کرایا جائے تاکہ طلبہ کم مدت میں عصری تعلیم سے Ì آراستہ ہوں، اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مفتی عبدالمنان اعظمی:- پانچ سال میں کسی کا عالم د + ہونا تو مشکل ہی ہے ڈر یہ ہے کہ اس پانچ سال کی کمی کہیں اسے عصری تعلیم کی برکتوں سے Ì نہ محروم رکھے-

البتہ ایسا کر سکتے ہیں کہ آپ اُنہیں اِنہیں چند سالوں میں عربی زبان کے ساتھ دینیات کی معتد بہ تعلیم دید , اس کے ^ آپ تعلیم کے مختلف شعبے کرد , جو عصری تعلیم حاصل کر سکتا ہے وہ - نیورسٹی کا راستہ لے اور جو دینی علوم میں مہارت چاہتا ہے وہ اسلامی - نیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ عصری تعلیم کی - نیورسٹی Ì آپ کے ہی (یعنی اہل اسلام کے ہی زیر انتظام رہے تاکہ آپ طلبہ کی دینی تربیت کا Ì مناسب بندو n کر سکیں)

سوال:- آج جب کہ دنیا میں مذہب اسلام کو ایک تشدد پسند مذہب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے- ایسے میں ہمارے علما کی ذمہ داریاں کیا ہونی چاہیے-

مفتی عبدالمنان اعظمی:- سختی کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل کرنا اور برائی سے خود بچنا اور دوسروں کو Ì X نے کی کوشش کرنا- رہ گئی بدنام کرنے کی بات تو مثل مشہور ہے آفتاب پر تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے، آج پوری دنیا ایسی اصطلاح والوں کی دہشت پسندی کے خلاف احتجاج کر رہی ہے اور کتنے لوگ خود ان کو دہشت پسند کہہ رہے ہیں-□□□

(شمارہ جون ۲۰۰۳ء)

مفتی عبدالمنان کلیمی

مفتی شہر مرادآباد وصدر مجلس علمائے ہند

مفتی عبدالمنان کلیمی مرادآباد کے قدیمی ادارہ جامعہ اکرم العلوم کے مہتمم و شیخ الحدیث اور جماعت اہل سنت کے ایک سرکردہ عالم د + ہیں- ان کا ایک فتویٰ ۲۰۰۶ء میں اچانک میڈیا میں موضوع c بن گیا، مذکورہ فتویٰ کے حامیوں نے اگر ان کی جرأت وہمت کو سراہا تو مخالفین نے اس پر کافی واویلا مچایا، مگر مفتی صاحب مطمئن ہیں کہ انہوں نے ان حقائق کا عالمی سطح پر برملا اظہار کر دیا ہے جن کو ایک عرصے سے چھپانے کی کوشش کی جارہی تھی- یہ فتویٰ بدعقیدہ افراد کی اقتدا میں نماز جنازہ پڑھنے سے متعلق تھا- ہم نے اس حوالے سے بذریعہ ٹیلی فون مفتی صاحب کا تفصیلی انٹرو - لیا- موصوف ہندوستان کی معروف دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ سے ۱۹۷۵ء میں فارغ ہوئے، وہ حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی کے مرید اور شاگرد ہیں جب کہ مفتی برہان الحق جبل پوری، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری اور مولانا محمد اکرم نعیمی سے خلافت واجازت حاصل ہے- مفتی صاحب نے مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں، مفتی شریف الحق امجدی، علامہ ارشد القادری علیہم الرحمہ اور دیگر اکابر اہل سنت کی صحبتیں پائی ہیں- فراغت کے ^ سے مسلسل درس g ری دے رہے ہیں- آپ نے تحریری کام ì کیے ہیں- فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب وتدو + آپ کا اہم کارنامہ ہے، اس کے علاوہ گھوسی مئو میں دائرۃ المعارف الامجدیہ اور خیرآباد میں روضۃ المعارف قائم کرکے 1 سی کتابیں آپ نے شائع کی ہیں- شمس العلوم گھوسی اور جامعہ فاروقیہ خیرآباد کے ^ اب جامعہ اکرم العلوم مرادآباد کے منصب شیخ الحدیث پر فائز اور دینی وملی سرگرمیوں سے وابستہ ہیں-

سوال :- حالیہ دنوں آپ کے ایک فتوے کو پرنٹ میڈیا اور خصوصاً الیکٹرانک میڈیا نے خوب اچھالا، آخر اس فتوے میں ایسا کیا تھا جس نے ٹی وی چینلوں کو متوجہ کیا اور پھر آپ کو ٹیلی ویژن پر بلا کر گرما گرم بحثیں چھیڑد , ؟

مفتی عبدالمنان کلیمی :- ضلع مرادآباد میں ایک گاؤں ہے اہرولہ مافی، وہاں ایک صاحب کا انتقال ہوا، وہ سنی تھے، وہاں ۹۰ر فی صد سنی مسلک کے ہی لوگ ہیں، معدودے چند وہابی ذہن کے لوگ ہیں، گاؤں کے امام صاحب ì سنی ہیں، وہ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تیار تھے، مگر متوفی کے متعلقین میں سے کچھ جود - بندی خیالات کے تھے، وہ کسی وہابی مولوی کو بلا لائے اور وہ چالاکی سے نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گیا، نماز تو ہوگئی مگر اس کے ^ زبردست انتشار ہوا، ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا، لوگ کہنے لگے کہ پورا گاؤں سنی ہے، مجمع سنی ہے، مرنے والا سنی ہے، پھر یہ د - بندی مولوی کہاں سے دھمک آیا اور اس نے کیسے نماز جنازہ پڑھا دی؟ چند لوگوں نے جو اس وہابی مولوی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تھی انہوں نے کہا کہ آپ لوگ پریشان نہ ہوں ہم مفتی صاحب قبلہ سے استفسار کر , گے اور شریعت کا جو حکم ہوگا وہ صادر فرمائیں گے، اس پر عمل کیا جائے گا، ان لوگوں نے مجھ سے استفتاء کیا اور میں نے دوٹوک شرعی جواب پیش کر دیا- میرے سامنے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی کتاب حسام الحرمین تھی جس میں اہل د - بند کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ ان کے عقائد کفری ہیں، میں نے اس کے پیش نظر یہ جواب دیا کہ اگر امام انہیں کفری عقائد کا حامل ہے تو اس کی پڑھائی ہوئی نماز نہ ہوئی، جن لوگوں نے اس کے کفری عقاید پر مطلع ہوتے ہوئے اس کے پیچھے نماز پڑھی انہیں توبہ کرنا ہوگا، دوبارہ کلمہ پڑھنا ہوگا اور اگر ان کا نکاح ہوگیا تو تجدید نکاح ì کرنی ہوگی اور جن لوگوں نے لاعلمی میں، جہالت میں اور اس مولوی کی ظاہری وضع قطع دیکھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھ لی ہے تو ان کا ایمان باطل نہیں ہوا اور انہیں تجدید ایمان ونکاح کی ضرورت نہیں ہے- وہ اپنے عمل سے رجوع کر , اور توبہ واستغفار کر , اور اپنی برأت کا اعلان کر , - نہ جانے کس طرح یہ فتویٰ اخبار والوں کے

ہاتھ لگ گیا اور دینک جاگرن نے نمایاں سرخی کے ساتھ خبر چھاپا اور ساتھ میں میرے فتویٰ کی فوٹو کاپی Ì شائع کر دی - بس کیا تھا الیکٹرانک میڈیا کو Ì خبر ہوگئی، الیکٹرانک میڈیا کے لوگ مسلسل میرے پاس آنے لگے اور میرا انٹرو - کیا، میں نے اپنی بات مسلک اعلیٰ حضرت اور حسام الحرمین اور اپنے علما کے افادات کی روشنی میں کی، اس کے ^ سہارا چینل نے پیش قدمی کی اور اس نے مختلف اسکالرز کے سامنے یہ انٹرو - لیا، اس کے ^ انہوں نے طے کیا کہ مفتی صاحب کو بنفس نفیس بلایا جائے، انہیں اپنے فتویٰ کی خود وضاحت کرنی ہوگی اور ہمارے نیشنل و انٹرنیشنل جو ناظر + ہوں گے ان کے فونی سوالات کے جواب دینے ہوں گے - جس گاؤں کا یہ سانحہ تھا وہ مجھے وہاں اپنے ساتھ لے کر گئے - وہاں جانے کے ^ مجھے معلوم ہوا کہ میرے مقا » میں حلقۂ د - بند کے کئی حضرات کو Ì مدعو کیا گیا ہے، مباحثہ شروع ہوا، میں نے پوری سنجیدگی اور سلیقے سے ہر سوال کا جواب دیا - د - بندی سائلین کے اعتراضات کا Ì جواب دیا، چینل والوں کے سامنے اپنے موقف کی 1/2 پور انداز میں وضاحت کی اور جو فونی کالرز تھے ان کے سوالوں کے Ì تشفی j جواب دیے، یہ سلسلہ ۱۲/ W سے ۴/ W تک چلتا رہا، یہ تاریخ کا پہلا واقعہ تھا کہ اسکر + کے سامنے احقاق حق کے لیے ایک شخص ۴/ گھنٹے تک کئی مخالفین کے سامنے ڈٹا رہا اور حقانیت پر مبنی اپنی بات پیش کرتا رہا، پھر اس کے ^ ان لوگوں نے سوچا کہ اس مسئلہ کو انٹرنیشنل پیمانہ پر عام کیا جائے، چنانچہ پھر انہوں نے مجھ سے را , کیا اور کہا کہ ہمارا انٹرنیشنل چینل ۶۷/ ملکوں میں دیکھا جاتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس کے لیے Ì آپ وقت د , اور اپنی بات پوری دنیا میں پہنچا د , - میں نے احقاق حق کے لیے، مسلک کی صداقت کے اظہار کے لیے اور باطل کی سرکوبی کے لیے اس کو Ì منظور کر لیا، میں نے دو گھنٹہ تک پھر وقت دیا اور پوری دنیا میں پیغام حق کو عام کر دیا، یہ ہے اختصاراً اس واقعہ کی روداد -

سوال : - میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ تو اہل سنت و جماعت کا پرانا موقف ہے، پھر اس پر آخر میڈیا میں یہ ہنگامہ کیوں؟

مفتی عبدالمنان کلیمی : - آپ صحیح فرما رہے ہیں اور اس نکتے پر زبردست میں نے

اظہار خیال کیا ہے، میں نے واضح لفظوں میں کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ کوئی نیا فتویٰ نہیں ہے، پچھلے ۱۰۰/ سالوں سے یہ مسئلہ سب کے سامنے ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے، ان کے تلامذہ نے، ان کے خلفاء نے تحقیق و تفتیش اور مکمل وضاحت کے ساتھ بارہا اس کا اعلان کیا ہے - لیکن 3/4 حال یہ مسئلہ اب تک عوامی سطح پر 1 زیادہ نہیں آیا تھا، یا آیا تھا تو یہ 1 واضح نہیں تھا، اس لیے میڈیا نے اس کو کوریج دیا اور میڈیا کے ذریعے پہلی بار ہم نے دنیا 1/2 میں حق کی وضاحت کا فریضہ انجام دیا اور اس طرح سے لوگوں کو پہلی بار پورے طور پر حق کو سمجھنے کا موقع ملا -

سوال : - اس مباحثہ میں جہاں د - بندی بریلوی عقاید کی C چھڑی ہوئی تھی، د - بندی حلقے سے دو علما اور دو دانشوران شریک تھے، جبکہ سنیوں کی طرف سے صرف آپ تھے، اس سے کیا آپ کو نہیں لگتا کہ میڈیا والوں نے متوازن C نہیں رکھی؟

مفتی عبدالمنان کلیمی : - بادی النظر میں تو آپ کی بات صحیح ہے، اس کا کھٹکا مجھے Ì ہوا، میں نے اپنی تشویش کا اظہار Ì کیا لیکن جب ان لوگوں نے اپنی پالیسی Cئی اور اپنے طر& کار اور اصول کے بارے میں مجھ سے C یا تو میں مطمئن ہو گیا اور تنہا ہر سوال کا جواب دینے کے لیے خود کو تیار کر لیا، ان لوگوں نے C یا کہ چوں کہ فتویٰ آپ کا ہے جس کا اثر ایک طرح سے پوری دنیا میں ہوا ہے، اب اس تعلق سے جو شکوک و شبہات ہو رہے ہیں اب تقاضا یہ ہے کہ آپ ان کا جواب د , - اگر آپ کے ساتھ ہم آپ کے حامیوں کو Ì بلا لیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ آپ کا سپورٹ کر , گے تو جو چیز ہم پیش کرنا چاہ رہے ہیں کہ لوگوں کی تشویش اور شکوک و شبہات سامنے آئیں اور آپ ان کا ازالہ کر , یہ ہم پیش نہیں کر سکیں گے - اس لیے ہم صرف عوام کو نہیں بلکہ حلقۂ د - بند کے بڑے بڑے علما اور دانشوران کو مدعو کرتے ہیں جن کے سوالات کا روبرو جواب دے کر آپ اپنے موقف کو صحیح طور پر واضح کر سکیں گے اور یہ C سکیں گے کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ - نہی نہیں ہے، اس کی ٹھوس بنیاد , Ì ہیں - میں نے اس سے اتفاق کیا اور میں نے سب کے اعتراضات کے جواب دیے، مجھے اس سے خوشی ہوئی، میں نے اطمینان کا سانس لیا، اس لیے اس تعلق سے مجھے سہارا

چینل والوں سے کوئی شکایت نہیں ہے-

سوال:- میں نے محسوس کیا کہ د - بندی حضرات اپنے حقیقی عقاید کو C نے سے گریز کررہے تھے اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کررہے تھے-

مفتی عبدالمنان کلیمی:- میری بات سہارا چینل والوں سے ہوگئی ہے، وہ پوری C.D. فراہم کر , گے، میں آپ کو آ بھیجوں گا، آپ تفصیل سے دیکھیے گا کہ میں نے ہر ہر پہلو پر کس طرح سے سیر حاصل گفتگو کی ہے اور مخالفین کی عیار - ں کا پردہ چاک کیا ہے، چینل والوں نے مجھ سے یہ آ C یا کہ اس تعلق سے انہوں نے حلقۂ د - بند کے بڑے بڑے ادارے مثلاً مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم د - بند اور ندوۃ العلما کے بڑے بڑے مفتیوں سے رابطے کیے اور ان کو مدعو کیا تا کہ ان کی موجودگی میں عوام کے سامنے حقیقت نکھر کر آجائے، مگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے، انہوں نے یہ کہا کہ ان مباحث کو میڈیا میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں، اس سے انتشار ہوگا، بلکہ جن لوگوں نے اسٹوڈ - میں آنے کی ہمت آ کی وہ آ بڑی کوشش کررہے تھے کہ ان کے بزرگوں کی کتابوں میں خدا اور رسول کی شان میں جو نازیبا عبارتیں ہیں، وہ عوام کے سامنے نہ آئیں اور اس طرح ان کے معتقدات پر پردہ پڑا رہے، لیکن میں نے ان کی ساری سازش اور فریب کا جالا توڑ دیا اور عوام کی عدالت میں ان کے حقیقی عقاید ونظریات کو پیش کرکے ان کی حقیقی صورت کو بے نقاب کردیا-

سوال:- کیا اس طرح کی بحثیں اس وقت اہل سنت وجماعت کے لیے مفید وضروری ہیں؟

مفتی عبدالمنان کلیمی:- دیکھیے! یہ اصولی مباحث ہیں، ان کا تعلق ایمان اور کفر سے ہے، آپ نے دیکھا کہ جب سلمان رشدی نے ہرزہ سرائی کی اور مسلمان کے نام پر اسلامی معتقدات واصول کا مذاق اڑایا تو پوری دنیا کے مسلمان اس کے خلاف خ ک اٹھے اور 1/2 پورا احتجاج کیا، اب دنیا کا کوئی مسلمان آ رشدی کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ نہیں رکھتا ہے، اس لیے کہ سب جانتے ہیں کہ قرآن کے خلاف ہرزہ سرائیاں کرکے، خدا اور پیغمبر

کی شان میں نازیبا کلمات کہہ کر کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آ اکابر د - بند سے کوئی ذاتی رنجش نہیں تھی، بلکہ انہوں نے جب اکابر د - بند کی کتابوں میں خدا اور رسول کی شان میں گستاخانہ عبارتیں دیکھیں، ان کے مغلظات کو پڑھا تو ان سے رجوع کرنے کا مطالبہ کیا اور رجوع وتوبہ نہ کرنے کی صورت میں آخر کار انہوں نے ان کی تکفیر کی - جس پر ہندوستان کے اکابر علماے اہل سنت کے علاوہ حرمین شریفین کے علما نے تصدیقات لکھیں اور اس فتویٰ کو حق O نب C یا - اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ وخلفاء مسلسل اسی حقیقت کا اظہار کرتے آئے ہیں، علماے اہل سنت جن میں نمایاں طو پر آپ کے دادا حضرت علامہ ارشد القادری آ تھے، سب نے یہی کہا کہ د - بند اور بریلی کا اختلاف خاندانی یا مالی نوعیت کا نہیں ہے، یہ اختلاف ایمان وکفر کے تعلق سے ہے- اس لیے لوگوں کو مسئلہ کی سنگینی کو سمجھانا چاہیے، سب نے اپنی بساط 1/2 زندگی 2/1 عوام کو اس حقیقت سے روشناس کرایا، آج میں نے جو کچھ آ کہا ہے، وہی کہا ہے اور الیکٹرانک میڈیا کے توسط سے پوری دنیا کے سامنے اس ایمان وکفر کی c کے حقیقی خدوخال کو پیش کیا ہے، اس لیے میں سمجھتا ہوں یقینی طور پر یہ مفید اور ضروری ہے، اس سے اہل سنت کو تقویت ملے گی، فائدہ پہنچے گا اور حلقۂ د - بند کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا-

سوال:- اپنی جماعت کا عمومی موقف ٹیلی ویژن اور تصاویر وغیرہ کے تعلق سے اب تک مختلف رہا ہے، علماے بریلی کی رائے آ یہی ہے، لیکن ہم آج برقی دور میں جی رہے ہیں جس کی اہمیت C نے کی چنداں ضرورت نہیں، آپ مختصر سے وقت میں اسی کے توسط سے پوری دنیا میں اپنا پیغام پہنچا سکے، اس کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا، تو کیا ایسے میں آپ اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے کہ اس تعلق سے ہمارے موقف میں اب کچھ نرمی آنی چاہیے؟

مفتی عبدالمنان کلیمی:- میں الیکٹرانک میڈیا کی اہمیت کو 1 دنوں سے محسوس کررہا ہوں اور اس کی طرف دوسروں کو متوجہ آ کررہا ہوں، ا آ کچھ دنوں پہلے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں جو میڈیا سمینار ہوا تھا اس میں آ میں نے اپنے خطبہ صدارت میں اس تعلق سے مثبت گفتگو کی اور اب میں محسوس کررہا ہوں کہ میڈیا کے مثبت اور افادی پہلوؤں کو دیکھتے

ہوئے وہ علما Ĩ اس سے قریب ہو رہے ہیں جو اس مسئلہ میں 1 زیادہ محتاط تھے-

سوال :-آپ کے اس انٹرو- کے ^ اہل سنت کا کیا ردعمل رہا؟

مفتی عبدالمنان کلیمی :-اگر میں تفصیل سے Cؤں تو کافی وقت لگ جائے گا، اللہ کا فضل ہے کہ بریلی شریف، کچھوچھہ مقدسہ، مارہرہ شریف، ممبئی، ¯ رس اور ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں سے اپنے علما و دانشوران کے فون موصول ہوئے، سب نے مجھے مبارک باد دی، خوشی کا اظہار کیا، تقریباً سب نے یہی کہا کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کے مسلک کی صداقت کو سارے جہاں میں عام کر دیا اور د- بندی حضرات کے فریب کے جالا کو توڑ کر عوام کے سامنے ان کے حقیقی خدوخال پیش کر دیے، یہ آپ کا 1 بڑا کارنامہ ہے، حضرت امین ملت نے Ĩ فون کیا اور تقریباً دس منٹ تک مجھے مبارک باد دیتے رہے-

سوال :-کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اسلام کی صحیح تصویر، اہل سنت کے صحیح عقائد کی اشاعت اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے اپنا مستقل اخبار اور چینل ہونا چاہیے؟

مفتی عبدالمنان کلیمی :-خوشتر نورانی صاحب! بالکل اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور میں آپ کے جام نور کے توسط سے اہل ثروت اور اہل دول حضرات سے گزارش کروں گا کہ وہ اس سلسلے میں پیش قدمی کر , اور اپنا چینل جلد سے جلد قائم کر , تاکہ ہم بلا خوف وخطر، بغیر کسی دشواری کے اپنا پیغام لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں اور اس سلسلے میں میں ایک اہم بات کہوں، وہ یہ کہ جو علماے د- بند تھے انہوں نے تو اپنے معتقدات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی، لیکن جو لوگ - نیورسٹیز سے تعلق رکھنے والے تھے مثلاً ڈاکٹر شبیر صاحب، طاہر محمود صاحب وغیرہ، ان کے تعلق سے میں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس حقیقی معلومات نہیں ہے، وہ اہل سنت و جماعت اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے تعلق سے ایک خاص موقف رکھتے ہیں، میں نے محسوس کیا کہ مثبت انداز میں صحیح طور پر ان تک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے باتیں نہیں پہنچائی گئی ہیں-یا یہ Ĩ ممکن ہے کہ وہ جان بوUا کر لاعلم بننے اور اپنے کو غیر جانب دار ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں-

سوال :-آپ کے مباحثہ میں میں نے یہ Ĩ دیکھا کہ پروفیسر طاہر محمود اور ناہید

سلطانہ وغیرہ شریک تھے، اس مذاکرے میں پروفیسر طاہر محمود صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''یقینی طور پر د- بندی اور بریلوی کے Ô Ĩ نکاح درست ہے، بلکہ شیعہ اور سنی میں Ĩ نکاح درست ہے'' اس سلسلے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

مفتی عبدالمنان کلیمی :-آپ نے بالکل صحیح ریمارک کیا ہے اور رگ بیمار پر انگلی رکھ دی ہے، یقیناً طاہر محمود صاحب نے اور اس خاتون نے کچھ ایسی باتیں کی ہیں جو بے سروپا ہیں، طاہر محمود صاحب جو ایک پڑھے لکھے آدمی ہیں وہ اپنی گفتگو میں بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ دستور ہند کو سامنے رکھنا چاہیے، اور ہندوستانی قوانین کو مدنظر رکھنا چاہیے، مجھے حیرت ہے کہ گفتگو ہو رہی ہے شریعت اسلامیہ کی اور وہ دستور ہند کی بات کر رہے ہیں، اگر دستور ہند کی روشنی میں ہم شریعت کو دیکھنے لگے تو مسئلہ تکفیر ہی کیا 1 سے مسائل پر سوالیہ نشان لگ جائے گا اور وہ زیر C آ جائیں گے، مثال کے طور پر عدالت سے جو نکاح ہوتا ہے وہ نکاح قابل قبول نہیں، عدالت سے جو طلاق ہوتی ہے وہ طلاق قابل قبول نہیں، طاہر محمود صاحب کے نزدیک یہ سب صحیح و درست ہے، میں سمجھتا ہوں کہ علماے اہل سنت تو اپنی جگہ ہیں ہی خود علماے د- بند Ĩ ان کی یہ بات قبول نہیں کر , گے-تو یہ سب باتیں ناواقفی پر مبنی ہیں اور میری رائے میں یہ سب موجودہ دور کی آزادروی اور آزادی فکری کی بلائیں ہیں کہ شریعت کے امور واسرار سے ناواقف لوگ اپنی عقل کی کسوٹی پر شریعت کو وزن کر رہے ہیں-

سوال :-اگر مستقبل میں عمرانہ کے مسئلہ کی طرح کوئی اور مسئلہ میڈیا میں آتا ہے جس میں مختلف مکاتب فکر کے علما گرما گرم بحثیں کرتے ہیں اور غیر مسلموں کے سامنے نتیجہ کے طور پر اسلام اور شریعت کا مذاق ہوتا ہے، تو ایسے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

مفتی عبدالمنان کلیمی :-اس کا جواب میں ایک تاریخی تناظر کو سامنے رکھ کر دیتا ہوں، ندوۃ العلما کا قیام ایک تنظیم اور ایک آرگنائزیشن کی شکل میں ہوا تھا، اس کے پہلے اجلاس میں سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ Ĩ شریک رہے، وہاں Ĩ اتحاد امت اور اتحاد ملت کا مسئلہ اٹھا-اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے آپ اپنے کو متحد کیجیے، شریعت کے جو احکام ہیں، جن کا اتباع ہم پر لازم ہے، ان کی وضاحت

کیجیے اوران پرعمل پیرا ہو جایئے تو اتحاد خود ہی ہو جائے گا، آج بعینہٖ اسی قسم کے مسائل اٹھ رہے ہیں، علمائے د - بند سے اتحاد واتفاق کی باتیں کی جارہی ہیں، حالانکہ جو اختلاف کی حقیقی بنیاد , ہیں پہلے ان کو سامنے رکھنا چاہیے، یہ ایمان وکفر کا مسئلہ ہے جائیداد کا مسئلہ یا فروعی مسئلہ نہیں ہے- جب مباحث سامنے آئیں گے اور علمائے د - بند اپنے خلافِ اہل سنت معتقدات سے توبہ ورجوع کرلیں گے پھر خود سے ہی اتفاق ہو جائے گا - الگ سے اتحاد کی کوشش نہیں کرنی ہوگی - اور جب تک یہ کام نہیں ہو جاتا، دونوں فر& کے علما ایک اسٹیج پر بیٹھ کر صحیح طور پر ملی مسائل پر سوچ ہی نہیں سکتے، ہاں اس طرح کے مسائل جب سامنے آئیں تو اپنے علما کو چاہیے کہ باہمی رائے مشورے کے ^ میڈیا کے سامنے اپنی ایک رائے پیش کر , تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم میڈیا کے سامنے اپنے موقف میں ہی الجھ کررہ جائیں- اپنے علما کو اس پہلو پر سخت توجہ دینے کی ضرورت ہے-

سوال:- آخر میں آپ یہ C ئیں کہ کیا ہم اب تک عوام کے سامنے اپنا صحیح تعارف، اہل سنت کی صحیح تعبیر وتشریح اوراعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا صحیح تعارف پیش کر سکے ہیں؟

مفتی عبدالمنان کلیمی:- دیکھیے! یہ تو صحیح ہے کہ موجودہ دور کا جو تقاضا ہے اس کو مدنظر رکھ کر صحیح انداز، صحیح اسلوب اور میڈیا کے طاقت ور اسٹیج سے جس طرح سے ہمیں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی تحقیقات، ا° رونظریات کو پیش کرنا چاہیے تھا، ہم نے اس انداز میں پیش نہیں کیا، لیکن اس سلسلے میں آپ حضرات نے اور دوسرے 1 سے ذی شعور افراد نے پیش قدمی کی ہے جو روشن مستقبل کی غماز ہے اور اس سے ہمیں اچھی امید , وابستہ ہیں-

سوال:- جام نور کے تعلق سے اپنے احساسات وخیالات کا اظہار کرنا چاہیں گے؟

مفتی عبدالمنان کلیمی:- آپ ایک 1 ہی روحانی، قلمی اور علمی شخصیت کے چشم و چراغ ہیں، آپ کے جد امجد حضرت علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمہ ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے، آپ ان کے وارث ہیں اور جام نور آپ کا وسیلہ اظہار، اس لیے جام نور کی اشاعت میں حضرت علامہ کے ا° رونظریات، تحقیقات اور ان کے مشن کی جو روح تھی اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے، جام نور مکمل طور پر اس پر کاربند ہے آ ، ہاں کچھ لوگوں کو آپ کی صاف

گوئی اور حقیقت پسندی سے شکایت ضرور ہوتی ہے، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر توجہ دی جائے، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ اس وقت جام نور کام کر رہا ہے اور صحیح روش پر گامزن ہے، میں اس کے لیے آپ کو مبارک باد دیتا ہوں-□□□

(شمارہ اکتوبر ۲۰۰۶ء)

مفتی عبدالواجد قادری

چیئرمین اسلامک فاؤنڈیشن آف نیدرلینڈ، ہالینڈ

مفتی عبدالواجد قادری à وقت ایک باصلاحیت عالم د + ،مفتی،قلم کار و مصنف اور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔آپ کی ولادت ۹ فروری ۱۹۳۵ء کو شمالی · ر کے ایک مردم خیز علاقہ دوگھرا ضلع دربھنگہ میں ہوئی، آپ کی خاندانی وجاہت کا اندازہ اس بات سے ا لگایا جا سکتا ہے کہ آزادی ہند سے قبل آپ کے آباء واجداد کئی صوبوں کے اتالیق و امام مقرر کیے گئے۔موصوف نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور پھر مختلف مدارس سے درجۂ عالمیت کی تکمیل کی اور اخیر میں جامعہ رضویہ منظر اسلام سے درجۂ فضیلت کی تکمیل کر کے مارچ ۱۹۵۷ء میں فراغت حاصل کی۔فراغت کے ^ جامعہ میں ہی آپ مدرس ہوئے اس کے ^ ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے ہوئے اخیر میں دارالعلوم المشرقیہ حمیدیہ دربھنگہ میں نائب صدر مدرس اور مفتی ادارہ کے حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی، پھر رئیس القلم علامہ ارشد القادری کے اصرار پر آپ ادارۂ شرعیہ · ر کے صدر مفتی کی حیثیت سے ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۹۸۰ء تک نمایاں خدمات انجام د , اور ادارے کو وقار بخشا۔اس درمیان آپ نے دسیوں ہزار فتاوے دیے جن کے مجموعے کا نام ’’فتاویٰ شرعیہ‘‘ ہے۔۱۹۸۵ء میں مولانا ریحان رضا خاں بریلوی کے اشارے پر آپ نے جامعہ منظر اسلام کے دارالافتاء کی ذمہ داری سنبھالی، لیکن چند ہی مہینوں کے ^ آپ کو ہالینڈ جانا پڑا۔اس وقت آپ ہالینڈ میں مرجع مسائل شرعیہ ہیں اور مختلف علوم و مسائل پر آپ کی درجنوں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں بالخصوص حیات مفسر اعظم، مکالمۂ حق و باطل، ضیائے تصوف، قرآنی تعلیمات، قرآنی علوم، فتویٰ نویسی کے رہنما اصول، تازیانہ، نقش دوام اور ’’فتاویٰ ۔رپ‘‘ اہم اور مقبول ہیں۔

سوال:- ایک عرصے سے آپ ہالینڈ میں تبلیغ و اشاعت د + کا کام انجام دے رہے ہیں، اب تک آپ کے ذریعے وہاں کیا اہم کام انجام دیے گئے؟

مفتی عبدالواجد قادری:- سب سے پہلا کام جو ہمارے ذریعے وہاں شروع ہوا وہ یہ کہ نیدرلینڈ اسلامی سوسائٹی کی ایک چھوٹی سی جگہ تھی جس میں عظیم الشان پیمانے پر مسجد نوری تعمیر کی گئی۔جتنے ا ہمارے سنی علما خاص طور پر مسلکی اعتبار سے بریلی سے تعلق رکھنے والے ہیں ان کا قیام یا تو مسجد نبوی میں ہوتا ہے یا مسجد نوری میں، تو پہلا کام ہمارا یہ ہوا کہ مسجد نوری کو مسجد کی حیثیت دی گئی اور اس کے ذریعے تبلیغ و اشاعت کا کام بڑے پیمانے پر پورے ہالینڈ اور اس کے قرب و جوار میں شروع ہوا، میرے خیال میں سیکڑوں حضرات جو یہود و نصاریٰ یا لامذہبیت کی زندگی گزار رہے تھے وہ اسلام میں دا 4 ہوئے، اس کے علاوہ افتاء کا کام ا ہم نے وہاں سے ہی شروع کیا، وہاں مختلف انداز سے لوگ استفتاء کرتے ہیں، کبھی ٹیلی فون کے ذریعے، کبھی تحریر کے ذریعے یا انٹرنیٹ یا فیکس کے ذریعے اور اس کا جواب دینا ہماری ذمہ داری ہے اور آج تک ہم اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

اس کے ^ ہمارا تعلق رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کے قائم کردہ ادارے جامعہ مدینۃ الاسلام سے صدر مفتی کی حیثیت سے ہوا کیونکہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی صوابدید کے مطابق جامعہ مدینۃ الاسلام میں ایک دارالافتاء ا قائم کیا تھا اور اس میں صدر مفتی کی جگہ ہمیں مقرر کیا، جس کی دستار حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب اور مختلف ممالک کے سفراء اور عمائد + شہر کی موجودگی میں میرے سر پر باندھی گئی۔اس کے ^ سے لے کر آج تک میں اس دارالافتاء کا کام انجام دے رہا ہوں پھر اس Ö میں مجلس علما کا قیام ا عمل میں آیا، لوگوں نے مجلس علما کا دارالافتاء اور دارالقضاء میرے حوالے کیا اور آج تک میں اس کو ا انجام دے رہا ہوں، بس یہ سب کام میرے ذریعے ہوئے ہیں۔

سوال:- ۱۱ر ستمبر کے ^ مسلمانوں کے ساتھ ہالینڈ کی حکومت کا رویہ کیسا ہے؟

مفتی عبدالواجد قادری :- پہلے جیسا نہیں ہے، پہلے جس قدر نرم رویہ تھا اور مسلمانوں خاص کر داڑھی اور ٹوپی والوں کی جو عزت عوام کی نگاہ میں تھی اس میں کمی آئی ہے، نفرت تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن نفرت کی حد تک صورت دیکھنے میں آتی ہے، وہاں Â کچھ اس طرح کی باتیں ہوئیں جن کا جواب مجلس علما کو دینا پڑا، ‰ مسجدوں پر حملہ Â ہوا، لیکن گورنمنٹ نے اس کو روکا، گورنمنٹ کا تعاون مسلمانوں کے ساتھ رہا، لیکن وہاں کے عوام متنفر ہوئے اور حکومت میں Â ‰ ایسے افراد شامل ہیں جو مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں لیکن حکومت اب تک مسلمانوں کے خلاف نہیں ہے-

سوال:- ہالینڈ میں اہل سنت و جماعت کتنی مضبوط ہے؟

مفتی عبدالواجد قادری :- الحمدللہ! اس وقت وہاں جانے کے ^ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں صرف سنیوں کی ہی آبادی ہے اور وہ Â متصلب سنی اور یہ صرف ^ میں جانے والے علما ہی کی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہاں پر رہنے والے وہ سنی مسلمان جن کے آبا و اجداد ہندوستان سے منتقل ہوئے تھے اور اپنی سنیت کے مراسم اور روایات جو اپنے ساتھ لے گئے تھے ان کو ان لوگوں نے قائم رکھا مثلاً میلاد، فاتحہ، نیاز، دفن کے ^ قبر پر اذان دینا اور اس طرح کی 1 ساری چیز , سنیوں کے مراسم میں شامل ہیں، وہ ان لوگوں کے یہاں ہیں، البتہ علما کے جانے سے یہ ہوا کہ مسائل کی انہیں جانکاری ہوئی اور انہوں نے صحیح طریقے سے اپنے آپ کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لیا، ویسے سنیوں کے 1 سارے مراسم ان کے آبائی ہیں-

سوال:- شہادت رویت ہلال کا مسئلہ پوری دنیا میں نزاعی صورت اختیار کرتا جارہا ہے، ایسے میں مفتیان کرام اور فقہائے عظام کے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

مفتی عبدالواجد قادری :- اس سلسلے میں ہالینڈ کے علما Â بڑے حساس ہیں اور انہوں نے آج سے چار پانچ سال قبل اس طرح کی نشستوں کا انتظام کیا کہ علما اکٹھے ہوں اور اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر , ،اس میں جتنے Â ارکان طبقۂ علما سے تھے تقریباً سبھوں نے تحریری تبادلہ کیا اور اس مسئلے پر گفتگو کی لیکن اس کا نتیجہ کوئی خاص برآمد نہیں ہوا-

اس کے ^ Â لوگ اس پر سوچتے رہے اور کچھ لکھتے Â رہے لیکن افسوس یہ ہے کہ O ئے یہ معاملہ سلجھنے کے اور زیادہ الجھتا گیا، اس وقت میرے خیال میں پوری دنیا کے اندر گیارہ طریقوں سے رویت ہلال کے معاملے میں عمل کیا جاتا ہے اور اس میں سے دو تین طریقے ایسے ہیں جو صرف ہالینڈ کے اندر رائج ہیں، ایک تو یہ کہ رصدگاہ (Observatory) کے ذریعے ثبوت ہلال قائم کیا جاتا ہے، اگر رصدگاہ نے یہ کہہ دیا کہ آج چاند کی پیدائش ہے، تو کچھ لوگ ایسے Â وہاں ہیں جو اس کو ہلال مان کر آنے والے کل کو پہلی تاریخ قرار دیتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا تعلق اس معاملے میں سعودی عرب سے ہے، وہاں جو لوگ رہتے ہیں وہ اس پر عمل کرتے ہیں اور وہ عموماً مغربی یا انڈونیشین حضرات ہیں اور کچھ ترکی Â ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں- کچھ ایسے Â لوگ ہیں کہ اگر انگلینڈ کے علما نے فیصلہ کر دیا کہ کل پہلی تاریخ ہے اور آج مہینہ ختم ہو گیا تو اس فیصلے کو مان لینے والے حضرات Â وہاں موجود ہیں اور یہ زیادہ تر پاکستانی ہیں- کچھ ایسے Â حضرات ہیں جو رویت کے اس مسئلے پر عمل کرتے ہیں جو ہمارے اسلاف سے چلا آرہا ہے مثلاً ۲۹/ تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اگر چاند دیکھا گیا یا کہیں سے صحیح شہادت مل گئی تب وہ کل پہلی تاریخ مان لیتے ہیں ورنہ ۳۰/ پورا کر کے اپنا نیا مہینہ شروع کرتے ہیں اور یہ زیادہ تر سوری نامی حضرات ہیں- ہم لوگوں کا تعلق انہیں حضرات سے ہے جو اپنے اسلاف کے طریقے پر عمل کرتے ہیں چنانچہ اس سال Â ‰ لوگوں نے مطلع کے صاف ہونے کی صورت میں چاند ہونے کی گواہی دی لیکن چونکہ مطلع صاف تھا اس لیے دو تین آدمی کی گواہی Â علما نے تسلیم نہیں کی -جب مطلع صاف ہو تو اس میں جم غفیر ہونے کی ضرورت ہوتی ہے یا اتنے لوگوں کی شہادت کی ضرورت ہوتی ہے کہ جس پر قاضی کو اعتماد کلی حاصل ہو جائے، لیکن ایسی شہادت چونکہ نہیں گزری، لہٰذا اس سال Â نہ تو شعبان کا مہینہ شروع کیا گیا اور نہ رمضان کا مہینہ شروع کیا گیا دونوں کا اکمال ہوا ۳۰/ ۳۰/ تاریخ پوری کر کے مہینہ شروع کیا گیا -¾ حال اس معاملے کو لے کر انتشار ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ علما سر جوڑ کر کے بیٹھیں اور اگر آسانی کی راہ امت مسلمہ کے لیے نکل سکتی ہے تو ضرور اس کو نکالنے کی کوشش کر , ،اس

میں کوئی جدت پیدانہیں کرنی ہے، بلکہ ہمارے جو اسلاف نے طرق موجبہ کی نشاندہی فرمائی ہے، ہم کو انہیں سب طرق کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی ایسا راستہ نکالنا ہے جو امت مسلمہ کے لیے تسہیل کی صورت ہو سکے۔

سوال:۔ شہادت رویت ہلال کے باب میں فون، فیکس اور خط وغیرہ کو جمہور علمائے اہل سنت نے نا قابل اعتبار گردانا ہے، ان چیزوں کو معتبر مان کر شہادت کا اعلان کہاں تک درست ہے؟

مفتی عبدالواجد قادری:۔نہیں ٹیلی فون، تار، فیکس، انٹرنیٹ یا دوسرے ذرائع ابلاغ جو جدید آلات پر مشتمل ہیں اگر ان کے ذریعے کوئی خبر آتی ہے تو وہ خبر ہے اور خبر پر شہادت کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس کے مطابق فیصلہ کرنا شرعی اصولوں کے خلاف ہے۔

سوال:۔ اور جو ایسا کرے ان کے ساتھ کیا سلوک برتا جائے؟

مفتی عبدالواجد قادری:۔ان کا اجتماعی طور پر بائیکاٹ کیا جائے۔

سوال:۔ ادارۂ شرعیہ ۰ رکے آپ ایک عرصے تک صدر مفتی رہے، مگر اب وہاں کے حالات ناگفتہ بہ ہیں، اس کا علمی تشخص اور فکری وقار b ل کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

مفتی عبدالواجد قادری:۔ادارۂ شرعیہ کی جو تنظیمیں ہیں اور حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اسے چلانے کے لیے جو ضابطے ترتیب دیے ہیں اگر اس ضابطے پر عمل کیا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا پھر پہلے والا وقار b ل ہوسکتا ہے، لیکن اس وقت میرے خیال میں ان ضا ں کو ì نظر انداز کر دیا گیا ہے، جن ضا ں کو حضرت علامہ نے ادارۂ شرعیہ کے لیے تحریر فرمایا تھا، کیونکہ ان کے اغراض و مقاصد پر صحیح طور پر اگر عمل کیا جاتا تو آج جو بے راہ روی سامنے آرہی ہے وہ نہیں ہوتی، اگر اس پر آج ì عمل کیا جائے تو ادارۂ شرعیہ کا وقار b ل ہوسکتا ہے اور اس وقت ضرورت ہے کہ ادارۂ شرعیہ کی جتنی ì تنظیمیں ہیں اس کو کھنگالا جائے اور اس کی ذمہ داری دو تنظیموں پر آتی ہے، ایک تو وہ جس کو علامہ نے بورڈ آف ٹرسٹیز میں شامل کیا ہے اور حضرت علامہ کے ¯ ئے ہوئے دستور کے مطابق یہ بورڈ آف

ٹرسٹیز غیر متبدل ہے اور اس بورڈ کو اختیار کلی حاصل ہے، جن میں

(۱) علامہ ارشد القادری	چیئرمین	جمشید پور
(۲) مولانا اختر رضا خاں ازہری	ممبر	بریلی
(۳) مولانا عبدالحفیظ صاحب	ممبر	مبارکپور
(۴) مولانا خواجہ مظفر حسین	ممبر	پورنیہ
(۵) عبدالواجد قادری	ممبر	دربھنگہ
(۶) مفتی انیس عالم	ممبر	سیوان
(۷) الحاج منے میاں	ممبر	پٹنہ
(۸) محمد سعید	ممبر	رانچی
(۹) ایاز محمود	ممبر	¯رس

شامل ہیں۔ان حضرات کو ì اس پر کچھ سوچنے کی ضرورت ہے اور مجلس منتظمہ کو ì ، اگر یہ دونوں تنظیمیں آپس میں اکٹھی ہو کر ادارے کے لیے کوئی نئی تنظیم تشکیل دیتے ہیں تو ہم کو امید ہے کہ ادارہ پھر صحیح راستے پر آجائے گا۔ کچھ افراد اس میں ایسے ہیں جن سے ادارے کا جو فائدہ ہونا چاہیے وہ نہیں ہو رہا ہے، ادارہ جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا وہ مقصد فوت ہوتا نظر آرہا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے، یا تو ان کی اصلاح کی جائے یا ان کا اخراج کیا جائے۔

سوال:۔ حضرت علامہ کے وصال کے ^ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ ۰ رو جھارکھنڈ کے علما اور دانشوران کو صوبائی سطح پر شرعی مسائل کے حل کے لیے اپنے درمیان ایک باصلاحیت قاضی کا انتخاب کر لینا چاہیے تاکہ اہل سنت کا وقار b ل رہے؟

مفتی عبدالواجد قادری:۔ادارۂ شرعیہ میں اس طرح کی دو تین مجلس کا قیام ہو چکا ہے اور صوبہ کے علما اس میں اپنی پوری توانائی کے ساتھ شریک ì ہو چکے ہیں، لیکن غالباً وہ اسی لیے نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں کیونکہ ان میں کوئی ایسا حکم کی حیثیت سے نہیں تھا جس کو فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہو اور جس کا فیصلہ تمام علما کے سامنے قابل قبول ہو، ایسی کوئی شخصیت

نہیں تھی اس لیے وہ مجلسیں کار آمد ثابت نہیں ہوئیں تو میرا آ یہ خیال ہے کہ ایسے ایک شخص کو چنا جائے جس کا حکم اور جس کا فیصلہ تمام علما کے لیے کم از کم ٠ راور جھارکھنڈ کے علما کے لیے قابل قبول ہو، ایسا ہونے میں یقیناً فائدہ ہے اور ایسا ہونا چاہیے۔

سوال:- آخر میں آپ ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے کوئی پیغام دینا پسند کر , گے؟

مفتی عبدالواجد قادری:- یہ تو علامہ کے دیرینہ خواب کی تعبیر ہے اور اس سے یقیناً علامہ کی روح خوش ہو رہی ہوگی کہ علامہ نے اس کو ہمیشہ چلانے کی کوشش کی، ہم جام نور کو جام کوثر کے وقت سے جانتے ہیں کہ جام کوثر جب جام نور ¯ اس کا ماحول آ ہمارے سامنے ہے، کس طریقے سے کلکتہ میں حضرت رہتے تھے اور انہوں نے اس کا اجراء کیا، 3/4 حال ہم نے تو اب تک اس کو صحیح طریقے سے دیکھا نہیں ہے پھر آ سرسری طور پر جو مضامین اور عناو + دیکھنے میں آئے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان شاء اللہ یہ رسالہ ایک کامیاب رسالہ ہوگا اور سنیوں کا ترجمان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قائم و دائم رکھے۔□□□

(شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء)

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی

لیکچرار: شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو- نیورسٹی، حیدر آباد

ہندوستان کے مذہبی افق پر نمایاں علمی شخصیات کی اگر فہرست ¯ ئی جائے تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی کا نام ابتدائی سطور میں آئے گا - استشراق اور تصوف کے باصلاحیت عالم، اردو، ہندی اور عربی زبان کے ماہر، انگریزی، فرانسیسی، فارسی اور ماریشش میں بولنے والی زبان کر-ل Creol سے واقف و آشنا، فقہ و حدیث کے سمندر کے غواص، متوازن اور تعمیری فکر کے مالک ڈاکٹر علیم اشرف ۱۹۶۲ء میں خانوادۂ اشرفیہ کی جائش شاخ میں پیدا ہوئے، مقامی ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے ^ دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے، جامع اشرف کچھوچھہ اور فیض الرسول براؤں سے دینیات کی تکمیل کی، مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی سے لمبے عرصے تک استفادہ کیا، پھر لکھنو- نیورسٹی سے گریجویشن اور ا * اے کیا، عربی زبان و ادب کی اعلیٰ تعلیم کے لیے لیبیا پہنچے جہاں پھر سے گریجویشن اور ا * اے کیا اور گولڈ میڈلسٹ قرار پائے، علی گڑھ مسلم- نیورسٹی علی گڑھ سے "أثر اللغة العربية فى اللغة الأردية ووجوهها الأدبية المختلفة" کے عنوان سے اپنی تھیسس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اب تک ۲۰۰ رسے زیادہ علمی و تحقیقی مضامین ملک و ںاون ملک کے سرکردہ رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں، تصنیفات و تالیفات اور تراجم کی تعداد دو درجن سے متجاوز ہے، جن میں 'فصول فى التاريخ بالهند العربية الاسلاميه' فرانسیسی زبان میں نصف درجن کتابیں جن میں ۶۰۰ صفحات پر مشتمل 'التذکیر'، شیخ محمد علوی مالکی کی کتاب 'حول الاحتفال بالمولد الشريف' پر ۳۰۰ رصفحات کا حاشیہ، اقبال اور تصوف کے موضوع پر تنقیدی کتاب 'جائزہ' اہم تر + ہے۔

سوال:-تحقیق کا کام ایک خشک اور پر مشقت کام ہے، کیا آپ C ئیں گے کہ اس راہ پر خار پر چلنے کے لیے آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا اور آپ اس کے لیے کیسے تیار ہوئے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:-تحقیق کی طرف آمادہ کرنے والی چیز بنیادی طور پر ہمارے بزرگوں کا وہ علمی ورثہ ہے جو ہمیں اپنے اسلاف سے ملا ہے، جو سائنٹفک تحقیق کا اعلیٰ تر +نمونہ ہے، آج آ تحقیق میں جو باتیں ہمیں پڑھائی جاتی ہیں وہ ہمارے اسلاف کے یہاں نہایت واضح انداز میں موجود ہیں، مغرب نے ہمیں کوئی نئی چیز نہیں دی ہے، اس کا حال ویسے ہی ہے" **ھذہ بدعتنا ردت الینا** " (یہ ہماری ہی ایجاد ہے جسے ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے) یہ ہماری چیز تھی جو اسپین کے ذریعہ -رپ پہنچی اور پھر نئے سرے سے ہم نے -رپ سے حاصل کیا، حقیقت میں یہ ہمارے اسلاف کا ورثہ ہے-

سوال:-اس صحافتی اور میڈیائی دور میں جب کہ تحریر وتقریر میں بے پناہ عجلت اور جلد بازی پیدا ہوگئی ہے، آپ تحقیق کی صورت حال کیسی پاتے ہیں؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:-بنیادی طور پر میڈیا نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے، تصنیف وتالیف اور تحقیق وریسرچ آ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں، لیکن میڈیا کا کام عارضی اور فوری ہوتا ہے جب کہ تحقیق وتصنیف کا کام دائمی ہوتا ہے، جو میڈیا کے مقاصد سے بالکل مختلف ہے، میڈیا ہمارے احساسات وجذبات کو مخاطب کرتا ہے جب کہ تحقیق وتصنیف کا تخاطب عقل وشعور سے ہوتا ہے، آج ہم اپنے تحقیقی عمل میں میڈیا کو استعمال کر سکتے ہیں، اس لیے میڈیا سے واقفیت نہایت ضروری ہے-

سوال:-عالمی منظر نامے کو سامنے رکھتے ہوئے کیا آپ C ئیں گے کہ جماعتی سطح پر کن موضوعات پر تحقیق وریسرچ ازبس لازمی ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:-یہ ایک بڑی اہم بات ہے اور جام نور اپنے صحافتی انداز میں جماعتی مسائل کی طرف برابر توجہ دلا رہا ہے اور مسلسل جام نور ان موضوعات کو اٹھا رہا ہے، یہ بڑا اہم مسئلہ ہے کہ موجودہ عالمی منظر نامے میں اپنی ارتقاء کے لیے یا جماعت کی ترقی

کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے؟ بنیادی طور پر ہماری جماعت کی تشکیل دوسری جماعتوں سے بالکل مختلف ہے، ہماری جماعت نے ابتداءً ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ^ ایک ایسا نظام برپا کیا جس کے نتیجے میں اہل سنت وجماعت کی گاڑی ایک ایسے انجن سے چلتی تھی جس کا نام خانقاہ تھا، اور وہ انجن جس Fuel (ایندھن) سے چلتا تھا اس کا نام تھا تصوف، چونکہ گاڑی بڑی تھی، سواد اعظم کی نمائندگی کرتی تھی اس لیے ہر انجمن کے بس کی بات نہیں تھی کہ اس گاڑی کو کھینچ سکے، چنانچہ امت نے یہ طے کیا کہ خانقاہیں اس گاڑی کو لے کر چلیں، مگر خود خانقاہوں کے یہ انجن تصوف کے تیل سے چلتے تھے، بدقسمتی سے ان خانقاہی انجنوں کے پاس وہ تیل ختم ہوگیا اور ظاہر ہے جب تیل ختم ہوگا تو انجن رک جائے گا اور جب انجن رکے گا تو پوری گاڑی رک جائے گی-آج بنیادی طور پر اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس انجن کو تیل فراہم کر , تاکہ وہ گاڑی متحرک ہوسکے اور اس کو متحرک کرنے کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم معاشرے میں خانقاہی نظام برپا کر , ،خانقاہی نظام سے مراد آج کی خانقاہوں کے رسوم نہیں ہیں، بلکہ اصل خانقاہی نظام اس سے بالکل مختلف ہے، یہ میرا تصوف کے مطالعے کا ماحصل ہے، ممکن ہے موجودہ خانقاہی نظام میں ‰ رسوم شریعت کے مخالف ہوں اور اکثر شریعت کے مطابق، لیکن اسے خانقاہیت کا نام نہیں دیا جاسکتا، ہاں! اسے ہم درگاہیت ضرور کہہ سکتے ہیں، کسی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ:''خانقاہیں حال سے چلتی ہیں، مدارس قال سے اور درگاہیں مال سے'' اور ان تینوں کے مقاصد الگ الگ ہیں، تینوں کے ذرائع الگ الگ ہیں اور تینوں کے نتائج آ الگ الگ ہیں، اس لیے آج ضرورت ہے کہ جماعت کے احیاء کے لیے اصل خانقاہی نظام کو برپا کیا جائے-آج ہمارے سامنے جو سب سے اہم مسئلہ ہے وہ ہے غیر مزکیٰ نفوس کا تزکیہ، نفس کے تزکیہ کے بغیر کسی فرد کی صلاح کی امید نہیں کی جاسکتی اور معاشرہ مجموعہ ہے افراد کا، افراد غیر صالح ہوں گے تو معاشرہ آ غیر صالح ہوگا، آپ چاہتے ہیں کہ معاشرہ صالح بنیاد پر استوار ہو تو ضروری ہے کہ افراد آ صالح ہوں اور افراد کی صالحیت کے لیے ضروری ہے کہ ان کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے، انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے ایسا نفس رکھتا ہے جو **امارۃ بالسوء** ہے، جو

برائی کی طرف لے جانے والا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جس نے ہمارے نفس کو جب اس صفت سے متصف کیا ہے تو وہی اس کا حل Ĩ C نے والا ہے۔"قد افلح من زکّٰھا" جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ یقینی طور پر فلاح پائے گا، لہٰذا تزکیہ نفس ضروری ہے، آج ہماری خانقاہوں میں حقیقی تصوف کی روح پھونکنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہاں حال کا ماحول پیدا ہو، تزکیہ نفس کا ماحول پیدا ہو، جب یہ خانقاہیں متحرک وفعال ہوں گی اور اپنے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں گی تو پوری جماعت Ĩ ترقی کی طرف گامزن ہوگی۔

سوال:۔آپ نے جماعتی سسٹم کو رواں دواں رکھنے کے لیے خانقاہوں کو پرانی روش اختیار کرنے کی بات کہی، جب کہ میرا سوال یہ تھا کہ جماعتی سطح پر وہ کون سے موضوعات ہیں جن پر اس وقت ریسرچ اور تحقیق کرنے کی ضرورت ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔ ہاں! کئی ایک موضوعات ہیں، جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے، ان میں ایک تصوف Ĩ ہے جس کا ا Ĩ میں نے ذکر کیا کہ ہمارا وہ تزکیہ کرے، مگر خود تصوف غیر مزکّٰی ہو چکا ہے، اس لیے تصوف کا تزکیہ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ہمارا تزکیہ کر سکے اور تصوف میں جو خس وخاشاک آ گئے ہیں، تصوف کے نام پر جو غیر تصوف عناصر اس میں آ گئے ہیں ان کی تحقیق وتفتیش کر کے علما کو حقیقی تصوف کو جماعت کے سامنے پیش کرنا چاہیے، اس کے علاوہ اور Ĩ موضوعات ہیں جیسے میڈیا، اس کی اہمیت وافادیت کو سمجھیں، مغرب جس میڈیا کو پیش کر رہا ہے اس میں صرف Consumerism (صارفیت) ہے، مگر اسلامی نقطۂ نظر سے میڈیا کے مقاصد مغرب کے مقاصد سے بالکل مختلف ہیں، ہمارے میڈیا کا جو مقصد ہوتا ہے وہ ہے احقاق حق نہ کہ تجارت، تو اسلامی نقطۂ نظر سے ہم میڈیا کو استعمال کر , اور اسے مستحکم کر , ۔ہم اسلام کی پیش کش میں ناکام ہیں، ہم اسلام کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش نہیں کر پا رہے ہیں، چنانچہ مغربی میڈیا جس طرح چاہتا ہے اسلام کو پیش کرتا ہے، جس طرح چاہتا ہے ہم پر الزام لگاتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ہماری فکر ونظر کی تعبیر کرتا ہے، آج ہمارے علما کی ذمہ داری ہے کہ وہ مکر کے تین بازو، استشراق، استعمار (نوآبادکاری) اور تبشیر (مشینری) کو سمجھیں اور ان کا پردہ

فاش کر , اور خاص بات یہ ہے کہ انہی کے رنگ وآہنگ میں کر , ، مغرب کے خلاف جنگ چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے چونکہ بنیادی طور پر وہ گم گشتہ راہ ہے، استشراق، استعمار اور تبشیر نے اسلام کی جو تصویر کشی کی ہے اسی کو وہ حق سمجھ رہا ہے، اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر اپنے اپنے ذرائع اور وسائل کے حساب سے دنیا کے سامنے پیش کر , ۔

سوال:۔تصوف کو ہم روح اسلام کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں، لیکن آج ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو اسے منافی اسلام تصور کرتا ہے، آپ کی نظر میں ان کی غلط فہمی کی بنیاد کیا ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔ان کی غلط فہمیوں کی بنیاد , متعدد ہیں، ایک تو یہ کہ غلط مصادر ومراجع پر2/1وسہ کرنا، جس کی وجہ سے ان کو تصوف کے سلسلے میں غلط معلومات ملیں اور ان سے غلط نتائج اخذ کیے، اس کے علاوہ جماعتی تعصب اور عصبیت کی بنیاد پر ان لوگوں نے یہ رویہ اختیار کیا، جو اپنی ماہیت کے اعتبار سے ہی تصوف مخالف ہیں، وہ اپنی تربیت کے لحاظ سے ہی تصوف مخالف ہیں اور کچھ وہ ہیں جو تصوف کی موجودہ شکل جس میں خلاف تصوف 1 سی باتیں شامل ہوگئی ہیں، ان کو دیکھ کر تصوف کی مخالفت کرتے ہیں، آج انسان مادیت کے جس دلدل میں ہے اگر تصوف کو اس کے بدل کے طور پر پیش کیا جائے تو پوری امید ہے کہ اسلام کو تصوف کے حوالے سے زبردست کامیابی ملے گی۔

سوال:۔تصوف کی جب بات آتی ہے تو فوراً ہمارے سامنے درگاہی نظام سامنے آجاتا ہے، کیا آپ C ئیں گے کہ تصوف کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اور مخالفین کے سامنے ہم اسے کس صورت میں پیش کر , ؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔تصوف کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، پروفیسر نکلسن نے اپنی کتاب میں اس کی ہزاروں تعریفیں کی ہیں، صوفیہ نے Ĩ اس کی 1 سی تعریفیں کی ہیں، ویسے تصوف کی مختصر ممکنہ تعریف "تزکیہ نفس" سے کی جاسکتی ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اسی حیثیت سے تصوف کا تعارف کرائیں جو نفس کو مزکّٰی کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچاتا ہے، جس کے نتیجے میں 1 سے فوائد اور ثمرات حاصل ہوتے

ہیں، جیسے کشف، کرامت، الہام وغیرہ، اگر ہم اس کے لیے یہ کہیں کہ یہ نفس کے مجاہدے سے لے کر مشاہدے تک کا ایک سفر ہے تو O ہوگا اور اس کے علاوہ تصوف کے نام پر ہمارے پاس جو کچھ Ì ہے وہ لوازمات تصوف تو ہو سکتے ہیں مگر نفس تصوف نہیں۔

سوال:۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو مخالفین تصوف Ì بڑے کروفر کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ویسے شاہ صاحب کے ا° ر کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ ایک صوفی گھر میں پیدا ہوئے ،ایک صاحب حال صوفی کے صاحبزادے تھے، جن کی صحبت میں ان کی نشو ونما اور تربیت ہوئی، جس کی وجہ سے عملی طور پر وہ تصوف کو برتتے تھے، نظریاتی طور پر انہوں نے تصوف سے متعلق بے شمار کتابیں لکھیں ہیں، ہندوستان کی تاریخ کا بڑا المیہ ہے کہ شاہ صاحب جیسے صوفی کو مخالف تصوف کے طور پر پیش کیا گیا، جس سے امت کو بڑا نقصان ہوا اور اس باطل نظریے کی بنیاد پر ہی 1 سے لوگ تصوف سے دور ہو گئے، جس کا وبال ان تمام لوگوں کے سروں پر جائے گا جنہوں نے شاہ صاحب کے تعلق سے ایسی بے بنیاد باتیں لکھیں۔ وہ خالص صوفی تھے، چنانچہ وہ خود اپنی کتاب تفہیمات میں فرماتے ہیں کہ ''انسان کو چاہیے کہ وہ عالم ہو مگر ایسا عالم جس کو اہل تصوف کی صحبت رہی ہو اور انسان کو صوفی ہونا چاہیے مگر ایسا صوفی جس کی کتاب وسنت پر نگاہ ہو'' تو یہ دیکھیے انہوں نے کتنی متوازن فکر پیش کی ہے۔

سوال:۔لیکن آج دیکھا جاتا ہے کہ مخالفین اہل سنت، نے شاہ صاحب کو اپنا لیا ہے، وہ ان پر تحقیق وریسرچ کر رہے ہیں اور انہیں اپنا ہمنوا کر پیش کر رہے ہیں، اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔تصوف کی بنیادی تعلیمات میں ایک اہم تعلیم ''خود نگری'' ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ کس نے کیا کیا، یہ دیکھنے کے O ئے ہم یہ دیکھیں کہ ہم نے کیا کیا؟ سب سے پہلے ہم نے شاہ صاحب کو چھوڑا، تو دوسروں نے پکڑا، اگر ہم شاہ صاحب کو پھر پکڑ لیں گے تو دوسرے چھوڑ د , گے۔

سوال:۔تحریک استشراق کی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس کے پس منظر پر آپ کچھ

روشنی ڈالیں گے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔ اہل مغرب کی مشرق سے متعلق علمی نگارشات و تحقیقات کو ہم استشراق کہتے ہیں اور استشراق کا لفظی معنیٰ طلب شرق ہے، لیکن واضح رہے کہ علمی طور پر استشراق کی یہ تعریف مشرق ومغرب کی جغرافیائی بنیادوں پر نہیں ہے، بلکہ صحیح معنوں میں عیسائی مغرب کی غیر عیسائی مشرق کے بارے میں جو تحقیقات ہیں انہیں استشراق کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مراقش جوروس کے مقا » میں زیادہ مغرب میں واقع ہے، لیکن روس کا محقق جو مراقش کے بارے میں تحقیقات کرے وہ مستشرق کہلاتا ہے لیکن مراقش کا محقق مغرب میں ہونے کے باوجود مستشرق نہیں کہلائے گا، اس لیے استشراق کا تعلق جغرافیائی سے زیادہ علمی وفکری بنیادوں پر ہے۔

استشراق کی دنیا بڑی وسیع ہے اور اس کی کئی نوعیتیں ہیں، سارے مستشرقین کو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی غرض وغایت اسلام دشمنی ہے، بلکہ‰ ایسے ہیں جو صرف حصول زر کے لیے اس میدان میں اترتے ہیں، ‰ محض علم وتحقیق کے لیے اس میدان میں آتے ہیں اس لیے ہم آئے دن یہ سنتے ہیں کہ فلاں مستشرق اسلام لے آیا اور اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا، ظاہر ہے یہ وہ مستشرق ہیں جو خالص علمی تحقیق کے لیے اس میدان میں آئے مگر کچھ وہ ہیں جن کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے چرچ کے منصوبے کے تحت اسلام کو سبوتاژ کرنے اور اسلام میں تحریف کرنے کے لیے تحقیق وریسرچ کا راستہ اختیار کیا، ہم جس استشراق کی مخالفت کرتے ہیں اس کا تعلق اسی حصے سے ہے۔

سوال:۔تحریک استشراق کی موجودہ صورت حال کیا ہے، موجودہ مستشرقین کے اہداف اور طر& کار کیا ہیں؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:۔۱۹۷۸ء میں استشراق کی جو بین الاقوامی کانفرنس ہوئی اس میں یہ اعلان کیا گیا کہ استشراق کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور اب مستشرقین علوم انسانی کے نام پر کام کر , گے، حقیقت میں یہ لباس تبدیل کرنے جیسا عمل تھا، حقیقت میں آج Ì مستشرقین کا وہی مشن ہے جن کے بڑے امریکہ کی وزارت خارجہ میں بیٹھ کر کام کر رہے

ہیں اور آج Ì مستشرقین اسلامی ممالک کے بارے میں مغرب کی پالیسیاں وضع کرنے میں مصروف ہیں، البتہ رسمی طور پر استشراق کے دور کا خاتمہ ہوگیا لیکن عملی طور پر آج Ì استشراق کا عمل جاری ہے۔

بنیادی طور پر استشراق کا پرانا ہدف جسے ہم عہد استعمار کی یادگار کہتے ہیں وہ ہے فَرِّقْ وَتَسُدْ Devide and rule (پھوٹ ڈالو حکومت کرو) مگر آج علوم اسلامی کے نام پر استشراق نئے لباس میں ہمارے سامنے آیا ہے، اس نے تمام قد* اصطلاحوں اور پالیسیوں کو چھوڑ کر نئی اصطلاحیں اور پالیسیاں ایجاد کی ہیں، جن میں سرفہرست ہے، لَفِّقْ وَ تَسُدْ Fabricate and rule من گھڑت باتیں سامنے لائیے، مسلمانوں کو مشتعل کیجیے اور حکومت کریے۔

پہلے استشراق نہایت سنجیدہ و علمی ہوا کرتا تھا، اگرچہ اسلام کی مخالفت کرتا تھا مگر آج کا استشراق نہایت غیر سنجیدہ اور مشتعل کرنے والا ہے، جو غیر تہذیبی اور غیر ثقافتی طور پر اسلام پر حملے کر رہا ہے، جس کے نمونے آئے دن ہم میڈیا کے ذریعے ملاحظہ کرتے ہیں، اسی استشراق کا ایک نمونہ حالیہ دنوں کارٹون کی اشاعت ہے، جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کو مشتعل کرتے ہیں اور مسلمان Ì نہایت جذباتی طور پر برانگیختہ ہوجاتا ہے، جو استشراق کے مقاصد کی تکمیل ہے، جنہیں میڈیا کے ذریعہ پیش کر کے اسلام مخالف فضا ہموار کی جاتی ہے۔

سوال:- مستشرقین کی ریشہ دوانیوں کے ردعمل میں علماے اسلام نے جو کچھ کیا ہے آپ کی نظر میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ کیا اس تعلق سے نئے علماے تحقیق کو آپ کچھ مشورے د , گے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- بنیادی طور پر کسی Ì جماعت کی ترقی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف اس کے پاس بڑے اچھے مشائخ اور مفتیان کرام ہیں، جماعت کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس 1 اچھے قلم کار ہوں، 1 اچھے صحافی ہوں، 1 اچھے رسالے اور اخبارات ہوں، محققین ہوں اور مختلف علوم وفنون کے ماہر + ہوں، چونکہ جماعت کی ترقی فرد کی ترقی سے نہیں ہوتی، بلکہ اجتماعی کوششوں کے نتیجے میں ہوتی

ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ جماعت میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو استشراق کے سلسلے میں تخصص رکھتے ہوں، بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ یہ **انفجار معرفی** (Explosion of knowledge) کا زمانہ ہے، آج علم کی شاخیں اتنی بڑھ گئی ہیں اور ان میں اتنی وسعت آگئی ہے کہ اب یہ ممکن نہیں رہا کہ کوئی ایک شخص خواہ وہ کتنا ہی ذہین وفطین ہو ہر فن کا ماہر بن سکے، اب تخصص کا زمانہ ہے، اس لیے آج ضروری یہ ہے کہ مختلف علوم وفنون میں الگ الگ متخصص پیدا کیے جائیں اور باہمی مشورے سے جماعت کے اہداف متعین کیے جائیں، آج ہمارے سامنے جو سب سے بڑے خطرات ہیں وہ ہیں استشراق، استعمار اور تبشیر اس لیے ان کی طرف توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

سوال:- ہم نے آپ سے یہ Ì پوچھا تھا کہ مستشرقین کی ریشہ دوانیوں کے ردعمل میں علماے اسلام نے جو کچھ کیا ہے، آپ کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- جن لوگوں نے اس سلسلے میں کام کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میدان میں اب تک کوئی خاص کام نہیں ہوسکا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری جو درس گاہیں، خانقاہیں اور درگاہیں ہیں ان کے اہداف میں یہ شامل ہی نہیں ہے کہ استشراق، استعمار اور تبشیر Ì کوئی چیز ہے، جن کے خلاف ہمیں کچھ کرنا چاہیے، اس لیے ضروری ہے کہ جماعت ایسے افراد پیدا کرے جو ان کے اہداف کو ناکام کر کے دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کر , -

سوال:- پچھلی دو صد -ں سے اسلام مسلسل زوال آمادہ ہے، مسلمانوں کا گراف تیزی سے گر رہا ہے، کیا آپ C ئیں گے کہ اس زوال کے بنیادی اسباب کیا ہیں اور ان سے نجات کے راستے کیا ہیں؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے کس مفہوم میں زوال کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کا استعمال مختلف پس منظر میں کیا جاتا ہے، o/o حضرات زوال کو خلافت عثمانی کے ^ کے دور سے جوڑتے ہیں، کچھ خلافت عباسی کے زوال سے جوڑتے ہیں اور کچھ سقوط ; ادکو اسلام کے زوال کی بنیاد سمجھتے ہیں، میری رائے Ì یہی ہے کہ سقوط

; ادسے ہی زوال کی ابتداء ہوئی، لیکن یہ Ì حقیقت ہے کہ اس کے ^ Ì ہم نے بڑی بڑی کامیاÒں حاصل کیں، جہاں تک زوال کی بات ہے، قرآن نے کہا ہے کہ زمین پر ان ہی قوموں کو استقرار حاصل ہوتا ہے، جو نفع j ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وہ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے، تو زبدہ (جھاگ) ¸ پ بن کر اڑ جاتا ہے اور جو نفع پہنچانے والا ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے، خواہ موتی کی شکل میں ہو یا میٹھے پانی کی شکل میں- جب تک ہم نفع j رہے، سائنس، سماجی اور دینی علوم میں ہم دنیا کی قیادت کررہے تھے اور دنیا ہم سے فیض حاصل کررہی تھی اس لیے ہم ترقی کی طرف گامزن تھے، لیکن جب ہم دنیا کے لیے نفع j نہیں رہے تو ہمارا زوال شروع ہوگیا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا کے لیے پھر نفع j بنیں اور اسلام کی اس حقیقی روح کو اپنائیں کہ اسلام سب کے لیے رحمت ہے، سب کے لیے نفع j ہے، ان شاءاللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی-

سوال :-‰ حدیثوں میں اس قسم کی باتیں آئی ہیں کہ امت جب جہاد کرنا چھوڑ دے گی تو وہ ذلیل وخوار ہوگی، اس کی روشنی میں آج کے حالات میں جہاد کی اہمیت و ضرورت اور طر& کار کے بارے میں کوئی آپ کی رائے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- جہاد، اجتہاد اور مجاہدہ یہ تینوں ایک ہی مادے سے مشتق ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کبھی Ì ان تینوں سے بے نیاز نہیں رہی ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جہاد قیامت تک کے لیے رہے گا، اور جہاد کے بغیر کسی صالح امت پر مشتمل معاشرے کے وجود کے بارے میں سوچا Ì نہیں جاسکتا، یہ تو ہوسکتا ہے کہ ہم رہبانیت کی طرف بڑھ جائیں اور ترک دنیا اختیار کرلیں لیکن جہاد کے بغیر عدل اور توازن جو اسلام کے بنیادی مقاصد ہیں، قائم نہیں ہوسکتے، تو عدل وتوازن قائم کرنے کے لیے پہلے جہاد، پھر اجتہاد اور نفس کے تزکیہ کے لیے مجاہدہ ان تینوں کی ہمیں ضرورت ہے-

سوال :-لیکن آج جہاد کے نام پر جو کچھ ہورہا ہے، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- جہاد اور فساد میں فرق میرے اوپر بالکل واضح ہے، آج

‰ انتہا پسند جو کررہے ہیں، معصوموں کا خون ۰ نا اور بے گناہوں کو نشانہ ¯ نا، ان کا جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ انتہا پسند وہ ہیں جن کی نگاہ میں دنیا میں صرف چند ہزار لوگ مسلمان ہیں جو ان کی فکر سے ہم آہنگ ہیں، باقی سب واجب القتل ہیں، یہاں نام لیے بغیر بات واضح نہیں ہوگی، یہ سلفی جماعت ہے، جو شدت پسند جماعت ہے، ان کے یہاں پچھلے ۵۰/ سالوں سے شدت پسندی کی ہوڑ لگی ہوئی ہے، اس ایک جماعت سے دوسری جماعت نکلتی ہے جو اس سے زیادہ شدت پسند ہوتی ہے اس کا آخری نمونہ القاعدہ اور التکفیر والھجرہ ہے، ان کی نگاہ میں ساری دنیا کافر اور واجب القتل ہے، ان کی سرگرمیوں کو ہم جہاد نہیں سمجھتے ہیں، جہاد کا مطلب ہے وہ جدوجہد جو صالح بنیادوں پر اسلام کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے کی جائے اور عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے کی جائے، کسی اپنے خاص نظریے کو دنیا پر مسلط کرنے کے لیے نہ ہو-

سوال:- فلسطینی مجاہد + کے بارے میں کیا کہیں گے، چونکہ کہ وہ اپنی جدوجہد کے جواز میں یہ کہتے ہیں کہ یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- ان کی بات سو فیصد درست ہے، مغرب کی اجتماعی قوتوں نے زبردستی اسرائیل کا خنجر اسلام کے سینے میں Ê نک رکھا ہے، جہاں تک فلسطینیوں کی جدوجہد ہے وہ انصاف پر مبنی ہے اور دنیا کے تمام مسلمان ان کے ساتھ ہیں-

سوال :-آپ عربی زبان وادب پر Ì کافی عبور رکھتے ہیں، جس کے حصول کے لیے آپ نے عرب میں کافی عرصہ گزارا ہے، اس تناظر میں آپ C ئیں کہ مدارس اسلامیہ میں نصاب کے نام پر جو زبان وادب کی تدریس ہورہی ہے، وہ طلبہ کے لیے کتنی مفید ہے؟ کیا اس میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہے؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- نصاب تعلیم ایک ایسے پودے کی طرح ہے، جس کے لیے معتدل آب وہوا، مخصوص زمین اور مخصوص جغرافیائی کیفیت ضروری ہوتی ہے، جس طرح ہر پودے کو زمین کے ہر حصے میں اگایا نہیں جاسکتا اور ہر پودے کو ہر موسم میں لگایا نہیں جاسکتا ویسے ہی نصاب تعلیم Ì ہے، یعنی ایک زمانے کا نصاب تعلیم دوسرے زمانے

کے لیے کارآمد نہیں ہوسکتا، ایک ملک کا نصاب تعلیم دوسرے ملک کے لیے مفید نہیں ہوسکتا، لیکن جو ہماری بنیادی ضرورتیں ہیں وہ زمان ومکان کی قیود سے ماوراہیں وہ کسی Ĩ تاریخی و جغرافیائی تبدیلی سے نہیں بدلنے والی ہیں، ان کی ہمیں ہر جگہ اور ہر زمانے میں یکساں ضرورت ہے اور وہ ہے کتاب وسنت کی تعلیم-لیکن کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے جو وسائل ہیں وہ ہمیشہ تبدیل ہوتے رہیں گے، اس کے لیے دنیا کی تمام قومیں ہر زمانے میں اپنے نصاب کی تجدید کاری کا کام کرتی رہتی ہیں، ہمارا Ĩ کبھی نصاب تعلیم تھا جس کے اپنے مقاصد تھے، جو مغلیہ دور میں نہایت مناسب تھے، اور اس عہد کے لحاظ سے Update تھے، کیوں کہ اس نصاب کے ذریعے ہم دینی ودنیوی دونوں طرح کے افراد تیار کرتے تھے، اسی نصاب کو پڑھ کر لوگ حکومت میں عہدے حاصل کرتے تھے اور اسی نصاب کے ذریعہ لوگ مفتی، امام اور محدث بنتے تھے، آج کے زمانے میں ہمارے مقاصد دوسرے ہوگئے ہیں، جب ہمارے مقاصد بدل گئے ہیں تو ظاہر ہے پھر ہمیں اپنے نصاب میں Ĩ خاطر خواہ تبدیلی لانی چاہیے، ہمارے نصاب کی سب سے دشوار بات یہ ہے کہ ہم ایک ایسی زبان میں کتابیں پڑھا رہے ہیں جس زبان سے ہمارے طلبہ اچھی طرح واقف نہیں اور دنیا ½ کے ماہر + تعلیم کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک جس زبان کو طالب علم اچھی طرح سے نہیں جانتا ہے اس کے ذریعہ نصاب پر وہ عبور حاصل نہیں کرسکتا، لہٰذا سب سے پہلے تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنا نصاب عربی اساس (Arabic based) —ئیں، تاکہ بین الاقوامی تناظر میں ہم زیادہ موثر کردار ادا کرسکیں، عربی زبان کے سلسلے میں میرا اپنا ذاتی تجربہ ہے، جسے میں نے ملک وĈون ملک میں تعلیم اور ^ میں تدریس کے دوران حاصل کیا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم ایک یا دو سال عملی طور پر پہلے طالب علم کو زبان سکھائیں اور ان عناصر کو ہم نصاب سے ہٹاد , ، جس کی آج کوئی معنویت ہی نہیں ہے-

سوال:- جام نور کی موجودہ اشاعت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی اصلاح کے لیے کوئی مشورہ یا پیغام؟

ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی:- جام نور میرے اور مجھ جیسے 1 سے لوگوں کے خوابوں

کی تعبیر ہے، ہم دوسری جماعتوں کے اچھے رسائل دیکھتے تھے تو ہمارے اندر Ĩ یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش ہمارے یہاں سے Ĩ ایسے رسالے نکلتے جن کا انداز روایتی کی O ئے عصری ہوتا، جام نور بر وقت آیا اور اس نے اس ضرورت کو پورا کیا، اس نے 1 جلدی کامیابی کے منازل طے کیے، اس سے جہاں مدیر کی اعلیٰ صلاحیتوں اور ادارے کی محنت و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ بات Ĩ سامنے آتی ہے کہ جماعت کو ایسے رسالے کا انتظار تھا- جام نور بے حد خوÇں کا حامل ہے، لیکن جام نور نے جس خلا کو پر کیا ہے یہ صحافت کی ایک خاص سطح تھی، اس کی ضرورت تھی، لیکن اس سے ہٹ کر آج ایک ایسے رسالے کی Ĩ سخت ضرورت ہے جو خالص تحقیقی معیار کا ہو، جس میں صرف ریسرچ پیپر شائع ہوں، اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ کو اس کام کی توفیق دی، ہمیں امید ہے کہ اس دوسرے کام کے لیے Ĩ دوسرے فرد کو یا گروپ کو اس کی توفیق دے گا، میں جام نور کے تمام عملہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اتنا خو Z رت، جامع اور معیاری رسالہ نکال رہے ہیں-□□□

(شمارہ اپریل ۲۰۰۶ء)

شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں

سجادہ نشین: خانقاہ شیخ العالم، ردولی، ضلع بارہ بنکی (۔ پی)

شیخ العالم حضرت شاہ احمد عبدالحق مخدوم ردولوی کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کے ہاتھ سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا جو فروغ ہوا ہے اس کی وجہ سے آپ کو مجدد سلسلۂ صابریہ کہا جاتا ہے، آپ کی خانقاہ کل ì مرجع خلائق تھی اور آج ì وہاں سے دینی، علمی اور روحانی فیض جاری ہے۔ اس ساڑھے چھ سو سال قد * روحانی مرکز کے موجودہ صاحب سجادہ حضرت شاہ عمار احمد احمدی عرف نیر میاں صاحب اپنے عظیم المرتبت اسلاف کی روحانی وراثتوں کی امانت کا حق ادا کر رہے ہیں، آپ کی دینی تعلیم آپ کے محترم نانا حضرت شاہ احمد الفاروقی صاحب کی خدمت میں اپنے ننیہال الٰہ باد میں ہوئی، الٰہ باد - نیورسٹی سے آپ نے پہلے گریجویشن اور پھر وہیں سے پوسٹ گریجویشن کی ڈگری حاصل کی، اپنے جد امجد حضرت شاہ آفاق احمد چشتی صابری علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں جد محترم کے وصال کے ^ مسند سجادگی کو رونق بخشی، آپ نے اپنی صلاحیتوں، جدوجہد اور ذاتی دلچسپی کی بنیاد پر خانقاہ شیخ العالم میں تعلیمی، تعمیری، اصلاحی اور اشاعتی منصوبوں کے تحت 1 کم عرصے میں عظیم خدمات انجام دی ہیں، جدوجہد، عزم محکم، عمل پیہم اور خانقاہ کے احیا وتجدید کے سلسلے میں آپ کی ذات دوسرے مشائخ کے لیے نمونہ ہے۔ آپ نے خانقاہ کو علم د + سے جوڑنے اور شریعت وطریقت کے جامع افراد پیدا کرنے کے لیے ۲۰۰۰ء میں چشتیہ ایجوکیشنل سوسائٹی قائم کی اور اس کے تحت مدرسہ چشتیہ صابریہ فیض القرآن کی داغ â ڈالی۔ ۲۰۰۱ء اس کا نام جامعہ چشتیہ رکھا گیا اور اسے باقاعدہ دارالعلوم کی شکل دے دی گئی، جس کا سفر جاری ہے۔

ســـــوال:۔ حضرت شیخ العالم اور خانقاہ شیخ العالم کے تاریخی پس منظر پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

نیر میاں:۔ قطب العارفین حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق ردولوی علیہ الرحمہ کا شمار برصغیر کے صف اول کے اولیائے کرام میں ہوتا ہے۔ آپ کا اسم گرامی احمد اور پیر ومرشد کا عطا کردہ لقب عبدالحق ہے۔ والد کا نام شیخ محمد عمر علیہ الرحمہ اور دادا کا نام شیخ داؤد تھا۔ ہلاکوں خاں کے قتل وغارت کے سبب آپ کے جد امجد بلخ سے کچھ لوگوں کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یہ زمانہ سلطان علاء الد + خلجی کے دور حکومت کا تھا۔

حضرت شیخ العالم کی ولادت باسعادت ۷۲۹ھ میں ہوئی۔ بائیس واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سے ملتا ہے۔

اس عہد میں ممالک اسلامیہ سے جو نامور خاندان اور ممتاز افراد ہندوستان تشریف لائے تھے ان کے ذریعہ معاش کے لیے سلاطین کی طرف سے جاگیر , نذ کی جاتی تھیں۔ چنانچہ آپ کے جد امجد حضرت شیخ داؤ علیہ الرحمہ کو ردولی کی جاگیر ملی تو آپ یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ حضرت داؤد علیہ الرحمہ کو رفعت وکمال اور تقویٰ وپرہیزگاری میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام نامی اسم گرامی عمر تھا۔ آپ ì اپنے والد بزگ وار کی طرح بڑے صاحب کمال اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک کا نام شیخ تقی الد + اور دوسرے صاحبزادے کا نام شیخ احمد تھا۔ یہی شیخ احمد آگے چل کر شیخ العالم کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمیشہ آپ جمال حق کے مشاہدے میں رہتے۔ آپ پر استغراق کا عالم طاری رہتا تھا۔ استغراق اور محویت کا یہ عالم تھا کہ خادم تین مرتبہ حق حق حق کی آواز بلند کرتے تب کہیں جا کر آپ آنکھ کھولتے۔

(مرأۃ الاسرار صفحہ ۱۱۳۹، از عبدالرحمٰن چشتی)

استغراق اور محویت کے اس عالم میں ì آپ کی نماز پنج گانہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ فوت نہیں ہوئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ منصور ^ تھا ضبط نہ کر سکا خدا کے راز کو فاش کر بیٹھا، اس

وقت ایسے لوگ ہیں کہ سمندر پی جاتے ہیں اور ڈکار نہیں لیتے (اخبار الاخیار، ص۱۲، از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) آپ کے پیرومرشد کبیر الاولیاء نے خرقۂ خلافت سونپتے وقت فرمایا تھا کہ بابا عبدالحق حیات وممات میں تمہارے کمالات کی انتہا نہیں دیکھتا- (انوار العیون، ص۱۷۲، از حضرت عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ)

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی مرأۃ الاسرار کے صفحہ ۱۱۳۹ پر رقم طراز ہیں کہ سلسلہ چشتیہ میں خواجہ ابومحمد چشتی اور خواجہ بختیار کاکی کے ^ دائرۂ وجود مطلق اور نقطۂ ذات حقیقۃ الحق کے مشاہدہ کا جو دوامی استغراق وتحیر مخدوم عبدالحق کو حاصل تھا، اس سے زیادہ کسی ولی کو میسر نہ ہوا- حاصل کلام یہ ہے کہ فیضان صابر پاک کو عرب وعجم کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے میں حضرت شیخ العالم علیہ الرحمہ کو اولیت حاصل ہے اور آپ کے توسل وتوسط سے بے شمار افراد کو سلسلۂ صابریہ اور اس کے انوار وتجلیات سے فیض یاب ہونے کا موقع نصیب ہوا اور آج Ì آپ کی خانقاہ پورے اہتمام کے ساتھ اس سلسلے کو فروغ دے رہی ہے-

۱۵ر جمادی الثانی ۸۳۸ھ ایک سو آٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا- آپ اپنی خانقاہ سے متصل مدفون ہوئے- آپ کا مزار پاک اب Ì فیض j عام ہے-

سوال:- شیخ العالم حضرت شاہ احمد عبدالحق صاحبِ توشہ ردولوی علیہ الرحمہ کو مجدد سلسلۂ صابریہ کہا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

نیر میاں:- ردولی شریف میں حضرت شیخ العالم مخدوم احمد عبدالحق علیہ الرحمہ کی قائم کردہ خانقاہ سلسلۂ صابریہ میں منفرد اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے- ہندوستان کے مشہور مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی مشہور کتاب 'تاریخ مشائخ چشت' جلد اول میں تحریر کیا ہے کہ چشتیہ صابریہ سلسلہ کا سب سے پہلا مرکز جس کو ہم تاریخ کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں ردولی ضلع فیض آباد (موجودہ بارہ بنکی) ہے، شیخ احمد عبدالحق نے اپنے زمانے میں وہاں اپنی خانقاہ قائم کی تھی جب سلسلۂ چشتیہ کا مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا- نظامیہ سلسلے کے بزرگ گجرات، دکن، مالوہ، بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہیں قائم کر رہے تھے- دہلی اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ چشتی سلسلے کے بزرگوں سے تقریباً خالی ہو چکا تھا- شیخ احمد عبدالحق نے

سیاحت کے دوران نظامی سلسلے کی ‰ خانقاہوں کو دیکھا تھا اور حالات کا جائزہ لیا تھا- ردولی میں ان کی خانقاہ رشد وہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ کثرت سے حاضر ہونے لگے (تاریخ مشائخ چشت، ص۲۷۱) پوری دنیا میں سلسلہ چشتیہ صابریہ کی ۹۰ فیصد شاخیں آپ ہی کے خرمن فیض وروحانیت کی خوشہ چیں ہیں- آپ کی ذات بابرکات اور آپ کے خلفاء ومرید + اور آپ کی بارگاہ سے فیض یافتہ اولیائے کاملین کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ صابریہ نے پوری دنیا میں فروغ پایا- یہی وجہ ہے کہ آپ مجدد سلسلہ صابریہ کہلائے-

سوال:- خانوادۂ فرنگی محل کے اجلۂ علما وفضلا خانقاہ شیخ العالم میں نیازمندانہ حاضر ہوا کرتے تھے ان روابط پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

نیر میاں:- فرنگی محل کے علما کا قدیمی روحانی تعلق اس خانقاہ سے رہا ہے- حضرت شیخ عبدالرزاق بانسوی علیہ الرحمہ سے سلسلہ قادریہ فرنگی محل کے علما کو پہنچا اور شاہ محبّ اللہ محدث الہ آبادی شیخ کبیر چشتی صابری کے خلیفہ حضرت شیخ صدرالد + گھاسی سے سلسلۂ صابریہ کی اجازت وخلافت فرنگی محل کے علما کو پہنچی، اس کے ^ فرنگی محل کے علما کا روحانی تعلق خانوادۂ شیخ العالم سے قوی ہوتا گیا- حضرت شاہ التفات احمد ان کے صاحبزادے شاہ حیات احمد اور ان کے بیٹے شاہ آفاق احمد علیہ الرحمۃ والرضوان کی پوری تعلیم فرنگی محل میں ہوئی اور ہر سال بلاناغہ یہ سارے فرنگی محل کے علما وفضلا عرس شیخ العالم میں پابندی سے حاضر ہوتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے- یہ روحانی تعلق رشتہ داری میں Ì تبدیل ہوا- جب حضرت شاہ حیات احمد صاحب کی صاحبزادی کا نکاح حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے صاحبزادے حضرت مولانا جمال میاں کے ساتھ ہوا، لہٰذا جیسا میں اوپر کہہ چکا ہوں یہ قد * روحانی تعلق اور مضبوط ہو کر کے رشتہ داری کی شکل میں Ì سامنے آیا-

سوال:- تحریک ندوہ کے زمانے میں اس وقت کے سجادہ نشین حضرت شاہ التفات احمد صاحب علیہ الرحمہ نے علمائے بدا- ں کے ساتھ جو خدمات انجام دی تھیں ان کے تعلق

سے آپ کیا کہیں گے؟

نیر میاں:-تحریک ندوہ میں شروع میں اکثر سنی علما متحرک تھے لیکن جیسے جیسے اس تحریک میں بدمذہبوں کی شرکت بڑھتی گئی ویسے ویسے ایک ایک کر کے تمام سنی علما الگ ہوتے گئے خود میرے نانا حضرت مولانا شاہ محمد حسین فاروقی علیہ الرحمہ جو ندوہ کے بانیوں میں رہے ہیں، انہیں سب وجوہات کے سبب تحریک ندوہ سے الگ ہوگئے تھے- چونکہ حضرت شاہ التفات احمد صاحب فرنگی محل میں حضرت مولانا شاہ محمد حسین فاروقی کے شاگرد تھے اور تمام تحریکوں میں ان کے ساتھ رہے ہیں لہٰذا تحریک ندوہ کے سلسلے میں ان کا Ì وہی موقف تھا جو حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدا-نی کی قیادت میں دوسرے سنی علما بالخصوص حافظ g ری مولانا شاہ عبدالصمد چشتی سہسوانی صدر مجلس علمائے اہل سنت کا تھا، علمائے بدا-ں سے چونکہ اس خانقاہ کا قدیمی تعلق رہا ہے لہٰذا حضرت شاہ التفات احمد صاحب نے تحریک ندوہ کے سلسلے میں بدا-ں کے علما کے موقف کا 1/2 پور تعاون کیا-

سوال :-آج خانقاہ شیخ العالم سے دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد، نشر واشاعت اور تعلیمی میدانوں میں کیا خدمات انجام دی جارہی ہیں؟

نیر میاں:-خانقاہ حضرت شیخ العالم دعوت وتبلیغ اصلاح معاشرہ، نشر واشاعت اور تعلیمی میدان میں پوری طرح سرگرم عمل ہے-خواجہ بندہ نواز گلبرگہ شریف کی خانقاہ کے طرز پر یہاں ۲۰۰۰ء میں چشتیہ ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا-شروع میں اس سوسائٹی نے کافی چھوٹے پیمانے پر اپنے تعلیمی اور تصنیفی سفر کا آغاز کیا اور ایک چھوٹے سے مدرسہ چشتیہ صابریہ فیض القرآن کی داغ â ڈالی- ایک سال کے ^ یعنی ۲۰۰۱ء کے عرس شیخ العالم میں اس کا نام جامعہ چشتیہ رکھا گیا اور اسے باقاعدہ دارالعلوم کی شکل دی گئی- اس وقت یہ ادارہ مختلف شعبہ جات پر مشتمل ہے-جس کی تفصیل حسب ذیل ہے-

شعبۂ حفظ: چار درسگاہوں پر مشتمل ہے جس میں ۸۰/ سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہیں-

شعبۂ قرأت: اس میں بروایت امام حفص علیہ الرحمہ جید قراء کے ذریعے مقررہ تین سالہ نصاب کی تکمیل کرائی جاتی ہے- اس کے علاوہ شعبۂ درس نظامیہ میں ۵۰ سے زیادہ

مہمانان رسول زیر تعلیم ہیں- فی الحال یہاں جماعت را > تک تعلیم ہورہی ہے جو انشاء اللہ جلد ہی دورۂ حدیث تک ہوجائے گی-۲۰۰۹ء کے عرس شیخ العالم میں باقاعدہ خانقاہ حضرت شیخ العالم میں دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا ہے، جس میں ایک مستند عالم د +مفتی کا تقرر کیا گیا ہے تاکہ لوگ اپنے شرعی مسائل کے حل کے لیے خانقاہ کی طرف رجوع کرسکیں- فی الحال یہ دارالافتاء جامعہ کی لائبریری نظامی دارالمطالعہ میں چل رہا ہے- اس دارالافتاء کا نام صابری دارالافتاء رکھا گیا ہے- جامعہ کے قیام کے وقت سے ہی اس ادارے کا اہم مقصد تھا کہ دینی تعلیم کے فروغ کے علاوہ صابریہ سلسلہ کے اکابر علما ومشائخ کی تصانیف منظر عام پر لائی جائیں- اس ادارے نے ۲۰۰۳ میں اپنے تصنیفی سفر کا آغاز کیا اور حیات شیخ العالم پر ہندو پاک کے نامور علما اور مشائخ کے گراں قدر مقالوں کا مجموعہ ¯م 'جہان حق' شائع کیا، جس کی علمی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی- اس کے ^ اس شعبہ نے حضرت مولانا شاہ محمد حسین فاروقی کی تصانیف شائع کرنا شروع کی-۲۰۰۴ء میں " **سبیل السلام**" کی اشاعت ہوئی، اس کے ^ حضرت مولانا کا سفر حج ''رحلۃ المسکین'' شائع کیا- پھر حضرت مولانا ہی کی تصنیف نیل المطالب اور ضیاء الا W را یک ساتھ شائع کیں- اس طرح سات سال کی قلیل مدت میں اس نے سات کتابیں منظر عام پر لانے کا شرف حاصل کیا- شعبۂ نشر واشاعت کے آئندہ منصوبہ میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تفسیر وترجمہ قرآن مجید جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس وقت آؤٹ آف پرنٹ ہے شائع کرنے کا عزم کیا ہے- جامعہ چشتیہ روایتی دینی تعلیم کے علاوہ عصری تعلیم کے میدان میں Ì متحرک ہے- چشتیہ ہائر سکنڈری اسکول کے نام سے وہ ایک ادارہ چلاتا ہے، جس میں تقریباً بارہ سو سے زائد طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں- اس ہائر سکنڈری اسکول کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں عصری تعلیم کے ساتھ مسلمان بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم سے Ì آراستہ کیا جاتا ہے- پچھلے تین سالوں سے اس کے ہائی اسکول کا نتیجہ سو فیصد جارہا ہے-

یہ بات کسی ذی شعور سے پوشیدہ نہیں ہے کہ صالح معاشرہ کی تشکیل میں تعلیم یافتہ بچوں سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ بچیاں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں- انہیں وجوہات کے مدنظر مسلم

بچیوں کو دینیات کے ساتھ عصری علوم سے آراستہ کرنے کے لیے چشتیہ گرلس انٹر کالج کے قیام کا ارادہ اراکین جامعہ چشتیہ نے کیا ہے اور اس کے لیے چھ بیگھہ زمین خرید لی گئی ہے، جس کا سنگ بنیاد آ رکھا جا چکا ہے- اس ادارے کو ڈگری کالج تک لے جانے کا منصوبہ ہے- ان تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ خانقاہ میں ہفتہ وار صابری محفل کا انعقاد کیا جاتا ہے جو ^ نماز مغرب تا عشاء ہوتی ہے- اس میں حلقۂ ذکر، ختم خواجگان، اصلاحی خطاب اور دعا ہوتی ہے- ہر سال خانقاہ حجاج کرام کی تربیت کے لیے تین روزہ حج ٹریننگ کیمپ کا انعقاد کرتی ہے، اس کے علاوہ مختلف دینی اور اصلاحی پروگرام کا اہتمام وقتاً فوقتاً کیا جاتا ہے-

سوال:- خانقاہوں اور بالخصوص چشتی صوفیہ نے برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں مگر آج خانقاہوں کا یہ کردار معدوم ہوتا جا رہا ہے اس کے اسباب کیا ہیں؟

نیر میاں:- اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر میں دعوت د + سے متعلق جو کارنامہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں نے انجام دیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے، اپنے تو اپنے تمام اغیار آ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں- برصغیر میں اگر اکابر اولیائے کرام کا شمار کیا جائے اور ان کے تبلیغی ودعوتی کارناموں کا تجزیہ کیا جائے تو سلسلۂ چشتیہ کے شیوخ ہر طرف نمایاں نظر آئیں گے- حضرت خواجہ معین الد + چشتی اور ان کے نامور خلفاء جس میں خصوصیت کے ساتھ حضرت خواجہ قطب الد + بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الد + مسعود شکر گنج اور حضرت محبوب الٰہی نظام الد + اولیاء، حضرت صابر پاک، حضرت نصیر الد + چراغ دہلوی، حضرت گیسو دراز بندہ نواز، حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولوی، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی جیسی اہم تر + شخصیات کی خدمات کا کون انکار کر سکتا ہے، مگر آج حالات کچھ دوسرے ہیں، مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا آ تامل نہیں ہے کہ آج اکثر چشتی خانقاہوں کا علمی دعوتی اور روحانی سفر صرف سہ روزہ، دوروزہ، چہار روزہ تقریبات عرس میں سمٹ کر رہ گیا ہے- سال 1/2 یہ خانقاہیں خاموش پڑی رہتی ہیں-

اس زوال وانحطاط کے اسباب جو آ ہیں 3/4 حال وہ تلخ حقائق ہیں ان سے قطع نظر

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان خانقاہوں کو پھر سے متحرک کیا جائے اور ہمارے بزرگوں نے ان خانقاہوں کا قیام جس عظیم مقصد کے لیے کیا تھا، اس کی جانب دوبارہ نئے انداز میں سفر کا آغاز کیا جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے عوام بلاتفر & مذہب وملت کل آ خانقاہوں سے عقیدت ومحبت اور جذباتی تعلق رکھتے تھے اور آج آ کسی نہ کسی پہلو سے یہ تعلق برقرار ہے، ہم عوام کے اس جذباتی لگاؤ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی رہنمائی کر , ان کے دکھ درد کو بانٹیں، ان کی دینی اور روحانی اصلاح کر , اور خدمت خلق کے ذریعے غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوشش کر , -

سوال:- آج ہمیں خانقاہوں اور تصوف کی کتنی ضرورت ہے؟

نیر میاں:- میں تو یہ کہوں گا کہ ہمیں آج تصوف کی جتنی ضرورت ہے اتنی شائد پچھلی صد-ں میں آ نہیں تھی، مگر وہ تصوف جس کی بنیاد کتاب وسنت کی تعلیمات اور سلف صالحین واولیائے کاملین کے ¯ئے ہوئے اصولوں پر ہو، اصلاح احوال، ہدایت وارشاد اور اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے تصوف اور اہل تصوف سے بہتر اور مؤثر طریقہ اب تک پیش نہیں کیا جا سکا، ہمارے نوجوان آج د + کے معاملات میں شکوک وشبہات کا شکار ہیں ان کو آ اسی ذریعے د + کے صحیح فہم تک لایا جا سکتا ہے، تصوف اور خانقاہوں کی ایک دوسری اہمیت آج کے بدلے ہوئے حالات میں ظاہر ہوئی ہے کہ آج اسلام کو دنیا 1/2 میں دہشت گرد مذہب کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، لیکن ساتھ میں oo% حلقوں کی طرف سے یہ آ کہا جا رہا ہے کہ اسلام کی وہ تعبیر وتشریح جو اہل تصوف نے کی ہے وہ آج آ دنیا کو امن وامان دے سکتی ہے، ہمیں موقع کا فائدہ اٹھانا چاہیے اور تصوف اور خانقاہوں کو مضبوط کر کے عالمی پیمانے پر ان کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ ¯نا چاہیے، ہمارے اکابر صوفیہ نے مخلوق خدا سے محبت، خدمت خلق، اپنے اور بیگانے سب سے یکساں سلوک، پریشان حالوں کے ساتھ ہمدردی اور دردمندی، محبت سب سے نفرت کسی سے نہیں کے اسلامی اصولوں پر جو اسلام کا عملی تعارف پیش کیا تھا آج دنیا کو پھر اسلام کے ایسے ہی تعارف کی ضرورت ہے، اسلام کا یہ عملی تعارف کروانا ہمارے صوفیہ اور مشائخ کا حق آ ہے اور فرض آ -

ســـــوال :-آج ایک طبقہ اپنی تحریر وتقریر میں پرانے علمی وروحانی خانوادوں کی خدمات کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر نظر انداز کر رہا ہے، اس پر آپ کیا کہیں گے؟

نیر میاں:-یہ ہماری جماعت کا ایک بڑا المیہ ہے، مگر اس پر دوسروں سے شکوہ شکایت کرنے کی O ئے پرانے علمی اور روحانی خانوادوں کے موجودہ وارثین کو میدان عمل میں آ کر اپنے اکابر کی عظیم الشان خدمات کو تحریر وتقریر اور نشر واشاعت کے ذریعے خود ہی منظر عام پر لانا ہوگا:

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

خانقاہ شیخ العالم نے اس سلسلہ میں جو پیش قدمیاں کی ہیں اس کا احوال آپ پیچھے سن ہی چکے ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ پرانے خانوادوں کی علمی خدمات کو نظر انداز کرنے اور ساری خدمات کا سہرا کسی ایک خاندان کے سر باندھنے سے پرانے خانوادوں اور خانقاہوں کے موجودہ وارثین کی نظر میں خود ان ہی لوگوں کی قدر کم ہو رہی ہے اور ایک عجیب بے یقینی، بے اعتباری اور مخاصمت کی فضا ہموار ہو رہی ہے جو یقیناً جماعتی اتحاد کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے، اس طرز عمل اور روش کو بدلنا چاہیے-

ســـــوال :-آج جماعت اہل سنت میں جو انتشار وافتراق ہے آپ کی نظر میں اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور اتحاد واجتماعیت کی راہ میں کیا چیز مانع ہے؟

نیر میاں:-یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کے حقیقت پسندانہ جواب سے مزید انتشار وافتراق پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، لہذا اس پر میں خاموشی اختیار کرنے کو ترجیح دوں گا-

سوال:-جام نور کے قارئین اور اس کی مجلس ادارت کو آپ کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

نیر میاں:-جام نور میں دلچسپی سے پڑھتا ہوں اور پسند Ì کرتا ہوں، جام نور کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے ا ° ر ونظریات کے کچھ ایسے ''بت'' توڑے ہیں جن کی ''پرستش'' پچھلی کئی دہا-ں سے کی جا رہی تھی اور مجھ جیسے کتنے گوشہ نشین فقیر کسی ''بت شکن'' کے ظہور کی دعائیں کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید حوصلہ بخشے اور تیز وتند ہواؤں کے

مقا » میں ثابت قدم رکھے-خدا نے آپ کو ایک بہتر +ٹیم عطا فرمائی ہے، اس کے ساتھ نئے آفاق کی تلاش میں سرگرداں رہیں، خواہ مخواہ کی مخالفت نہ خود مول لیں اور نہ کسی کی اس قسم کی اچھل کود کا نوٹس لیں یہی سلامتی کی راہ ہے اور کامیابی کی کلید Ì -□□□

(شمارہ ستمبر ۲۰۱۰ء)

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

جنرل سیکریٹری: مرکز برکات رضا ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، ممبئی

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی جماعت اہل سنت کے ایک نیک خو، خوش فکر اور جفاکش نوجوان عالم د + ہیں اور —ل پروفیسر مسعود احمد کراچی'' اپنی عمر سے زیادہ کام کر چکے ہیں''-۱۹۷۰ء میں بائسی پورنیہ · رمیں پیدا ہوئے، پرائمری درجات اور پھر ہائی اسکول کے ^ دینی تعلیم کے لیے مبارک پور آ گئے اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے ابتدا تا انتہا دینی تعلیم حاصل کی- الجامعۃ الاشرفیہ میں زمانہ قیام کے دوران ہی انٹر میڈیٹ اور گریجویشن آ کرلیا اور ^ فراغت پٹنہ سے ا* اے اور پھر · ر- نیورسٹی مظفر پور سے امام احمد رضا کی مکتوب نگاری پر پی ایچ ڈی کی- پہلے جامعۃ الثقافۃ السنیہ کالی کٹ کیرالا میں کئی سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ^ ازاں ممبئی آ گئے جہاں اب تک مقیم ہیں- ملا ڈایجوکیشن اینڈ میڈیکل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام قائم ایک اسکول میں دینیات کی کلاسیز لے رہے ہیں- فاؤنڈیشن نے آپ کی بہتر + تدریسی خدمات کے اعتراف میں آپ کو''بیسٹ ٹیچر ا-ارڈ'' سے آ سرفراز کیا ہے، تدریس سے باقی اوقات مجدد اسلام امام احمد رضا اور دیگر اساطین امت کے ا° روخدمات کی تحقیق وتفتیش میں صرف کرتے ہیں، آپ کی نوک قلم سے مختلف موضوعات پر تقریبا دو درجن کتابیں معرض وجود میں آ چکی ہیں، ''رضویات'' ان کا خاص موضوع ہے اور اسی سے ان کی پہچان ہے- ۲۰۰۷ء میں اسی موضوع کے حوالے سے آپ کی خدمات کے اعتراف میں ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی پاکستان'' نے آپ کو گولڈ مڈل سے سرفراز کیا- ممبئی کی سرزمین پر ۲۰۰۹ء سے انھوں نے مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی خدمات اور ا° رکی اشاعت کے لیے سالانہ کل ہند سیمینار کا آغاز کیا ہے-

سوال :-سب سے پہلے یہ C یئے کہ مکتوبات رضا پر پی ایچ ڈی کرنے کے اعزاز میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا سے ا-ارڈ حاصل کر کے آپ کیسا محسوس کرتے ہیں؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-الحمد اللہ! دینی اعتبار سے یہ اعزاز ہے اور اس پر مجھے بے پناہ مسرت اور خوشی ہے- لیکن روحانی اعتبار سے یہ عزاز میرے خیال میں کوئی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے، اس لیے کہ دوسرے لوگ ایسے اعزاز اور ا-ارڈ کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں اور وہ اسے سستی شہرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، مختصراً یہ کہ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی سے جو مجھے ا-ارڈ ملا اور وہاں کے اہل علم، دانش وراور معزز + شہر کے مابین مجھے یہ اعزاز دیا گیا، 4/صورت مجھے اچھا اور بہتر لگا-

سوال :-دورۂ پاکستان سے واپسی پر فکر رضا کے حوالے سے ہندو پاک کی سرگرمیوں پر کچھ روشنی ڈالیں؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-فکر رضا کے حوالے سے سرگرمیوں کی دو جہتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو علمی اور تحقیقی سطح پر اور دوسری ترسیل اور طباعت کے حوالے سے، علمی اور تحقیقی سطح پر جو ہندو پاک میں کام ہوا یا ہو رہا ہے یا ہونے کے امکانات ہیں وہ خوش آئند ہیں، اس حوالے سے ہندوستان سے زیادہ سرگرمی ہمیں پاکستان میں نظر آئی، لیکن ہندوستان ہو کہ پاکستان جہاں کہیں کے آ محققین امام احمد رضا پر کام کر رہے ہیں، ان میں بیشتر کام موضوعاتی اعتبار سے تنوع کے حامل ہونے کے باوجود ان کے‰ گوشوں میں تشنگی محسوس ہوتی ہے- مثلاً یہ کہ امام احمد رضا کی نعت گوئی کے حوالے سے 1 سی تحریر , سامنے آئیں، اس طرف لوگوں کا رجحان رہا- اب قدرے اس میں تبدیلی آئی ہے کہ لوگ دوسرے پہلوؤں پر آ توجہ دے رہے ہیں اور کئی دوسرے موضوعات پر کام ہوا اور ہو رہا ہے- مثلاً ڈاکٹر امجد رضا صاحب کے ذریعے ایک کام 1 اچھا اور عمدہ ہوا، اگرچہ آ اس میں اضافے اور اس کی تنقیح کی ضرورت ہے، ان کا عنوان تھا ''امام احمد رضا کی تنقید , '' اور میرے خیال سے ابواب -ں تھے، علمی تنقید , ، فکری تنقید , ، سیاسی تنقید , ، شعری

تنقید , ،تو یہ ایک اچھی پیش رفت تھی، ان کو ڈگری ا-ارڈ ہوگئی ہے لیکن ا آ میرے خیال میں اس میں مزید اضافے کی گنجائش باقی ہے، ایک دوسرا کام پاکستان سے آ ہوا ہے، ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے کنز الایمان کے حوالے سے ''کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن'' کے عنوان سے کیا ہے- ان کی تھیسس چھپ چکی ہے اور وہ ایک اچھی کوشش ہے، پاکستان جہلم کے ایک اسکالر نے کام کیا ہے ''الزلال الانقی ''پر، یہ کام آ علمی اعتبار سے قدر و قیمت اور اہمیت کا حامل ہے، اس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری آ ا-ارڈ ہوئی ہے اور مقالہ آ غنیمت اور قابل اشاعت ہے- ان تمام کاموں کے مابین اور روایتی موضوعات سے ہٹ کر ایک عنوان فقیر نے انتخاب کیا، وہ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری ہے اور اس کام کو ہندوستان و پاکستان میں لوگ ´ع جدید دیکھ رہے ہیں، تو علمی اور تحقیقی سطح پر دانشورانہ سطح پر جو کام ہوا اور ہو رہا ہے، اس میں مزید بہتری لانے اور جدید تکنیکی ذرائع کا استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور فکر رضا کے جو مختلف پہلو اور گوشے ہیں، ان میں سے ایسے گوشوں پر کام کیا جائے جو ا آ تشنہ ہیں- رہ گئی دوسری شق، یعنی فکر رضا کی ترسیل و طباعت، تو طباعت کے حوالے سے اس کا سب سے بڑا سرچشمہ تو خود فاضل بریلوی کی زندگی میں بریلی کی سرزمین رہی، ^ میں فکر رضا کا ایک مضبوط اور مستحکم پڑاؤ تحفہ حنفیہ پٹنہ کو قرار دیا جاسکتا ہے، پھر اس کے ^سنی دار الاشاعت مبارک پور کو آ فراموش نہیں کر سکتے اس نے فکر رضا کا بنیادی ماخذ فتاویٰ رضویہ کی کئی جلد , اولاً طباعت کر کے سامنے لائیں اور یہ ہماری قوم اور جماعت پر ایک 1 بڑا احسان ہے- فکر رضا کا تیسرا بڑا مرکز مرکزی مجلس رضا لاہور کو ہم قرار دے سکتے ہیں، اس نے جدید خطوط پر کام کیا، ہندو پاک میں ایک نئے ذہن اور ایک نئے دور کا آغاز کیا، سوتوں کو جگایا اور جاگنے والوں کو تیز رفتار کیا، جدید طرز پر لکھنے والوں کو قریب کیا، فکر رضا سے جو لوگ منغض یا برگشتہ تھے ان لوگوں کو اس نے قریب کرنے کی کوشش کی اور لوگوں کا ذہن صاف کیا، اس حوالے سے مرکزی رضا لاہور کا 1 اہم رول ہے- دور حاضر میں ہمارے یہاں المجمع الاسلامی مبارک پور نے بڑا اچھا کام کیا اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ نے آ اچھا کام کیا- رضا اکیڈمی ممبئی کی

طباعتی سرگرمیاں آ قابل قدر ہیں، اس ضمن میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے جو کام کیا ہے وہ نہایت اہم اور جدید حالات کے پیش نظر اہمیت کا حامل ہے- ایسے ہی رضا فاؤنڈیشن لاہور جس نے فتاویٰ رضویہ کو جدید ترتیب و تہذیب و تحقیق کے ^ شائع کیا ہے اسے آ فراموش نہیں کیا جاسکتا، یہ ایک دستاویزی اہمیت کا حامل ہے، اس نے تحقیقات رضا سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے، ان تمام ترسیلی و ابلاغی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے تو ان میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کا کام سرفہرست رکھنے کے قابل ہے- وہ اس اعتبار سے کہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا نے یہ کوشش کی کہ جدید ذہن کو صاف اور قریب کیا جائے- اس سلسلے میں انہوں نے اردو، عربی، ہندی اور انگریزی کا سہارا لیا اور اس تعلق سے انہوں نے رسائل آ جاری کیے اور بے شمار کتابیں شائع کیں اور دوسروں تک پھیلایا- ادارۂ تحقیقات کی ایک خصوصیت یہ آ ہے کہ یہ کراچی میں ضرور ہے، لیکن اس کا نیٹ ورک پوری دنیا کے رضوی اسکالر کو محیط ہے- جہاں کوئی قابل کار فرد یا جو ہر قابل شخص نظر آیا تو اس کے ارکان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی کوشش سے ہم قوم و ملت کو کچھ فائدہ پہنچائیں اور وہ کوشش امام احمد رضا کے حوالے سے ہوتی ہے- میری پی ایچ ڈی کے حوالے سے آ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کا ایک نمایاں رول رہا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان و پاکستان میں جو کچھ آ ہوا ہے اس میں ادارۂ تحقیقات کی کچھ نہ کچھ رہنمائی شامل ہے- ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے بنگلا دیش میں آ فکر رضا پر کام کرنے کا آغاز کیا، سید وجاہت رسول قادری صاحب نے وہاں کے کئی اسکالرز کو اس کی طرف متوجہ کیا اور میرے خیال سے وہاں دو پی ایچ ڈی کا رجسٹریشن ہو چکا ہے- اسی طرح انہوں نے ایک پہل یہ کی کہ جامعۃ الازہر قاہرہ میں علمی رسوخ پیدا کیا، وہاں کا سفر کیا اور وہاں علمی نشست منعقد کی اور امام احمد رضا کے تعلق سے تعارف ہوا، کئی اسکالر اس کی طرف متوجہ ہوئے، ہندو پاک کے اسکالرز تو امام احمد رضا سے متعارف تھے ہی لیکن خاص طور سے عربی اور عصری محققین کا متوجہ ہونا ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کی سفارتی کوششوں کا نتیجہ ہے-

من جملہ یہ کہ ہندوستان و پاکستان میں طباعت و ترسیل اور علمی و تحقیقی سطح پر جو کام ہو

رہا ہے قابل اطمینان، امید افزا اور خوش آئند ضرور ہے لیکن ا ì اس میں 1 سی تبدیلیاں اور 1 سے گوشوں پر از سر نو اور خصوصاً جدید ذہن، جدید طریقہ تدو + اور جدید معیار نقد و نظر کو سامنے رکھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے-

سوال:-آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کے بالمقابل پاکستان میں فکر رضا پر زیادہ کام ہو رہا ہے، حالاں کہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو پاکستان ایک نیا ملک ہے اور وہ امام احمد رضا کا وطن ì نہیں ہے، تو اس اعتبار سے زیادہ کام تو ہندوستان میں ہونا چاہیے، آخر اس کے برعکس کیوں ہوا؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-اس کے جواب میں دو باتیں کہنا چاہوں گا،، ایک تو یہ کہ ایسا ہرگز نہیں کہ پاکستان نے اس حوالے سے پہل کی ہو اور اس کی خدمات کو ہم سر فہرست رکھ سکیں، یہ بنیادی طور پر غلط ہے، اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ابتدائی کام ہندوستان سے ہوا ہے، تو بنیادی مواد کے تحفظ اور اسے آگے بڑھانے کی جو کوشش ہوئی ہے، اس کی جڑ , ہندوستان سے ہی وابستہ ہیں- دوسری بات یہ کہ تقسیم کے ^ جن لوگوں نے پاکستان ہجرت کی انہوں نے فکر رضا کے حوالے سے سا—کوششوں کو جاری رکھا بلکہ اس میں اور تیز رفتاری پیدا کی اور چوں کہ وہاں کی زبان اردو ہے، سرکاری، دفتری، خانگی، اسکولی، ہر سطح پر اردو ہی اردو رہی، لوگوں کا مزاج اور مذاق اردو سے آشنا ہے اس لیے اردو میں ان کی کارگزاریاں زیادہ رہیں اور اس وجہ سے ہر دن کوئی نہ کوئی کتاب امام احمد رضا کے حوالے سے سامنے آتی رہی- رضویات کے حوالے سے ہندو پاک کی علمی سرگرمیوں میں جہاں تک تقابل کی بات ہے تو کمیت کے لحاظ سے پاکستان اس میں 1 آگے ضرور ہے لیکن کیفیت کے لحاظ سے یعنی قدر و قیمت کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستانی کام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں-

سوال:-مکتوبات رضا پر پی ایچ ڈی کی تحریک سے لے کر اس کی تکمیل تک کی مختصر روداد Ò ن کر , ؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-یہ ایک ایسا لفظ ہے کہ لوگوں میں اس کا ہوا کھڑا ہے-

اس لیے میں اولاً یہاں پی ایچ ڈی کے صحیح مفہوم پر تھوڑی روشنی ڈالنا چاہوں گا- پی ایچ ڈی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اسکالر سب سے پہلے اپنی اہلیت کا جائزہ لے پھر موضوع کا انتخاب کرے، پھر موضوع کے تمام پہلوؤں پر نظر کر کے اس کا جائزہ لے کہ میں اس موضوع کا حق کہاں تک ادا کر پاؤں گا- اگر نبھانے کی صلاحیت و اہلیت اسکالر کے اندر ہے تو پھر وہ یک سو ہو کر کام کرنا شروع کر دے لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ پی ایچ ڈی کا مفہوم آج 1 سطحیت لیے ہوئے ہے اور ہمارے اسکالر میں اکثریت ان کی ہے جو موضوع کو نبھا نہیں پاتے، محض ان کے سامنے ڈگری کا حصول ہوتا ہے، لہٰذا وہ جیسے پاتے ہیں کر گزرتے ہیں- پہلے کے محققین وہ تھے کہ دوڑ ¸ گ اور تلاش و جستجو میں ان کے بال سفید ہو جاتے تھے، کئی کئی جوتے اور چپلیں گھس جاتی تھیں، لیکن اب تو بغیر کسی محنت کے ہی ڈگری ا-ارڈ ہو جاتی ہے-

الجامعۃ الاشرفیہ میں دوران تعلیم ہی میرے اندر یہ آرزو پیدا ہو چکی تھی کہ میں امام احمد رضا کے کسی نا معلوم پہلو پر پی ایچ ڈی کروں گا اور جب میری فراغت ہوئی تو اسی سال میں نے ا* اے میں داخلہ لے لیا اور الحمد اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ا* اے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور پھر ہم نے کام کا آغاز کرنا ہی چاہا کہ میرا تبادلہ ممبئی سے کالی کٹ کیرالا ہو گیا جہاں تین سے چار سال تک یہ کام التوا میں رہا- ^ ۂ حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت علامہ اختر رضا ازہری، حضرت ڈاکٹر امین میاں قبلہ، پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب یہ حضرات کالی کٹ کے دورے پر پہنچے تو ان لوگوں سے میں نے مشورے لیے اور میں نے اپنی مصروفیات C ئیں جن کی وجہ سے میرا کام رک گیا تھا- ان بزرگوں نے میری ہمت افزائی کی اور کام شروع کرنے کا حوصلہ دیا، حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ آپ ۰ ر- نیورسٹی مظفر پور سے کام کر سکتے ہیں، آپ کے لیے سہولتیں فراہم ہو جائیں گی اور ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی آپ کی 1/2 پور رہنمائی کر پائیں گے- الغرض میں نے وہاں امام احمد رضا کے مکتوبات پر پی ایچ ڈی کا اندراج کرایا اور Out Door ہم نے کام کا آغاز کر دیا- اس وقت میں ہندوستان پاکستان کے مختلف شہر، بلاد،، افراد تک پہنچا، میری تلاش و جستجو جاری رہی، مرکز الثقافۃ السنیۃ

کالی کٹ سے جو مجھے تنخواہ ملتی تھی اسے میں مصارف سفر اور کتابوں کے خریدنے اور مواد اکٹھا کرنے پر خرچ کر دیتا تھا- چوں کہ میرا گھر الحمدللہ! خوش حال ہے، گھر والوں نے مجھ پر بوجھ نہیں ڈالا کہ پیسے دو، بلکہ انہوں نے میرے کام پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ جب تک آپ کا یہ علمی سفر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ جاتا، آپ اپنی تنخواہ اسی پر صرف کرتے رہیں-

¾حال! کام کا آغاز ہوا اور میں نے مواد کی تلاش وجستجو ایک طوفانی انداز میں شروع کر دی، کالی کٹ سے سفر کر کے رام پور آنا، رضا لائبریری رام پور، بریلی شریف، خدا j لائبریری پٹنہ، آزاد لائبریری علی گڑھ، دہلی پبلک لائبریری دہلی، جامعہ ملیہ کی لائبریری اور جامعہ ہمدرد کی لائبریری میں، میں نے ہفتوں ہفتوں گزارا- ان دنوں میری کوشش یہ رہی کہ مکتوبات رضا کے حوالے سے جو مواد Ì مجھے ملے وہ یا تو Real Source ہو یا Secondry Sources یعنی اولین اور ثانوی مآخذ میں ان چیزوں کو جمع کرتا رہا- جہاں کتابیں ملیں خرید لیں، جہاں Rare Books ملیں وہاں فوٹو کاپی کرالی اور جہاں نوٹ کرنے کا موقع ملا میں نے نوٹ کر لیا- لیکن جو کام کی چیز , اہل سنت کے تعلق سے، تیرہو , چودہو , صدی کے تعلق سے نظر آئیں، ان چیزوں کو Ì میں ایک ذیلی اور ضمنی اشاریے کے طور پر نوٹ کرتا رہا- پاکستان Ì پہنچا تو میں نے مختلف شخصیتوں سے را , کیا اور لائبریر- ں اور تحقیقاتی اداروں میں پہنچ کر میں نے 1 سی چیز , نکالیں- ہندوستان پاکستان کے سفر کے دوران ‰ ایسے واقعات Ì پیش آئے کہ جن گھروں میں مخطوطات پڑے ہوئے تھے خود گھر والوں کو Ì پتہ نہیں تھا کہ وہ قیمتی مخطوطہ ان کے گھر میں موجود ہے- جب میں نے چھان پھٹک کر ان کے سامنے رکھا اور پڑھ کر سنایا (الحمدللہ! میرے اندر مخطوطات رضا پڑھنے کی شد بد ہو گئی تھی) تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ تبرک ان کے گھر میں تھا لیکن خود انہیں پتہ نہیں تھا-

مواد کی تلاش وجستجو کے لیے تین چار سال سفر کر لینے کے ^ جب میں سارا حاصل شدہ مواد لے کر بیٹھا اور پڑھنا شروع کیا تو پھر موضوعاتی اعتبار سے اشاریہ ¯ نا شروع کیا، اپنی تحقیق کے حوالے سے پوائنٹ الگ نوٹ کرتا اور دیگر موضوعات کے حوالے سے الگ

نوٹ تیار کیا- اس سلسلے میں حضرت پروفیسر مسعود احمد صاحب کراچی کی کامل رہنمائی نے میری دست گیری کی اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے ارکان نے میری ½1 پور حوصلہ افزائی کی- سید وجاہت رسول قادری Ì برابر خبر گیری کرتے رہے، خاص طور سے میرے نگراں حضرت ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب کو جو کچھ Ì میں لکھ کر بھیجتا تھا وہ اسے سراہتے تھے اور 1 ہی معمولی ترمیم کا مشورہ یا اضافے کا مشورہ دیتے تھے، تقریباً 95% بلکہ 99% مواد Ok کر دیتے تھے- Duration کم از کم ۲/سال اور زیادہ سے زیادہ تین سال تھا اور 2002ء میں غالباً یہ صورت حال پیش آئی کہ اگر کوئی Vacancy نکلتی ہے تو اس کے لیے 2002ء تک کے Ph.d holder ہی Apply کر سکتے ہیں، اس لیے مجھ سے کہا گیا کہ آپ اپنی تھیسس جمع کر د , - چوں کہ میرا مقصد پی ایچ ڈی کرنا ہی نہیں تھا، بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ امام احمد رضا کے تعلق سے وہ گوشے جو اب تک پردۂ خفا میں تھے اور جن پر اب تک کسی کی نظر نہیں پڑی ہے اور وہ مواد جو Unseen & Unprinted ہیں میرے سامنے آئے اور جب میں نے ان کا تجزیہ کیا تو ہندوستان و پاکستان کے اہل قلم علما و دانش وران اور جو حضرات ماہر + رضویات کہلاتے ہیں، ان کی تحریر , دیکھیں تو مجھے معلوم ہوا کہ جو مواد میرے سامنے ہیں وہ کسی کے سامنے نہیں تو مجھے اندرونی طور پر ایسا لگا کہ ان قیمتی ذخائر کو سمیٹنا چاہیے- تو ہماری پی ایچ ڈی پس پشت پڑ گئی اور دوسرے موضوعات پر کام شروع کر دیا- چوں کہ میں کوتاہ قلم کوتاہ علم آدمی ہوں، میری تحریر یا تحقیق کیا اثرات مرتب کر سکتی ہے، جو مواد Real Sources ہیں، پہلے ان کو سامنے آنا چاہیے- اس لیے میں ان کے جمع و تدو + میں مصروف تھا کہ میرے گائیڈ کا مجھے حکم ملا کہ اس تاریخ تک آپ اپنا مقالہ جمع کر د , کیونکہ آپ کے مقالے کے بیشتر ابواب Ì لکھے جا چکے ہیں اور جو کچھ باقی ہیں انہیں پورا کر لیں- مجھے ۲۵/دن یا ۲۸/ دن کا وقت دیا گیا تھا- جو کچھ تھیسس میں کمی تھی میں نے دوسرے کام چھوڑ کر اسے پورا کیا اور الحمدللہ! بروقت اسے - نیورسٹی میں جمع کر دیا، اور اپنے وقت پر Viva ہوا اور ڈگری مجھے تفو ! کر دی گئی-

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پی ایچ ڈی ایک ۰ نہ تھی، میرا اصل مقصد امام احمد رضا کے نامعلوم گوشوں کو سامنے لانا تھا- الحمدللہ! اس میں مجھے 1 ہی زیادہ کامیابی ملی، اس کامیابی میں جہاں علما دانش وران اور ہمارے احباب کا تعاون شامل حال ہے، وہاں میں اپنی والدۂ محترمہ، والد محترم اور اپنے ۔ ئیوں کی قربانیوں کو ا فراموش نہیں کرسکتا، جنھوں نے اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے1/2پور موقع فراہم کیا-

سوال :-مکتوبات رضا پر پی ایچ ڈی کے علاوہ جہان رضا کی نئی جہات کی بازیافت میں آپ نے اور کیا کیا؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:- پی ایچ ڈی کا مقالہ جس پر مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفو ! ہوئی ہے وہ تقریباً ۵۰۰ رصفحات پر ہے، اس سے ہٹ کر جو میں نے کام کیا اس میں پہلا یہ ہے کہ خطوط امام احمد رضا کو میں نے از سر نو مرتب اور مدون کیا- اعلیٰ حضرت کے خطوط پر جو ایک کتاب علما کے مابین مشہور ہے وہ ہے'' مکتوبات امام احمد رضا'' مرتبہ مفتی محمود احمد قادری مظفر پوری، اس میں خطوط کی تعداد غالباً ۹۱ رہے، یہ تعداد میرے کام کے لیے کافی تھی لیکن چوں کہ میری جستجو مزید در مزید کی طرف تھی اس لیے مقالے کی تیاری کے دوران جو امام احمد رضا کے خطوط و مراسلات دریافت ہوئے انہیں میں نے مدون کیا اور متن خطوط رضا کو ترتیب دی، یہ ۳ رجلدوں پر مشتمل ہے- دو جلد , ''کلیات مکاتیب رضا'' کے نام سے ہند و پاک سے شائع ہو چکی ہیں اور لوگوں کی نظروں کے سامنے ہیں، تیسری جلد غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ میں نے ایک بڑا کام اللہ کے فضل و کرم سے یہ کیا کہ جو خطوط اعلیٰ حضرت کے پاس دوسروں کی طرف سے آئے تھے میں نے انہیں الگ مدون کیا اور اس کا نام'' خطوط مشاہیر ¯ م امام احمد رضا'' رکھا- اس میں ایک معمولی کسان اور مزدور سے لے کر حکمران وقت اور قانون دان، سیاست دان، علما، مشائخ، خانقاہی افراد، یعنی مسلم معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی سے متعلق افراد جو امام احمد رضا سے علمی، روحانی استفادہ کرتے تھے، ان سب کے خطوط اس میں شامل ہیں- تدو + و ترتیب اور کتابت کے ^ ۱۱ر سو صفحات پر مشتمل مسودہ میرے پاس موجود ہے-

ایک کام اس حوالے سے یہ سامنے آیا کہ حیات رضا کی نئی جہتیں جو حیات امام احمد رضا یا سوانح اعلیٰ حضرت وغیرہ میں شامل نہیں تھیں، انہیں ہم نے اپنی تحقیق و دریافت کی بنیاد پر'' حیات رضا کی نئی جہتیں'' کے نام سے تیار کیا- اہل علم کے لیے یہ بالکل نئی چیز ثابت ہوگی ان شاءاللہ الکر * - یہ کتاب علمی پبلیشر لاہور سے چھپ رہی ہے-

ایک کتاب میں نے'' تین تاریخی بحثیں'' کے عنوان سے مرتب کی ہے- ایک علم غیب سے متعلق ہے، ایک مسئلہ اذان ثانی سے متعلق ہے اور ایک ندوۃ العلما کے تعلق سے ہے اور یہ تینوں بحثیں ایسی ہیں جو اہل علم کی نظروں سے اوجھل تھیں- مجھے ان کا مسودہ مل گیا- میں نے تینوں بحثوں پر ایک مقدمہ لکھا جس میں ان بحثوں کا پس منظر پیش کر دیا- میرا یہ مقدمہ الحمدللہ! ایک ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے- لیکن مقدمے کے اندر جو باتیں میں نہیں لکھ سکا'' استدراک'' کے عنوان سے کتاب کے آخر میں انہیں شامل کر دیا ہے- یہ کتاب ا تقریباً ۳۰۰ رصفحات پر مشتمل ہے-

میری ایک کتاب'' ندوۃ العلما - ایک تجزیاتی مطالعہ'' ا تیار ہے، ندوۃ العلما کے تعلق سے 1 سی غلط فہمیاں رائج ہیں، امام احمد رضا کو مخالف ندوۃ العلما کہا اور گردانا جاتا ہے جب کہ یہ غلط ہے، امام احمد رضا ندوۃ العلما کے مخالف اور معاند نہیں تھے بلکہ موافق اور موید تھے- لیکن ان کو طر & کار سے اختلاف تھا جو لکھنؤ اور کانپور سے اٹھ کر ملکی سطح پر پھیل گیا- ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے جو مذہبی مراکز تھے جو دینی شخصیتیں تھیں، معاشرہ اسلامی کے جو معزز + ہیں ان سب کی حمایت امام احمد رضا کے ساتھ ہے- امام احمد رضا اس محاذ پر تنہا نہیں تھے بلکہ ان سے قد آور شخصیتیں ا ہمیں ان کے ساتھ نظر آتی ہیں- جیسے حضرت شاہ ابو الحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ اور اس زمانے کے اعلیٰ حضرت شاہ تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدا- نی علیہ الرحمہ اور شاہ حافظ g ری سید عبدالصمد پھپھوندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ-

تو اس معاملے میں امام احمد رضا نے باریک بینی سے تنقیدی جائزہ لیا اور اس کے طریقہ کار سے اختلاف کیا، جس کے ^ پورا برصغیر ان کے ساتھ ہو گیا تو ندوۃ العلما نے اخلاص کا راستہ چھوڑ کر ایک طرح سے نفسانیت کا راستہ اختیار کر لیا، جس کے دھوکے میں سید

محمد علی مونگیری صاحب آ گئے تھے تو اس کتاب کے اندران تمام گوشوں پر میں نے گفتگو کی ہے اور ایسے حقائق پیش کیے ہیں جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں-

میری ایک کتاب ''تقریظات امام احمد رضا'' کے نام سے ہے-اس میں اعلیٰ حضرت کی تقریباً ۲۸ر تقریظات ہیں جو مختلف کتابوں اور رسائل پر آپ نے لکھی ہیں، یہ تقریظات کچھ مطبوعہ اور کچھ مخطوطہ شکل میں مجھ کو مل گئی ہیں، میں نے سب کو جمع کر دیا ہے، میں نے اس میں ترتیب کا نہج یہ رکھا ہے کہ سب سے پہلے میں نے صاحب کتاب کا تعارف لکھا ہے پھر کتاب کا تعارف لکھا ہے، پھر امام احمد رضا کی تقریظ کی اہمیت اور خصوصیت دکھائی ہے- شروع میں ہم نے مقدمہ کے اندر تقریظ نگاری کی روایت اور اس کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالی ہے-

ایک کتاب میں نے ''اسفار امام احمد رضا'' کے نام سے تیار کی ہے-اس میں امام احمد رضا کے محدود اسفار کا تذکرہ ہے، اسفار کے معمولات، مشاغل اور قلمی وتصنیفی مصروفیتیں، وظائف، نماز کا اہتمام، احباب سے ملنے جلنے کا انداز اور معمولی یا غیر معمولی، موافقانہ یا مخالفانہ، خوش گوار وناخوش گوار جو واقعات اسفار کے دوران گزرے ہیں، میں نے ان سب کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے-

اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی تعداد ۳۲۵ر سے زائد ہے، اس موضوع پر جناب صادق منصوری اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری کے اشتراک سے ایک کتاب ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے نام سے ہمارے سامنے ہے، ایک پروفیسر مسعود احمد صاحب کی ''خلفائے امام احمد رضا'' ہے- ایک حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری کی ''خلفاء اعلیٰ حضرت'' ہے-لیکن وہ خلفاء جن کا ذکر ان کتابوں میں نہیں ہو سکا ہے، ہم نے ان کو ''امام احمد رضا کے چند غیر معروف خلفا'' کے نام سے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے- ان میں کئی ایک ایسے ہیں جن کی پہلی دریافت میں نے کی ہے-اس کتاب میں ۱۴ر غیر معروف خلفاء کا ذکر ہے-

سوال:-''فکر رضا'' پر آپ پچھلے ایک عشرے سے کام کر رہے ہیں، آپ یہ C ئیں کہ اس کے عوض یا اعزاز میں آپ کو ذاتی طور پر کیا ملا؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-یہ تو 1 نازک موڑ پر آ گئے-(مسکراتے ہوئے، پھر سنجیدگی کے ^) دوران تحقیق اس پورے دس بارہ سال کے سفر میں جو میرے سامنے مرحلے آئے یا مشکلیں آئیں، ان تمام مشملات کے باوجود میں نے 1/2 پور حوصلے سے کام کیا، احباب اور علما کی جانب سے آ حوصلہ ملا، تعاون ملا، پیار ملا اور کہیں کہیں بے پنا صعوGں اور کلفتوں کا سامنا آ ہوا جن کو میں نے بطیب خاطر برداشت کیا-لیکن 1 سے لوگوں نے تعاون آ کیا، مواد کی فراہمی میں مدد کی، کتابیں، رسائل اور مسودے عنایت فرمائے- میں تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں-لیکن تصویر کا دوسرا رخ انتہائی کر ک ہے- وہ یہ کہ میں جب کالی کٹ سے الگ ہوا تو کرائے کا مکان لیا اور کام کیا- اس دوران پیش آنے والے تمام ناخوش گوار واقعات کا ذکر کرنا میں مناسب تو نہیں سمجھتا، البتہ چند ایک کی طرف اشارہ کرنا موقع ومحل کے اعتبار سے مناسب ہی معلوم ہوتا ہے- چوں کہ ہمیں ہر جگہ دھتکار و پھٹکار ہی نہیں 1 سی جگہ محبت اور پیار آ ملا، لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ مسئلہ میرے لیے یہ رہا اور ہے کہ ہم نے اتنا سارا کام یک سوئی اور گوشۂ گمنامی میں بیٹھ کر کیا جس کا لوگوں کو پتہ آ نہیں تھا، تقریباً یہ سارا کام ہونے کے ^ ہی میں نے پروفیسر مسعود صاحب مدظلہ العالی اور سید وجاہت رسول قادری صاحب کو خط لکھا کہ پی ایچ ڈی کے مقالے کے ساتھ یہ سارے کام ہو چکے ہیں، یہ کام بند کمرے میں ہوا جس کی اطلاع ہم نے اب تک کسی کو نہیں دی ہے-لیکن انہوں نے اپنی صواب دید پر خط کو معارف رضا کراچی کے دسمبر کے شمارے میں شائع کر دیا جس سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ غلام جابر نے اتنا کام کیا ہے- اس دوران کوئی شخص میرے سامنے ایسا نہیں آیا جس سے میں اپنی کتابوں کی خرید، دفتری خرچ یا ذاتی مصارف میں اس کی مدد لے سکتا- ذاتی ضرورتوں کے لیے تو مجھے کوئی گلہ نہیں اور نہ یہ بات میرے ضمیر کو گوارہ ہے- اللہ تعالیٰ دست دراز کرنے سے مامون ومحفوظ رکھے-لیکن علمی سطح پر آ میرے تعاون کے لیے کہیں سے کوئی پیش کش نہیں ہوئی- یہ ایک طرف جہاں تکلیف دہ پہلو ہے، تو دوسری طرف میں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشی دور سمجھتا ہوں کہ اخلاص وایثار کا اس میں کتنا 4 ہے اور صبر کے ساتھ کتنا کام کر

پار ہا ہوں-

سوال:-گزشتہ نصف صدی سے ہمارے یہاں منظّم یا غیر منظّم طور پر جو کچھ کام ہوا تقریباً سب کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے رہا- کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ اس سے ہمارے 1 سے اکابر و اسلاف کی شخصیتیں پردے میں چلی گئیں یا ان سے ہمارا جو جذباتی رشتہ تھا وہ ٹوٹ گیا؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-تقسیم ہند سے پہلے ہمارے علما سواد اعظم مسلک اہل سنت کے تحفظ میں مکمل طور سے مصروف رہے، اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے تعلق سے جو کتب و رسائل وقت اور حالات کے پیش نظر سامنے آئے ان کی طباعت و ترسیل آ ہوتی رہی، تقسیم ہند کے دوران اور اس کے ^ ایک عرصے تک ہمارے یہاں ایک طرح کی خموشی، جمود اور تعطل کا دور دورہ رہا- ^ میں چند دہائیوں سے جو کام شروع ہوا ہے وہ واقعی کسی نہ کسی جہت سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے متعلق ہے- دور حاضر میں جو رجحان ہمارے اسکالر اور قلم کاروں کا ہوا ہے وہ تقریباً امام احمد رضا کے حوالے سے کام کرنے کا ہی ہے- اس کا ایک مثبت پہلو تو یہ سامنے آیا کہ امام احمد رضا کی شخصیت جماعت کے سر برآوردہ اور امام و پیشوا کی حیثیت سے سامنے آئی، جیسا کہ خواجہ حسن نظامی نے کہا تھا کہ ''جماعت صوفیہ کی طرف سے امام احمد رضا نے پورے برصغیر میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ تمام صوفیہ کی طرف سے خیر مقدم اور مبارک بادی کے لائق ہے'' تو اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کام ہونا ہی چاہیے تھا- لیکن اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ امام احمد رضا کی معاصر شخصیتیں یا کچھ ماقبل کی شخصیتیں پس منظر میں چلی گئیں- یہ ایک حقیقت ہے جسے ہم فراموش نہیں کر سکتے- اس کا ایک منفی اثر یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے 1 سی خانقاہیں، شخصیتیں اور تحریکیں کبیدہ خاطر ہو گئیں- اس تعلق سے میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جہاں اسکالرز کا مزاج امام احمد رضا کی شخصیت اور کارناموں پر کام کرنے کا بنتا ہے وہیں دوسری شخصیات پر آ کھل کر اور 1/2 پور کام ہونا چاہیے- ان تمام خانقاہوں، اداروں اور شخصیتوں کا تعارف آ دانش ورانہ سطح یعنی - نیورسٹی لیبل پر ہونا چاہیے- اس سے سواد اعظم مستحکم اور منظّم ہوگا-

سوال:-ممبئی کی سرزمین اپنی تمام تر زرخیزی کے باوجود علمی اور تحقیقی کام کے حوالے سے بے فیض واقع ہوئی ہے- لیکن پھر آ آپ نے اپنے کام کے لیے اسی سرزمین کا انتخاب کیوں کیا اور یہ کہ آپ کا علمی و تحقیقی کام وہاں کس طرح چل رہا ہے؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-ممبئی شہر کے کئی رنگ ہیں، کئی چہرے ہیں، یہ شہر بالکل 3/4 ویسا ہے، ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شہر بالکل مردم خور ہے، علم خور ہے، یا وہ اہل علم و فن کے لیے گورکن ثابت ہوتا ہے، بلکہ وہ علم پرور آ ہے- چونکہ کہ وہ ایک تجارتی اور مادی شہر ہے، مادیت اور تجارت کا غلبہ ہے- اس حوالے سے وہ متعارف ہے، ہندوستان کی صنعتی و مالی راجدھانی حاصل ہونے کا اسے شرف حاصل ہے- لیکن یہی وہ شہر ہے جس کی رنگینیوں اور شور و شر میں بیٹھ کر قاضی اطہر مبارک پوری غیر مقلد اسکالر نے زبردست کارنامہ انجام دیا، اور وہاں کی رنگینی، وہاں کا شور و شغب، دولت کی فراوانی اور سیٹھ اور ساہوکاروں کی دعوت و ضیافت قاضی اطہر مبارک پوری کی دعوتی و فکری قلمی کاموں کو روک نہیں سکی- تو ایسا نہیں ہے کہ وہ تمام تر زرخیزی کے باوجود علمی و تحقیقی کام کے لیے بالکل ناکارہ ہو-

میں نے کسی منظّم پلاننگ کے تحت ممبئی کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ میں کالی کٹ کیرالا سے ۶ رمہینے کے لیے رخصت پر آیا تھا- مقصد یہ تھا کہ میری تحقیق کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچے- لیکن الحمدللہ! جب میں یہاں آیا تو میرے پاس 1 سی مسجدوں اور مدرسوں سے آفرز آئے لیکن میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں دو سالوں تک ملازمت نہیں کر سکتا- میں اپنے حقہ پانی کا انتظام کر کے بیٹھا ہوں، مجھے علمی کام کرنا ہے- اس O میں ملا ڈایجوکیشن اینڈ میڈیکل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام جونائٹ ہائی اسکول اور جونیر کالج چلتا ہے، اس کی طرف سے پیش کش ہوئی، وہ میری رہائش سے آ قریب تھی، اور شام کے وقت کلاسیز لینی تھی، اس لیے میں نے بطیب خاطر قبول کیا تو معاشیات کے لیے ہم نے یہ ملازمت اختیار کر لی اور باقی اوقات اپنے علمی و تحقیقی کام کے لیے وقف کر دیا-

ایک بات یہ C دوں کہ ممبئی میں جو ذرائع آمدنی ہیں، مثلاً قرآن خوانی، دعا تعویذ، ٹیوشن پڑھانا، سیٹھ حضرات کی مخصوص دعوتوں میں جانا، جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت

کرنا، ان تمام ذرائع کو بے سوچے سمجھے ہم نے اپنے او پر مسدود کردیے-اس نقطۂ نظر سے کہ ان سے ہمارے علمی کام کو زک پہنچے گا، اس لیے میں ممبئی میں ہوتے ہوئے آ ممبئی سے 1 دور ہوں-

سوال :-آج بین الاقوامی سطح پر اہل علم و قلم کا بڑا طبقہ اتحاد امت کے لیے آواز بلند کر رہا ہے اور اس کے لیے کوشاں ہے، لیکن ہمارے یہاں جماعتی اتحاد آ ہماری کج فہمیوں کی زد میں رہتا ہے، اس تعلق سے آپ کیا کہیں گے، اتحاد کی کیا صورت ہے آپ کے پاس؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-ہمارے یہاں جو مشربی اختلافات ہیں، یا جو خانقاہی مشاجرات ہیں، اس تعلق سے بنیادی طور پر یہ C نا چاہوں گا کہ میں پچھلے پندرہ سالوں کے اختلافات و نزاعات کو دیکھ رہا ہوں، میں اپنے طور پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان تمام اختلافات کا سرا کہیں نہ کہیں منفعت و مفاد سے ملتا ہے-منفعت و مفاد جہاں خطرے میں پڑتا ہے، وہیں سے اختلاف کا پہلو نکلتا ہے-اس کی بنیادی وجہ اخلاص کا فقدان ہے، مثال کے طور پر یہاں یہ C نا چاہوں گا کہ ہمارے امام احمد رضا قادری نے حضرت شاہ تاج الفحول عبدالقادر بدا-نی کی شان میں قصیدہ لکھا-آپ کا قلبی، ذہنی، روحانی سارا رجحان یہ تھا کہ حضرت تاج الفحول سے بیعت ہوں اور بیعت ہونے کے لیے تشریف آ لے گئے اور اصرار آ کیا-لیکن حضرت شاہ عبدالقادر بدا-نی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اخلاص تھا کہ آپ نے وقت کے سب سے بڑے عالم کو بیعت نہیں کیا اور فرمایا کہ آپ کو وہاں سے بیعت ہونا ہے جہاں سے ہم بیعت ہیں-یہ کمال اخلاص کی مثال ہے، ہمارے مشائخ اور علمائے مستند کے اندر آج اگر اس طرح کا اخلاص اور استغناء پیدا ہو جائے تو یہ اختلاف آن کی آن میں ختم ہو جائے-اختلافات کی وجہ سے ہماری توجہ خارجی حملوں کی طرف نہیں ہو پا رہی ہے اور ہم آپس میں الجھے ہوئے رہ جاتے ہیں-اس سے ایک اور بڑا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ ہم ذاتیات پر اتر کر اپنی خامیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں-

سوال :-ہمارے یہاں علم و تحقیق کا معیار و مزاج کیا ہے اور نئی نسل میں علمی و تحقیقی رجحانات پیدا کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-الحمدللہ! ماضی کی بہ نسبت موجودہ عہد میں جو علمی و تحقیقی رفتار ہے وہ قابل اطمینان ہے اور خوش آئند ہے، پہلے جو کچھ ہوا وہ آ اچھا ہوا اور آج پہلے کے بالمقابل کچھ نہ کچھ بہتری آئی ہے اور جو مزید آگے ہونے والے کام کے امکانات ہیں، اس سلسلے میں اپنے احباب اور نئی نسل تک یہ بات پہنچانے کی کوشش کروں گا کہ ہمارے یہاں قلم کا جو مزاج ہے اور اس میں جو مناظرانہ منہج ہے One sided discuss کا جو طریقہ ہے، جس میں صرف اپنی بات منوانے کی کوشش کی جاتی ہے، تحقیقی دنیا میں یہ انداز مفید نہیں ہے، ہمیں نئی نسل کے اسکالرز کے اندر یہ رجحان پیدا کرنا چاہیے کہ وہ اپنی بات میں معروضیت یا معقولیت لانے کی کوشش کر , اور اپنے مختصر مضمون، یا ریسرچ پیپر یا تھیسس میں ایسے نکات پیش کر , کہ قاری جو درحقیقت جج ہوا کرتا ہے وہ آپ کے دلائل کی روشنی میں صحیح فیصلہ کر سکے-اگر قاری پر اپنی بات تھوپنے کی کوشش کی گئی تو ہماری بات ایک طرح سے رائگاں جائے گی-موقع و محل کے اعتبار سے کہیں کہیں خود کو مظلوم دکھانے کی آ کوشش ہونی چاہیے-اس کے علاوہ ہمارے جدید اسکالرز کو فن تدو + کے جو جدید تقا 2 ہیں انہیں پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے-اور اپنے موضوع کو اس نداز میں سمیٹنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ بڑے سے بڑا ناقد آ دلائل کی قوت کے پیش نظر آپ کی بات رد نہ کر سکے بلکہ وہ چیز Applicant ہو، Awaking ہو، جو قاری کے ذہن کو اپیل کر سکے اور یہ بات اسی وقت پیدا ہوگی جب تحریر میں معقولیت و معروضیت کے ساتھ مستحکم دلائل کی فراوانی ہوگی-

سوال:-جام نور کے لیے آپ کوئی پیغام دینا پسند کر , گے؟

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:-ماہنامہ جام نور کی حیثیت ایک مجلّے کی نہیں بلکہ واقعتاً اس کی حیثیت اور شکل ایک تحریک کی ہے-ماہنامہ جام نور نے اپنی پیدائش سے لے کر اب تک جو کام کیا ہے وہ بلاشبہ قابل قدر ہے اور قابل فخر آ ہے-اسی لیے جام نور کی صحافت کا اعتراف ہندوپاک کے اہل علم کھلے دل سے کر رہے ہیں-

البتہ جام نور کو مختلف جہتوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ محض یہ ماہنامہ کی شکل میں نہ رہے، ماہنامہ آ نکلے، اس کا ایک ہفت روزہ آ ہو، یا کم سے کم پندرہ روزہ ہو-

ہمارے علما کو اس طرف توجہ دینی چاہیے اور انہیں حسب ضرورت میڈیا کے لیے جواز کی حد متعین کرنی چاہیے تاکہ ہم اپنی آواز دنیا کے ہر گوشے تک پہنچا سکیں- ایک بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم سے مزدوروں اور عوام کا طبقہ وابستہ ضرور ہے لیکن ان کے علاوہ قوم کا ایک بڑا طبقہ جو تاجروں اور صنعت کاروں کا ہے ان کی ہم سے وابستگی مضبوط نہیں ہے اور ان تک ہماری آواز نہیں پہنچ پاتی ہے- ان تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے انگریزی کا سہارا لینا ضروری ہے، اس کی طرف اجام نور کو پیش قدمی کرنی چاہیے-□□□

(شمارہ جون ۲۰۰۷ء)

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری

سربراہ: حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ، ہیوسٹن، امریکہ

ڈاکٹر غلام زرقانی قادری (پ: ۱۹۶۶ء) جماعت اہل سنت کے ایک ذی علم عالم، روشن خیال دانشور، داعی وخطیب، ادیب وشاعر اور مختلف اداروں کے بانی، مہتمم اور منتظم ہیں- آپ دینی وعصری علوم کے حامل ہیں- اسکول سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے ^ دینی تعلیم کا آغاز کیا، جامعہ فیض العلوم جمشید پور اور دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے ^ کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ (لیبیا) سے اسلامیات کی تکمیل کی، پھر معروف عصری دانش گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبۂ عربی سے ا*-اے اور پی ایچ ڈی کی، آپ کی تھیسس **مساهمة غلام علی آزاد البلگرامی فی اثراء اللغة العربية** شائع ہو چکی ہے- اس کے علاوہ اردو اور انگریزی میں آپ کی متعدد کتابیں آ گئی ہیں- اپنے اشاعتی ادارہ دارالکتاب دہلی سے رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی مختلف کتابیں مثلاً اظہار عقیدت، تجلیات رضا، عینی مشاہدات، قرآنی قاعدہ، خطبات استقبالیہ، شخصیات وغیرہ شائع کر چکے ہیں- آپ پچھلے دس سالوں سے امریکہ میں دعوتی وتبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں، چند سالوں قبل ''حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ'' کے نام سے ایک دعوتی وتبلیغی ادارہ قائم کیا جس کے تحت امریکہ کی نئی نسل میں بڑے پیمانے پر اسلامی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے کا منصوبہ رکھتے ہیں- علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ^ ان کی اولاد میں قابلیت اور استحقاق کی بنیاد پر حضرت علامہ کی جانشینی ان کے سپرد ہوئی، اس کے ^ علامہ کے قائم کردہ اداروں فیض العلوم جمشید پور، ادارۂ شرعیہ پٹنہ اور جامعہ حضرت نظام الد + اولیاء نئی دہلی کی ادارت وامارت آپ کے کندھوں پر آ گئی-

سوال:-ایک دہائی سے زائد ہوگیا آپ امریکہ میں بحیثیت مبلغ مقیم ہیں،اس طویل عرصے میں وہاں دعوت وتبلیغ کے حوالے سے کیسا تجربہ رہا؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-اس میں شک نہیں کہ تقریبا دس سال قبل شکاگوسنی مسلم سوسائٹی کی دعوت پر میں امریکہ گیا-مختلف شہروں میں دینی اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے ہیوسٹن پہنچا اور اب تک یہیں ہوں- دیکھئے! امریکی معاشرے میں ہرطرح کی آزادی ہے- ویسے تو بے لگام آزادی کا تصور بڑا بھیانک ہوتا ہے لیکن دعوتی نقطۂ نگاہ سے یہ ہمارے لیے بڑی مفید اٗ ہے- وہ -ں کہ جب کوئی شخص مذہب اسلام میں دلچسپی لینے لگتا ہے تو نہ ماں باپ اسے منع کرتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ اسے طعن وتشنیع کی نگاہ سے دیکھتا ہے، بلکہ ایسے موقع پر والد + یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے وہ جس طرح اپنے دیگر معاملات کے فیصلے میں آزاد ہے اسی طرح وہ جس مذہب کے زیر سایہ زندگی گزارنا چاہے وہ اسے اختیار کرسکتا ہے-یہی وجہ ہے کہ اسلام کے خلاف یہودی میڈیا کی ہزارزہرافشانیوں کے باوجود آئے دن لوگ اسلام قبول کررہے ہیں- نائن الیون کے حادثے کے ^ اتنی بڑی تعداد میں غیروں نے اسلام سمجھنے کے لیے قرآن حاصل کرنے کی کوشش کی کہ بازار میں قرآن کے نسخوں کی قلت ہوگئی-

سوال :-عموماہمارے ہندوپاک کے مبلغین کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں اپنی کمیونٹی تک محدود ہوتی ہیں،ایسا کیوں؟ وہاں کے غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی مستحکم پلیٹ فارم کیوں نہیں ہے؟

ڈاکٹر غلام زرقانی: -یہ آپ نے بڑا چبھتا ہوا سوال کیا ہے- میں نے امریکہ میں آنے کے ^ دعوتی سرگرمیوں کا ایک جائزہ لیا اور اسے تین میدانوں میں تقسیم کیا-ایک تو ہم جیسے لوگ جو دینی اساس کے استحکام کے ^ اپنے وطن سے منتقل ہوکر امریکہ پہنچے-دوسرا میدان ان کے a جنھوں نے یہیں آنکھیں کھولیں اور تیسرا میدان یہاں کے امریکی غیر مسلم-جہاں تک پہلے میدان کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے یہاں خوب کام ہورہا ہے-بس

جغرافیہ بدلا ہوا محسوس ہوتا ہے ورنہ یہ اٗ ہندوپاک کا کوئی شہر لگتا ہے-دوسرے میدان کے اعتبار سے اٗ کسی حد تک دینی مراکز میں ہفتہ واری کلاسیں اور -میہ شام کی کلاسیں ہوتی رہتی ہیں مگر تیسرے میدان کے حوالے سے ہمارے پاس کوئی منظّم تحریک نہ تھی-ابتداًادارہ کی انتظامیہ کے سامنے کئی پروگرام رکھے لیکن جب ان کی کوئی توجہ اس جانب نہ دیکھی تو ہم نے''حجاز فاؤنڈیشن آف امریکہ'' کی بنیاد ڈالی-اللہ کے فضل وکرم سے سات ایکڑ زمین حاصل کی اور تعمیری منصوبے کے مطابق دعوت وتبلیغ کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پہلی عمارت تیار ہوگئی ہے-تین ہفتہ قبل ہی اس کا افتتاح کیا گیا ہے-ان شاءاللہ عیدالفطر کے ^''حجاز اسلامک مشن'' کے نام سے دعوتی تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوجائے گا-طے شدہ پروگرام کے تحت مختلف زبانوں کے ماہر + یہاں ہوں گے جو غیر مسلموں کو ان کی زبانوں میں اسلام کی تفہیم میں مدد کر , گے-اسی کے ساتھ اپنے مسلمان ۽ ئیوں سے ہماری یہ درخواست ہوگی کہ وہ جب یہ محسوس کر , کہ کوئی غیر مسلم اسلام میں دلچسپی لے رہا ہے تو اس سے ہمارارا , کراد , -ہمارے اسکالر انہیں لٹریچر فراہم کر , گے،ان کے ساتھ میٹنگ کر , گے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچانے میں پوری کوشش کر , گے-یہاں نومسلموں کی ابتدائی تربیت کے لیے اٗ ایک شعبہ ہوگا-شروع میں یہ ادارہ آٹھ دس گھنٹے کے لیے کھلے گا لیکن دھیرے دھیرے اسے بڑھا کر چوبیس گھنٹے کا کردیا جائے گا-اس طرح ہماری نئی نسل جو بے جھجھک اپنے والد + سے سوالات کرنے کے لیے مشہور ہے، وہ اٗ فورا استفادہ کرسکے گی-اس میں ایک شعبہ دینی لائبریری کا اٗ ہوگا، جہاں لوگ اپنی دینی معلومات میں اضافہ کرسکیں گے-اس کے علاوہ گاہے بگاہے ادارہ کے ہال میں غیر مسلموں کے اجتماعات اٗ ہوا کر , گے تاکہ اس · نے ان تک اسلام کا پیغام پہنچ سکے-

سوال :-دیکھا گیا ہے کہ عموما فکر وقلم کی صلاحیتوں سے لیس علما جب وہاں جاتے ہیں تو ان کی فکری وقلمی توانائیاں ضائع ہوجاتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو وہیں تک محدود کرلیتے ہیں،ایسا کیوں؟

ڈاکٹر غلام زرقانی: -میں اس بات سے مکمل اتفاق نہیں کرتا-حق یہ ہے کہ وہ علما جو

صرف لگی بندھی ڈ-ٹی انجام دینے کے علاوہ کسی فکری، علمی اور تحریکی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا جذبہ نہیں رکھتے وہ ہندو پاک میں Ì اسی طرح الگ تھلگ رہتے ہیں جس طرح -رپ وامریکہ میں-ہاں وہ جن کی خمیر میں ادھیڑ بن، تحریک وفعالیت اور کچھ کرگزرنے کی لگن ہوتی ہے وہ ہندو پاک کی طرح یہاں Ì مختلف دینی سرگرمیوں میں قابل محسوس حصہ لیتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں-

ســـــوال :-علما اور مذہبی طبقے کے لیے وہاں کی معاشرتی زندگی میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنا کتنا مشکل ہے؟ اور وہاں مسلم فیملیز اپنی مذہبی اور مشرقی روایات کی کس قدر حفاظت کر پاتی ہیں؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-یہاں Ì ہندو پاک کی طرح مختلف ذہنیت رکھنے والے مسلمان ہیں-o% تو اس طرح امریکی معاشرہ میں گھل مل جاتے ہیں کہ یہ تمیز کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ یہیں کے باشندہ ہیں یا کہ اپنے لوگ- دوسری طرف وہ لوگ جو مذہبی ذہنیت کے مالک ہیں وہ یہاں Ì اپنی مشرقی روایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں-کثرت سے خواتین نقاب پوش نظر آتی ہیں اور مرد چہرے پر داڑھی سجائے ہوئے ہوتے ہیں- یہ تأثر قطعی غلط ہے کہ امریکہ میں اپنے مذہبی اقدار کے تحفظ کے ساتھ زندہ رہنا مشکل ہے-میں کئی ایک لوگوں کو جانتا ہوں جو چہرے پر داڑھی سجائے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور بغیر کسی رکاوٹ کے ترقی کی منزلیں طے کررہے ہیں-کئی احباب نے تو مجھے اپنے تجربات Ì Cئے کہ ظہر کی نماز کے لیے جب انہوں نے اپنے امریکی آفیسرز سے گفتگو کی تو انہوں نے خوش دلی کے ساتھ اجازت دے دی- میرے دوستوں میں سے ایک صاحب ابوذر ہیں جن کی وجہ سے ان کے باس نے خصوصی ہدایت دے رکھی تھی کہ جمعہ کی نماز کے اوقات میں ان کے ساتھ کوئی میٹنگ نہ رکھی جائے-خود میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ مجھے اپنے روایتی لباس میں کبھی Ì یہ احساس نہیں ہوا کہ میرے ساتھ ناروا سلوک کیا جارہا ہے-اس سفر میں جب بذریعہ برٹش مڈایرویز میں واشنگٹن سے لندن جارہا تھا تو خود برطانوی ایئر اسٹاف نے میرا لبادہ دیکھ کر کہا کہ کھانے سے فارغ ہولینے د , اس کے ^ دروازے کے پاس نماز

پڑھ لیجئے گا جب کہ عموما حفاظتی انتظامات کے پیش نظر دروازے کے پاس زیادہ دیر کھڑے رہنے کی Ì اجازت نہیں ہوتی-

اسی کے ساتھ یہ تلخ حقیقت Ì ہے کہ بہتر مستقبل کی لالچ میں جو مسلمان امریکہ منتقل ہورہے ہیں ان کی اکثریت اپنی تہذیب اور اسلامی قدروں کو پس پشت ڈال رہی ہے اور جس طرح مسیحیوں کا د + صرف چرچ اور ان کی مخصوص محفلوں تک محدود ہوگیا ہے، اسی طرح ایسے لوگ جب مسجدوں کا رخ کرتے ہیں تو مسلمان نظر آتے ہیں یا پھر شادی Oہ، دینی محافل اور ذاتی پروگراموں میں-اس صورت حال سے متأثر ہوکر میں نے ایک نظم لکھی جس کا یہ شعر دیکھیں!

لبادہ ہم نے اپنا اس قدر تبدیل کرڈالا
لباس غیر میں اپنوں کو حیواں دیکھتا ہوں میں
سکھایا جس نے بچوں کو نئی تہذیب کے نغمے
بڑھاپے میں انہیں اکثر پشیماں دیکھتا ہوں میں
1 تھی آرزو اپنے وطن سے دور رہنے کی
لٹا کر د + وایماں چشم گریاں دیکھتا ہوں میں

ســـوال:-امریکہ میں تصوف، صوفی شاعری اور صوفی میوزک کی مقبولیت بڑھ رہی ہے، اس رجحان کے مثبت اور منفی پہلو کیا ہیں؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-دراصل یہاں کا معاشرہ بڑا ہی سنجیدہ ہے-کسی Ì نئی بات کو سنجیدگی کے ساتھ سننے، سمجھنے اور جاننے کی لگن رگ رگ میں رچی r ہوئی ہے-یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ ہر مذہب کو جاننے کی خواہش رکھتے ہیں-طرح طرح کی تہذیب وتمدن کو سمجھنے میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں-کئی بار اتفاق ہوا کہ امریکی میرے سنٹر میں آئے اور صوفی حال (Martial Art) کے فلسفہ کو سمجھنے کی خواہش کا اظہار کیا-اس میں شک نہیں کہ نائن الیون کے حادثے کے ^ پر تشدد وہابی طرز اسلام کے برخلاف تصوف سے امریکیوں کی دلچسپی خاصی بڑھ گئی ہے-صوفی مشرب میں انہیں رواداری، الفت ومحبت اور انسانیت دوستی

کے جو مظاہر ملتے ہیں وہ کہیں اور نظر نہیں آتے-ا ٓ حال ہی میں برطانیہ کے شہزادے نے ترکی کا دورہ کیا تھا اور مولانا رومی علیہ الرحمہ کے حوالے سے اپنے تأثرات میں وضاحت کے ساتھ کہا کہ اہل -رپ کو تعلیمات رومی سے استفادہ کرنا چاہیے-

چونکہ اہل -رپ وامریکہ تصوف کا مطالعہ اپنے دور کے مستند صوفیہ کرام کی تحریروں کے وسیلے سے کررہے ہیں اس لیے میں نہیں سمجھتا کہ اس کے کوئی منفی اثرات پڑ , گے بلکہ یہ کہنا حقیقت کی نقاب کشائی ہوگی کہ بسا اوقات طرز تصوف سے ان کی دلچسپی انہیں د + اسلام کے دروازے تک پہنچا دیتی ہے-

سوال:-رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے آپ کو وہاں رہ کر ان کے قائم کردہ اداروں کی سرپرستی ونگرانی کرنے میں دشواریاں پیش نہیں آتیں؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-اسے فیضان خداوندی کہیے کہ قائد اہل سنت علیہ الرحمہ کے جذبہ اخلاص ومحبت کی وجہ سے ان کے قائم کردہ اداروں کو مخلص انتظامیہ کی سرپرستی حاصل ہوگئی ہے-یہی وجہ ہے کہ میری غیر موجودگی سے ان اداروں کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑرہی ہے-میں فون کے ذریعہ ہمیشہ رابطے میں رہتا ہوں اور گاہے بگاہے کسی اہم مسئلے پر ٹیلیفونک میٹنگ میں ا ٓ شرکت کرلیتا ہوں-رہا سوال ان کی تحریکوں کا تو کبھی کبھی مجھے واقعی اپنی غیر موجودگی کا احساس ہوتا ہے-یہی وجہ ہے کہ اب میں نے اپنا زیادہ وقت ہندوستان میں گزارنے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے-

سوال:-حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی قائم کردہ کچھ تنظیمیں اور ادارے پہلے جیسے متحرک نہیں، ان کو فعال ¯ نے کے لیے آپ کچھ کررہے ہیں؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-اس سوال کا تعلق کسی حد تک سوال گزشتہ سے ہی ہے-جہاں تک دو بڑے اداروں یعنی جامعہ فیض العلوم جمشید پور اور جامعہ حضرت نظام الد + اولیاء دہلی کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ تعلیمی اعتبار سے عروج کی منزلیں طے کررہے ہیں-تعمیری اعتبار سے ا ٓ حکومت جھارکھنڈ کے مالی تعاون سے فیض العلوم میں تین نئی عمارتیں مکمل ہوچکی

ہیں-یہ اور بات ہے کہ والد گرامی علیہ الرحمہ کی رحلت کے ^ جو خلا پیدا ہوگیا ہے اسے مجھ جیسا ہیچمداں تو کسی طور پورا نہیں کرسکتا-ان شاء اللہ تعالیٰ اب ادارہ شرعیہ کو مستحکم کرنے کا ارادہ ہے-ادارہ شرعیہ دراصل ایک ایسی تحریک کا نام ہے جس کے بینر تلے نونہالان ملت اسلامیہ دینی اقدار کا تحفظ کرتے ہوئے اسلام کی پرکشش شبیہ آنے والی نسلوں تک منتقل کرسکیں-اللہ نے چاہا تو 1 جلد اس حوالے سے ارباب حل وعقد کا اجتماع کیا جائے گا اور پہلے شمالی ہند کے ہر ضلع میں نمائندہ مرکز کا قیام عمل میں لایا جائے گا-پھر ہر مرکز کو انٹرنیٹ کے ذریعہ مربوط کردیا جائے گا تاکہ ادارہ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے نکلنے والی آواز اطراف وجوانب تک پہنچ سکے-ساتھ ہی ساتھ نوجوانوں کو ادارہ شرعیہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش ا ٓ کی جائے گی-

سوال:-حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی فکری وقلمی خدمات کی اشاعت کے لیے آپ نے کوئی منصوبہ ¯ یا ہے؟اگر ہاں!تو کہاں تک اس کی تکمیل ہوسکی ہے؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-والد گرامی علیہ الرحمہ کی عادت تھی کہ کسی اہم ضرورت کے پیش نظر ہی قلم اٹھایا کرتے تھے-یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ایک کتاب مکمل کیے بغیر ہی کسی دوسرے پر قلم اٹھالیا-اس طرح آپ کے وصال کے ^ جب میں نے آپ کے نوٹ بک کے انبار کی ورق گردانی کی تو عقدہ کھلا کہ کئی کتابیں نامکمل رہ گئی ہیں-کہیں کہیں نامکمل مگر بڑے ا ٔ کے نکات ا ٓ ملے-سردست آپ کے مسودات کے یکجا کرنے کا کام دوسالوں سے شروع کررکھا ہے اور کئی کتابیں منظر عام پر آ ا ٓ گئی ہیں-آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ "اظہار عقیدت"، فاضل بریلوی پر لکھے گئے مقالات کا مجموعہ "تجلیات رضا"، لالہ زار کے طرز پر لکھی گئی دیگر کہانیوں کا مجموعہ "بزبان حکایت"، آپ کے سفرناموں کا مجموعہ "عینی مشاہدات"، اسلاف ملت اسلامیہ کے تذکروں کا مجموعہ "شخصیات" اور تاریخی کانفرنسوں میں پڑھے گئے خطبات استقبالیہ کا مجموعہ "خطبات استقبالیہ" منظر عام پر آچکا ہے جسے قبولیت عام سے مشرف ہونے کا اعزاز ا ٓ مل چکا ہے-عنقریب آپ کے مقالات، مشاہیر کے لکھے ہوئے خطوط، سورہ فاتحہ کی تفسیر اور ڈاکٹر خالد کی لکھی ہوئی کتاب کا جواب جو نامکمل

ہے اسے کسی حد تک قابل مفہوم ؎ کر پریس کے حوالے کرنے کا ارادہ ہے-

اخیر میں آپ کی باقی ` ہوئی غیر مطبوعہ ہر طرح کی تحریروں کو ''کشکول'' کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ ہے تاکہ وہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکیں- آپ کے قلمی اثاثے کے تحفظ کے ^ ایک مبسوط سوانح حیات ا لکھنے کا پروگرام ہے- دعا کر , کہ اللہ تعالیٰ ہمت عطا فرمائے-

سوال:- آپ نے مذہبی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم ا حاصل کی ہے اور عربی و انگریزی زبان میں ا آپ کو درک ہے، اس حیثیت سے C ئیں کہ دعوت و تبلیغ کے لیے آج زبان اور عصری تعلیم کا حصول کس قدر ضروری ہے؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:- اس سوال کا پہلا حصہ آپ کے حسن ظن سے تعلق رکھتا ہے- اللہ کرے یہ میرے حق میں آپ کی دعا کا لبادہ اوڑھ کر شرف قبولیت سے سرفراز ہو جائے -اس میں دو رائے نہیں کہ انگریزی زبان موجودہ دور کی عالمی زبان ہے اور اب تو ہند و پاک میں ا ایک بڑے طبقہ کی زبان انگریزی ہوتی جارہی ہے- میں سمجھتا ہوں کہ اگر صرف زبان سیکھی جائے اور تہذیب اپنی مستحکم رکھی جائے تو کسی ا زبان کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے- ایک داعی اسلام کو حالات کے مطابق اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے عالمی زبان سیکھنی از حد ضروری ہے- اس حوالے سے جامعہ حضرت نظام الد + اولیاء نے جو ایک انقلابی قدم اٹھایا ہے اسے زر , حرفوں میں لکھا جائے گا کہ آج صرف دہلی میں اہل سنت و جماعت کے نوجوان فارغین کی ایک بڑی تعداد عصری جامعات میں حصول تعلیم میں منہمک ہے- فارغین درس نظامیہ کو - نیورسٹیوں کا رخ دکھانے کا سہرا¾ حال جامعہ کو حاصل رہے گا- لیکن معذرت کے ساتھ اپنے نوجوان علما سے کہوں گا کہ وہ - نیورسٹی میں پڑھنے والے دوسرے طلبہ کے ظاہری لبادہ سے مرعوب نہ ہوں بلکہ اپنی تہذیب پر فخر کرتے ہوئے دوسروں کے لیے لائق تقلید بنیں- غور کیجیے اہل -رپ و امریکہ جب ہندوستان آتے ہیں تو کیا وہ اپنی عریاں تہذیب ترک کر دیتے ہیں؟ لوگ سڑکوں پر ان کا مذاق اڑاتے ہیں، a ہنستے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا- غور کیجیے جب انہیں اپنی بے ڈھنگی تہذیب میں

عار نہیں محسوس ہوتا ہے تو آخر ہمیں اپنی پاکیزہ تہذیب کے اظہار پر شرمندگی کیسی؟

سوال:- جماعت اہل سنت کو آج علمی و فکری حیثیت سے آپ کس مقام پر محسوس کرتے ہیں؟ اور اہل سنت کے تبلیغی دائرے کو وسیع تر کرنے کے لیے آپ کے پاس کچھ رہنما خطوط ہیں؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:- دیکھیے یہ موضوع تو بڑا ہی دلچسپ ہے- آپ یہ سوال جس سے ا کیجیے گا وہ مسائل کی ایک طویل فہرست آپ کے سامنے پیش کر دے گا- میرے خیال میں سارے مسائل دو بنیادی نکتے میں سمٹ سکتے ہیں، ایک دینے کی چیز ہے اور دوسری لینے کی- لین کی جو چیز ہے وہ مدارس اہل سنت کے طریقۂ تعلیم میں انقلابی تبدیلی سے تعلق رکھتی ہے- لوگ درس نظامیہ کے نصاب میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں مگر میری نگاہ میں نصاب میں تبدیلی سے زیادہ جو چیز ضروری ہے وہ طریقۂ تعلیم و تربیت میں تبدیلی ہے- ہمارے یہاں جو طریقۂ تعلیم رائج ہے وہ حوصلہ افزائی کے O ئے حوصلہ شکنی پر قائم ہے- میں نے اس حوالے سے بڑا ہی طویل اور مدلل مضمون لکھا تھا جو کئی ایک اردو رسائل میں چھپ چکا ہے- اختصار کے ساتھ میں ایک مثال دینا چاہوں گا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ امریکہ کے اسکولوں میں صرف گنتی کے a ہی ناکام ہوتے ہیں جب کہ ہمارے مدارس میں صرف گنتی کے a ہی اچھے اور کامیاب سمجھے جاتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہی ناکامیاب a جب امریکہ کے اسکولوں میں دا4 ہوتے ہیں تو حیرت انگیز کامیاçں سے ہمکنار ہوتے ہیں- آپ گہرائی میں اتر کر جب جائزہ لیں گے تو کہہ اٹھیں گے کہ بنیادی فرق صرف طریقۂ تعلیم کا ہے- یہاں a سہمے، ڈرے اور اتنے خوفزدہ سے ہوتے ہیں کہ ان کی اپنی فطری صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں- طلبہ کو خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرنا چاہیے تاکہ وہ جب فارغ ہوں تو وسعت نظری کے ساتھ ملت اسلامیہ کی رہنمائی کر سکیں- دوسری چیز جو ترک کرنے کی ہے وہ تنگ نظری ہے- آپسی رواداری کو فروغ دینا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح ایک کامیاب ملک وہ ہے جو ہر محاذ پر اپنی برتری ثابت کر سکے اسی طرح ایک کامیاب قوم وہ ہے جہاں آخرت میں کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیا کے ہر ممکنہ جائز

محاذوں پر کامیابی کے پرچم لہرانے کی صلاحیت ہو سکے-

سوال:-ماہنامہ جام نوراوراس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

ڈاکٹر غلام زرقانی:-گزشتہ سات آٹھ سالوں سے جام نور نے اپنے قارئین کواس قدر ہوشمند ¯ دیا ہے کہ میں مزید کسی پیغام کی ضرورت محسوس نہیں کرتا- میں سمجھتا ہوں کہ کسی Ì قلمی تحریک کی یہ 1 بڑی کامیابی ہے کہ لوگ نہ صرف اسے استحسان کی نظروں سے دیکھیں بلکہ اس کی آواز کو اپنی آواز سمجھنے لگیں، اس کی فکر کو اپنی فکر اور اس کی زبان کو اپنی زبان- ادارۂ تحریر، معاونین، مخلصین اور Ì خواہوں کو مبارک ہو کہ وہ منزل آن پڑی ہے-❑❑❑

(شمارہ اگست ۲۰۰۹ء)

مولانا سید قاسم اشرف کچھوچھوی

آستانۂ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف، ضلع امبیڈکر نگر (-پی)

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی اور سادات کچھوچھہ کا علمی، دینی اور روحانی فیضان صد-ں سے ہندوستان اور اس کے باہر کی دنیا پر موسلا دھار بارش کی طرح برستا رہا ہے- آج اس خانقاہ کی درجن 1/2 سے زائد شخصیات مختلف میدان عمل کے امیر وسربراہ کی حیثیت رکھتی ہیں- خصوصاً شیخ الاسلام مولانا سید محمد مدنی میاں علمیت اور غازی ملت مولانا سید محمد ہاشمی میاں خطابت کے استعارے کے طور پر جانے جاتے ہیں- مولانا سید محمد قاسم اشرف کچھوچھوی اسی خانوادۂ فضل وکمال سے تعلق رکھتے ہیں- موصوف محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی قدس سرہٗ کے حقیقی پرنواسے ہیں- آپ کی ولادت یکم/جولائی ۱۹۶۶ء کو کچھوچھہ مقدسہ میں ہوئی- دارالعلوم د-ان شاہ بھیونڈی اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے تحصیل علم کی- آپ کے اساتذہ میں مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی اور مفتی عبدالجلیل اشرفی کے نام شامل ہیں- —ل آپ کے حضرت مخدوم اشرف نے آپ کے حصے میں اہل سیاست کو رکھا ہے- آپ کے عقیدت کیشوں میں بڑے بڑے ارباب سیاست ووزارت شامل ہیں- ایسے دور میں جب کہ اہل سیاست کی بارگاہ میں علما کی حاضری قبیح روایت کی شکل اختیار کر گئی ہے آپ کی بے نیازی اور معاملات کو دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوتی ہے- آپ نے محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی کی خدمات وا° رکو عالمی پیمانے پر متعارف کرانے کے لیے ادارہ ''محدث اعظم مشن'' کی تنظیم وترتیب کا منصوبہ ¯ یا ہے، جس کے تحت دنیا کے مختلف ملکوں اور ہندوستان کے متعدد شہروں میں دینی، تعلیمی اور رفاہی ادارے قائم کرنے نیز کتابوں کی تحقیق واشاعت کا ارادہ رکھتے ہیں-

سوال:-حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی تعلیمات جدید دور میں کس قدر بامعنی ہیں؟

مولانا سید قاسم اشرف:-حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے حکومت و اقتدار کو چھوڑ کر روحانیت اور خدمت خلق کو گلے لگایا تھا-یہ دور ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہا ہے،حکومت وسیاست سے لے کر سائنسی تجربہ گاہوں اور علمی دانش کدوں تک ہر جگہ روحانی اضطراب کو ا بی محسوس کیا جاسکتا ہے-ایسے میں ضروری ہوگیا ہے کہ علما اور صوفیہ کا ایک گروہ ایسا سامنے آئے جو اس پریشان ماحول میں روحانی تسکین کا سامان Å پہنچا سکے،اگر ایسا ہوجاتا ہے تو یہ حضرت مخدوم سمناں کے مشن کا احیا ì ہو گا،اسلام کی 1 بڑی خدمت ì ہوگی اور جنگ ،حیوانیت اور درندگی میں مصروف انسانوں کا روحانی اور دماغی علاج ì -

سوال:-ہندوستان کے تکثیری معاشرے میں دعوتی وتبلیغی عمل کو موثر کیسے ¯ یا جاسکتا ہے؟

مولانا سید قاسم اشرف:-ہندوستان حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی سرزمین ہے،اس سرزمین پر باضا , منصوبہ بند طریقے پر اسلامی دعوت وتبلیغ کا آغاز انہی کی کوششوں سے ہوا-ہندوستان کا معاشرہ آج کی طرح اس وقت ì تکثیری معاشرہ تھا،اس لیے موجودہ تکثیری معاشرے میں دعوت وتبلیغ کے لیے کسی نئے طریقے کی ضرورت بالکل نہیں ہے-آج ì یہاں پر دعوت وتبلیغ کا مشن حضرت خواجہ کے کھینچے ہوئے خطوط پر ہی کامیابی سے ہم کنار ہوسکتا ہے-ہم ذرائع کی بات نہیں کر رہے ہیں ، کیوں کہ جدید وسائل وذرائع کا استعمال حضرت خواجہ کے مشن سے انحراف نہیں ہے، یہاں اصل چیز یہ کہ داعی کی سوچ اور اس کا کردار حضرت خواجہ غریب نواز کی سوچ و کردار سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اور وہ کردار مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ د + اسلام پر سختی سے استقامت کے ساتھ اپنے مخاطب سے نہایت محبت اور نرمی سے ملا جائے-

ہندوستانی مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ یا تو غزنوی ،غوری اور التمش کے ساتھ اپنا ذہنی رشتہ جوڑتے ہیں یا پھر اکبر اور داراشکوہ کو اپنا آئیڈیل ¯ تے ہیں-پہلی صورت میں اسلام تشدد اور جنگ سے جڑ جاتا ہے جبکہ دوسری صورت میں الحاد اور صلح کلیت سے-اسلامی دعوت وتبلیغ اس سرزمین پر اس وقت تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتی جب تک مسلمان تحکمانہ مزاج اور معذرت خواہانہ طبیعت سے باہر نہیں آجاتے -ہمیں حضرت خواجہ غریب نواز اور دوسرے صوفیہ برحق کے نقش قدم پر چلنا چاہیے-ان کو آئیڈیل ¯ ناہی دراصل اسلامی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے اور انہی کی پیروی سے آج دعوتی اور تبلیغی عمل کامیاب ہوسکتا ہے-

یہاں یہ نکتہ ì ملحوظ رہے کہ جس وقت حضرت خواجہ غریب نواز ہندوستان تشریف لائے وہ اسلام کی بالادستی کا دور نہیں تھا،اسلام ایک اجنبی مذہب تھا،لیکن اس کے باوجود کثرت سے لوگوں نے ان کی اور ان کے اصحاب کی دعوت پر اسلام قبول کیا،مگر دوسری جانب سے ان کی اس شدت سے مخالفت نہیں ہوئی اور نہ اسلام کو منظّم طریقے سے برا بھلا کہا گیا جتنا کہ آج مسلمانوں کو مخالفت اور اسلام کو نفرت وعداوت کا سامنا ہے-آخر اس کی وجہ کیا ہے؟غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ حضرت خواجہ نے اسلام اور بندگان خدا کے ساتھ مخلصانہ اور داعیانہ رویہ اختیار کیا-نہ اسلام کے نام پر نعرے لگائے اور نہ ہی مشرکین ہند کے خلاف تقریر , کیں،بلکہ نہایت دانش مندی ،خلوص ،محبت ،حسن کردار ،غم خواری و غم گساری،خدمت خلق اور حکمت کے ساتھ دلوں کو جیت لیا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مخاطب اگر اسلام قبول نہیں کرسکا تو کم از کم یہ ضرور ہوا کہ وہ اسلام کا دشمن اور بدخواہ نہیں ¯ -آج ہم خواجہ صاحب کے اس طریقے کو بھلا چکے ہیں ،نتیجہ یہ کہ اسلام کی تبلیغ تو نہیں ہورہی ہے،ہاں! ہم اپنے گفتار وکردار سے لوگوں کو اسلام کا دشمن ضرور ¯ رہے ہیں-

سوال:-مشائخ طریقت کا موجودہ طر& کار کہاں تک اطمینان j ہے اور حالات کے پیش نظر انہیں اپنے طر& کار میں کس طرح کی تبدیلی لانی چاہیے؟

مولانا سید قاسم اشرف:-مشائخ طریقت کا موجودہ طر& کار کلی طور پر اطمینان j

نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ حالات کے مطابق اپنے طر& کار میں تبدیلی نہیں لا رہے ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حالات کی رو میں Ë کر اپنے اسلاف کی روش سے ہٹ گئے ہیں- مشائخ کرام کو چاہیے کہ وہ اپنا محاسبہ کرکے دیکھیں کہ ان کی روش صوفیہ کے کردار سے کتنی ہم آہنگ ہے- صوفی اس دنیا میں رہتا ہے، اس دنیا کا نہیں رہتا-

جہاں تک مشائخ کے طر& کار میں تبدیلی کا سوال ہے تو میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ مشائخ ایک بار پھر خانقاہی نظام کے قیام و احیاء کی طرف متوجہ ہوں- خانقاہی نظام کا احیاء ہی معاشرے میں مشائخ کو ان کا صحیح مقام دلائے گا-

سوال:- جماعت کے غیر ذمہ دار لوگوں کی o% حرکتوں سے جماعت کا نقصان کس قدر ہو رہا ہے اور اس کے ازالے کی صورتیں کیا ہیں؟

مولانا سید قاسم اشرف:- غیر ذمہ دار لوگوں کی حرکتیں ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں -آج Ì ایسے لوگوں کی حرکتیں اسلام، مسلمان اور مسلک و ملت کے لیے آزار µ ہوئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ جماعت کے ذمہ دار ہیں وہ مصلحت اور تحفظات کے نام پر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی ذمہ دار -ں سے پہلو تہی کر کے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں- اپنے o% بڑوں پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے کہ کون شخص ان کے انعام کا مستحق ہے اور کون تنبیہ و اصلاح کا-

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت کے ذمہ دار افراد جماعتی اور ملی نفع و نقصان کو صحیح طور سے سمجھیں- جماعتی اور ملی مفاد پر شخصی انا کو قربان کرنے کا حوصلہ پیدا کر , جو افراد، ادارے اور تنظیمیں کسی طور پر جماعت کا کام کر رہے ہیں- اگر ان سے کوئی غلطی یا تساہلی ہوتی ہے تو ان کی حکیمانہ و ہمدردانہ اصلاح کر , اور ان عناصر پر نظر رکھیں جو اپنے دل کی ن ر اس نکالنے کے لیے اپنی ہی شخصیتوں اور تنظیموں کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دیتے ہیں- جب تک محدث اعظم ہند اور مفتی اعظم ہند جیسی شخصیتیں جماعت میں موجود رہیں اس طرح کے شر پسند عناصر کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں مل سکی- یہ وہ لوگ تھے جو مکتب، مشرب اور خطے سے اوپر اٹھ کر صرف مسلکی مفاد کے لیے کام کرتے

تھے اور اس مفاد کے لیے جو Ì رکاوٹ بنتا تھا اس کی بر وقت اصلاح فرماتے تھے- جماعت کے دوسرے افراد Ì اپنے ان بڑوں کی باتوں کا نوٹس لیتے تھے- بریلی اور مبارک پور میں جب Ì کوئی مسئلہ آتا تھا حضرت محدث اعظم ہند وہاں پہنچتے تھے اور مسئلے کا تصفیہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت مفتی اعظم ہند کی رائے کو جماعتی تنازعات میں فیصل کا درجہ حاصل تھا- یہی وجہ ہے کہ حضرت محدث اعظم ہند کے انتقال فرمانے پر سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ: ''ہمارے درمیان سے ایک ثالث اور حکم چلا گیا''- آج Ì جماعت کی بڑی شخصیات کو اسی طرح کا قائدانہ و مصلحانہ رول ادا کرنے کی ضرورت ہے-

سوال:-''فیورک'' کا مسئلہ زلف جاناں کی طرح دراز کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

مولانا سید قاسم اشرف:- سابق صدر جمہوریہ ہند مسٹر عبد الکلام نے ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو سورت گجرات میں گجرات فساد اور ملک کے فرقہ وارانہ ماحول کے ^ ایک مجلس منعقد کی، اس خصوصی اجلاس میں ملک کے مختلف مذاہب، اسلام، ہندو دھرم، بدھ دھرم، عیسائی دھرم، سکھ دھرم، جین دھرم کے رہنماؤں کو شرکت کی دعوت دی گئی، اس اجلاس میں ڈاکٹر عبد الکلام نے ''سورت روحانی اعلامیہ'' Surat Spritual Declaration جاری کیا، جس کے نتیجے میں جون ۲۰۰۴ء کو نئی دہلی میں تنظیم کا قیام عمل میں آیا، جس کا نام'' فاؤنڈیشن برائے وحدت ادیان اور روشن خیال شہریت'' جسے اختصاراً فیورک (Furec) کہا جاتا ہے- جس کے درج ذیل بنیادی مقاصد تھے: (۱) نظریۂ وحدت ادیان (۲) احترام ادیان باطلہ (۳) تسلیم ادیان باطلہ (۴) غیر اسلامی تہواروں کا انعقاد، اشتراک اور تعاون (۵) مذہبی تہواروں کا مشترکہ انعقاد (۶) مشترکہ لنگر (۷) مشترکہ مذہبی پراتھنا (۸) تمام مذاہب کے آفاقی قدروں کو فروغ دینا اور (۹) تصاویر، مجسموں یعنی پتھر کی مورتیوں وغیرہ کا میوز * قائم کرنا، وغیرہ-

ایسی تنظیم میں جو لوگ جانے انجانے میں شامل ہو گئے تھے جب انھیں متنبہ کیا گیا اور ایسی تنظیم سے علما و مفتیان کرام نے توبہ و علیحدگی کا مطالبہ کیا تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ

متعلقہ افراد اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور اس سے اپنی براءت ظاہر کرتے ،مگر کچھ لوگوں کے اکسانے پر وہ تاویل،توضیح اور جواب در جواب میں لگ گئے-ایسے میں اس مسئلے کو زلف جاناں کی طرح دراز ہونا تھا،وہی ہوا اور ,, ہر آئندہ Ì اصلاح حال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی-

سوال :-آپ کی نظر میں مذہب اور سیاست کا باہمی رشتہ کیا ہے؟ اور ارباب سیاست کے ساتھ اہل مذہب کی قربت کس حد تک درست ہے؟

مولانا سید قاسم اشرف :-مذہب و سیاست کے تعلق سے اسلامی تصور اور مسیحی تصور میں بنیادی فرق ہے-مسیحیت کلیسا اور حکومت میں تقسیم کرتی ہے-وہ خدا کا حق خدا کو اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو دینے کا قائل ہے-اسلام کا معاملہ الگ ہے،اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے،سیاست جس کا ایک حصہ ہے-اسلام میں سیاست مذہب سے الگ کوئی شئے نہیں-اسلام a وقت فرد اور سماج کی اصلاح و فلاح کا علم بردار ہے-اسلام میں انفرادیت اور اجتماعیت دونوں کی اپنی حیثیت و اہمیت ہے-اس لیے کبھی Ì اور کسی حال میں Ì مذہب و سیاست کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا-

رہا یہ سوال کہ اہل مذہب کا ارباب سیاست سے کس نوعیت کا تعلق ہونا چاہیے-تو اس کا طریقہ مختلف حالات میں مختلف ہو سکتا ہے-اسلام کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ حالات سے چشم پوشی کا قائل نہیں-فقہائے اسلام نے تو باضا , یہ اصول ¯ یا ہے کہ حالات کے بدلنے سے شریعت کا حکم Ì بدل جائے گا-

موجودہ حالات میں ہندوستان کی جمہوری اور سیکولر حکومت کے ساتھ ربط و تعلق کا معاملہ نہایت پیچیدہ ہے-ہمیں لگتا ہے کہ اس موضوع پر باتیں تو 1 ہوئی ہیں لیکن اس پر اب تک سنجیدہ غور و فکر نہیں ہو پایا ہے- 1 افسوس ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اب تک اس جمہوری ریاست میں اپنا موقف متعین ہی نہیں کیا ہے-اس حکومت میں ایک مسلمان کا رول کیا ہونا چاہیے یہ مسئلہ علما کی توجہ کا طالب ہے-

سر دست میں یہاں یہ کہنا چاہوں گا کہ علما کو کسی Ì حال میں سیاست کو شجر ممنوعہ نہیں

سمجھنا چاہیے بلکہ موجودہ سیاست کے ساتھ انہیں گہری واقفیت ہونی چاہیے-وہ جس ملک میں رہ رہے ہیں وہ ملک کن پالیسیوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے،اس کی قانونی،معاشرتی اور معاشی پیچیدگیاں کیا ہیں ان سے واقفیت کے بغیر نہ تو ہندوستان میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے،نہ ہی مسلمانوں کے بنیادی مسائل حل کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہی د + و شریعت اور ایمان و اسلام کا تحفظ کیا جا سکتا ہے-یہ بات جس طرح قطعی اور یقینی ہے کہ ہندوستانی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہے اسی طرح یہ بات Ì قطعی و یقینی ہے کہ اس حکومت میں مسلمانوں کا Ì رول ہے جس سے غافل رہنا صحت مندانہ فکر نہیں ہے-ہاں یہ بات میں ضرور کہوں گا کہ علما کو سیاست کے چکر میں کبھی Ì اپنا وقار اور تقدس مجروح نہیں کرنا چاہیے-

سوال :-آستانۂ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ میں آج کل مذہب،مسلک،ملت اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے تعلق سے کیا کچھ ہو رہا ہے؟

مولانا سید قاسم اشرف :-آستانۂ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ ہندوستان کے قد * تر + روحانی،دینی اور تعلیمی مراکز میں سے ایک ہے-صد -ں سے علما نوازی،غربا پروری اور د + و سنت کی اشاعت اس خانقاہ کی پہچان رہی ہے-یہاں کے مشائخ نے جہاں عوام کی دست گیری اور روحانی تسکین کا سامان کیا ہے وہیں علم و فضل سے Ì ان کا گہرا رشتہ رہا ہے-آج Ì یہ آستانہ علمی،فکری،روحانی،دینی و دنیاوی وسائل سے مالا مال ہے-اس کے شہزادگان و مشائخ کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں ہر شخص اپنی صلاحیت و لیاقت کے لحاظ سے خدمت د + اور فلاح انسانیت کے کام میں مصروف ہے-اس وقت آستانے کی بڑی علمی شخصیت حضرت شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں صاحب کی زیر سرپرستی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ''محدث اعظم مشن'' نہایت بڑے پیمانے پر کام کر رہا ہے-جس کے تحت ہندوستان اور دیگر ممالک کے مختلف شہروں میں طلبہ و طالبات کے لیے 1 سے جونیر اور ہائر سیکنڈری اسکول،کالجز،I.T. کالج،اشاعتی ادارے،دینی مدارس،تنظیمی تحریکی اور اشاعتی ادارے چل رہے ہیں-حضرت شیخ الاسلام پچھلے کئی سالوں سے علمی و تحقیقی کام کے لیے خود

کو وقف کر رکھا ہے، جس کے نتیجے میں ان کی 1 سی علمی تصانیف کے علاوہ قرآن کر* کی ایک جامع تفسیر ''سید التفاسیر'' کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں منظر عام پر آ چکی ہے اور تیسری جلد جلد ہی آنے والی ہے- شیخ اعظم مولانا سید اظہار اشرف صاحب کی زیر سرپرستی آ ایک عظیم الشان ادارہ ''جامع اشرف'' کے علاوہ کئی مدارس، اسکول و کالجز اور ہاسپٹل چل رہے ہیں- اسی طرح خانقاہ اشرفیہ کے دیگر علما و مشائخ اپنے اپنے وسائل کے اعتبار سے کام انجام دے رہے ہیں- اس مختصر سے انٹرو- میں ان تمام کا احاطہ کرنا مشکل ہے-

سوال:- جماعت اہل سنت میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے ممکنہ راستے کیا ہو سکتے ہیں؟

مولانا سید قاسم اشرف:- علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے کہیں لکھا ہے کہ موجودہ مسالک و مکاتب میں صرف وہ اہل سنت و جماعت ہیں جو پوری دنیا میں کروڑوں میں ہوتے ہوئے آ نظریاتی اعتبار سے ان میں کوئی اختلاف یا دوری نہیں ہے، چودہ سو سالہ موروثی عقائد و معمولات نے انہیں ذہنی طور پر ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے، لیکن بدقسمتی سے صرف اہل سنت و جماعت ہی وہ ہیں جن میں تنظیمی اشتراک و اتحاد کا واضح تصور نہیں ہے- حضرت علامہ کی یہ بات بالکل سچ ہے- یقینی طور پر اعتقادی اور مسلکی یگانگت کے باوجود تنظیمی ذہنیت نہ ہونے کی وجہ سے اہل سنت و جماعت انتشار، بدنظمی اور بے سمتی کا شکار نظر آتے ہیں- ہمارے لوگوں میں جماعتی، ملی اور ملکی مسائل میں غور و خوض کی عادت نہ کے برابر پائی جاتی ہے- گزشتہ دو تین سالوں میں اس طرف بڑی تبدیلی آئی ہے خصوصاً شہزادگان مارہرہ حضرت امین ملت کی قیادت میں بڑی خوش آئند پیش رفت کر رہے ہیں- آزادی کے ^ میری معلومات کی حد تک پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ عرس کی مقدس تقریبات میں جماعتی و ملی مسائل کے لیے علمائے اہل سنت اور دانشوران ملت کے اجتماع کی روایت شروع ہوئی ہے- ''فکر و تدÛ کانفرنس'' نے صرف چند ملی مسائل کو ہی حل نہیں کیا ہے بلکہ اجتماعیت کا ایک واضح تصور دیا ہے- میرے خیال میں اتحاد اہل سنت کا موضوع اسی اجتماع میں اٹھایا جانا چاہیے، جب مارہرہ، بریلی، بدا-ں اور کچھوچھہ کی اکابر ہستیاں اس

موضوع پر غور و فکر کرنے کے لیے ایک ساتھ بیٹھ جائیں گی تو اس سے اتحاد اہل سنت کی مستحکم بنیاد پڑ جائے گی، پھر ان بنیادوں پر عمارت کی تعمیر میں تاخیر نہیں ہوگی-

سوال:- کیا اقبال کی یہ بات درست ہے؟

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

مولانا سید قاسم اشرف:- علامہ اقبال یقیناً حکیم الامت تھے، انھوں نے امت مرحومہ کے مسائل پر 1 غور و فکر کیا ہے- ان کی باتیں واقعی اس قابل ہیں کہ ان پر سنجیدہ غور و خوض کیا جائے، لیکن اس کے ساتھ یہ آ سچ ہے کہ علامہ اقبال کے اندر انفعالیت ہے، وہ 1 جلد کسی چیز سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اپنی بات کہہ جاتے ہیں- خانقاہوں کے حوالے سے جو بات انھوں نے اپنے مذکورہ مصرعے میں کہی ہے وہ ۰۰% خانقاہوں کے ان کے اپنے مشاہدے کی روشنی میں یقیناً درست ہو سکتی ہے، لیکن کلی طور پر اس سے اتفاق کیا جانا مشکل ہے- یہ وہی اقبال ہیں جو حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الد + اولیاء کی مدحت سرائی میں آئے تو جوش عقیدت میں یہاں تک کہہ دیا کہ.....ع

مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

جس طرح حضرت محبوب الٰہی کے لیے اس عقیدت سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا اسی طرح خانقاہوں پر اقبال کی اس تنقید سے آ کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا ہے- سچائی یہ ہے کہ یہ دنیا اہل حق سے کبھی خالی نہیں رہی ہے- آج آ سیکڑوں شمس تبریز موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر مولانا روم جیسا سوز و گداز اور طلب تو پیدا کر , -

مگو ارباب دل رفتند وشہر عشق خالی شد
جہاں پر شمس تبریزی ست مردے شو چوں مولانا

سوال:- ہم نے سنا ہے کہ آپ حضرات بین الاقوامی سطح پر ''محدث اعظم ہند کانفرنس'' کا انعقاد کرنے جا رہے ہیں؟

مولانا سید قاسم اشرف:- جی! آپ نے صحیح سنا ہے- ہم ''محدث اعظم مشن'' کے زیر اہتمام حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کی صدارت میں فروری ۲۰۱۱ء میں گجرات

کے اندر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کرنے جارہے ہیں، جس کی تیاریاں شروع ہوچکی ہیں-اس کانفرنس میں برصغیر کے علما، مشائخ اور دانشوران کے علاوہ یمن، Ð اور عراق کے علماومشائخ Í شرکت فرمارہے ہیں-اس میں پانچ لاکھ سے زائد عوام کی آمد یقینی ہے-اس کانفرنس کا مقصد حضرت محدث اعظم ہند کی دینی، ملی، جماعتی اور سیاسی خدمات کی تذکیر وتعارف کرانا ہے تاکہ لوگ جانیں کہ اہل سنت وجماعت میں کیسی کیسی عظیم شخصیتیں تھیں جنھوں نے برصغیر ہند وپاک میں سواداعظم اہل سنت وجماعت کی قیادت کی-ہمارے یہاں اگر اپنے اسلاف کا تذکرہ نہ کیا جائے تو لوگ 1 جلد انھیں فراموش کر جاتے ہیں، جو جماعت کے تحفظ اور اس کی اشاعت کے لیے مناسب نہیں-امید کرتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کی جانب سے حضرت محدث اعظم ہند کی حیات وخدمات پر جام نور کا ایک وقیع اور علمی گوشہ Í شائع ہوگا-

سوال:-اخیر میں ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

مولانا سید قاسم اشرف:-جام نور آٹھ سال پہلے منصۂ شہود پر آیا اور جماعت میں علمی، فکری اور صحافتی انقلاب برپا کیا-ذہن وفکر کے بند دریچے کھلے، حالات ومسائل پر غور وفکر کا سلسلہ شروع ہوا، سچ بولنے اور سچ سننے کی جرأت پیدا ہوئی-اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ جام نور کی سچائیوں نے اپنے قارئین اور مداحوں کا ایک بڑا گروپ پیدا کرلیا ہے-جام نور کو اپنا یہ مشن جاری رکھنا چاہیے، میری نیک خواہشات اس کے ساتھ ہیں-جہاں تک قارئین کو پیغام دینے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اب حالات یکسر تبدیل ہوچکے ہیں، اس لیے فراست مومنانہ یہ ہے کہ وہ بدلتے ہوئے زمانے کے مطابق اپنے کردار وعمل سے اسلام اور اپنی اچھی شبیہ پیش کر , ،لوح وقلم سے اپنا رشتہ مضبوط کر , اور تعلیم کو اپنا مشن —ئیں، کیونکہ دینی وعصری تعلیم ہی ہماری کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے-□□□

(شمارہ مئی ۲۰۱۰ء)

مولانا قمر احمد اشرفی

بانی وڈائرکٹر: سنی سینٹر، مغل پورہ، حیدرآباد

مولانا قمر احمد اشرفی مصباحی بنیادی طور پر ایک ''داعی خطیب'' ہیں، خطابت ان کی دعوت کا میڈ * ہے اور دعوت ان کی خطابت کا محور-اس عظیم منصب کے جتنے لازم اوصاف ہوسکتے ہیں، مولانا ان کے حامل ہیں-دینی علوم، عصری بصیرت، اخلاص، اونچی سوچ، بلند کردار، دعوتی جذبہ اور عالمانہ وقار ان کی خمیر میں شامل ہے-ذاتی طور پر ان کے جس وصف نے مجھے 1 زیادہ متاثر کیا وہ ہے مولانا کا استغنا اور بے نیازی، جو کم از کم موجودہ علما میں نایاب نہیں تو نادر ضرور ہے-مولانا کا وطن ؍ گل پور ۰ ر ہے، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے فارغ التحصیل ہیں، جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے کامل و فاضل اور عثمانیہ - نیورسٹی حیدرآباد سے گریجویٹ ہیں-حیدرآباد میں دس سالوں تک ایک دینی درسگاہ کے نظم واہتمام کے ساتھ سنی دعوت اسلامی کے پلیٹ فارم سے اصلاح وفلاح معاشرہ پر دینی و تبلیغی تقریر , کرتے رہے ہیں-ان کی تقریر , کتنی اثر انگیز رہی ہیں اس کی شہادت آج Í اہل حیدرآباد دے سکتے ہیں-مولانا ۲۰۰۲ء میں تبلیغی ودینی مشن پر تقریباً چھ ماہ کنیڈا اور ۲۰۰۷ء میں تقریباً ایک سال بلیک برن انگلینڈ میں مقیم رہے-وہاں سے واپسی پر مولانا سے یہ انٹرو- لیا گیا-اب جبکہ انٹرو-ز کا یہ مجموعہ زیر ترتیب ہے مولانا نے اسی سال ۲۰۱۰ء میں سنی سینٹر کے نام سے مسلمانوں کی مذہبی ومسلکی رہنمائی کے لیے حیدرآباد دکن میں ایک ادارہ —م ''سنی سینٹر قائم کیا ہے، جس کے تحت وہ اعلیٰ پیمانے پر د + کی اشاعت وتبلیغ کا عزم رکھتے ہیں-اس سے قبل حیدرآباد میں ہی ایک دینی ادارہ —م ''دارالعلوم محمدیہ'' قائم کرچکے ہیں جو ترقی کی طرف گامزن ہے-

سوال:- برطانیہ میں مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی صورت حال کیسی ہے؟

مولانا قمر احمد اشرفی:- اولاً تو برصغیر سے جانے والے علما کا تعلق یا ربط کسی خاص کمیونٹی سے ہوتا ہے، یا زیادہ سے زیادہ برصغیر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں سے ہوتا ہے، عام طور پر علما جس سینٹر سے وابستہ ہوتے ہیں اسی حلقے میں محدود ہوتے ہیں، اس لیے وہ انہی لوگوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور انہی کے حالات کا جائزہ پیش کر سکتے ہیں، وہاں پر ترکی، ملیشیا، انڈونیشیا اور دیگر عرب وافریقی ممالک کے مسلمان آ ہیں جن سے شاید باید ہی کسی کا را , ہو- برصغیر سے جن مسلمانوں نے ترک وطن کر کے برطانیہ میں اقامت اختیار کی ہے ان کا غالب تر + حصہ ورکروں اور مزدوروں پر مشتمل رہا ہے، وہ لوگ تو اپنے ملک کی تہذیب وثقافت سے 1 حد تک جڑے رہے اور آج آ جڑے ہوئے ہیں، لیکن نئی نسل جو وہاں کے معاشرے اور اسکول کی پروردہ ہے اس کی صورت حال اخلاقی ہو یا مذہبی تشویش ناک ہے- مادر زاد آزاد معاشرے نے جہاں ایک طرف اسلامی اخلاقی قدروں سے نئی نسل کو یکسر آزاد کر دیا ہے تو دوسری طرف منشیات کے استعمال اور اس کے کاروبار نے مسلم نوجوانوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے- وہاں کے نوجوانوں کو دیکھنے کے ^ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ساری برائیاں معاشی خوش حالی اور مادی اطمینان کے بطن سے جنم لیتی ہیں- یہی وجہ ہے کہ ہندو پاک میں آ جن گھرانوں میں دولت وسرمایہ کی فراوانی ہے ان کا حال آ وہاں کے نوجوانوں سے مختلف نہیں ہے- یہاں پر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کے ترک وطن کر کے برطانیہ میں مقیم ہونے کی اصل غرض وغایت اور نشانہ معاشی استحکام واطمینان کا حصول اور مادی ترقی کے سوا کچھ نہیں- عوام تو عوام وہاں جانے والے مذہبی افراد کی غرض وغایت آ اس سے 1 مختلف نہیں- لہٰذا وہ اپنے اصل ہدف کو پانے کے لیے ہر طرح کے اخلاقی وروحانی زوال سے سمجھوتا کرنے پر مجبور ہیں-

رہی مسلمانوں کی سیاسی صورت حال، تو اس سلسلے میں سب سے پہلے تو میں اپنی معلومات کی کمی کا اعتراف کرتا ہوں، میں جہاں تک جانتا ہوں مسلمانوں کی سیاست کا اثر

کونسلر اور میئر بننے تک محدود ہے- دوسری بات یہ آ ہے کہ وہاں کا سیاسی محاذ برصغیر سے مختلف ہے- وہاں پر سیاست میں آنے یا اس میں اپنا مقام ¯ نے سے وہاں کے عوامی مسلم مسائل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ وہاں پر عوام اور حکومت کے حقوق وفرائض بڑے واضح انداز میں متعین ہیں اور نظام مضبوط وفعال ہے اور وہاں کا سرکاری عملہ اپنے اصول پر عامل اور ہر طرح کے کرپشن سے پاک ہے- اس لیے سیاسی قوت کے حصول یا عدم حصول سے وہاں کے عام مسلمانوں کو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا- اس لیے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کرپشن، بدعنوانی اور بے عملی ہی سیاسی بازی گری کو ہوا دیتی ہے اور عوام کو سیاسی لیڈروں کا محتاج ¯ تی ہے اور چوں کہ وہاں پر کرپشن نہیں ہے اور محکموں کے نظام میں کوئی کوتاہی نہیں ہے اس لیے برطانوی مسلم عوام کو مسلم لیڈروں کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی-

سوال:- دینی دعوت وتبلیغ کے لیے برطانیہ میں مبلغین کو آ کس طرح کا کام کرنے کی ضرورت ہے؟

مولانا قمر احمد اشرفی:- اس وقت برطانیہ میں مسلمانوں کی نئی نسل کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لیے ایسے مبلغین کی ضرورت ہے جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم میں آ بصیرت رکھتے ہوں اور بین الاقوامی زبانوں بالخصوص انگریزی زبان پر مہارت رکھتے ہوں، ساتھ ہی ساتھ برطانیہ کی یا مغربی ممالک کی ترفع وآسائش سے مغلوب ہونے کی O ئے دردمند دل کے ساتھ اسلامی جذبے سے سرشار ہوں- عوام کی طرح ان کا مطمح نظر خوش حال زندگی کا حصول نہ ہو بلکہ ان کا طرز عمل عوام کو یہ احساس دلا دے کہ ان مبلغین کا مطمح نظر ہم سے مختلف ہے، یہ دولت نہیں ایمان کے متوالے ہیں- ان کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں عوام کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ برطانیہ میں ہمارا قیام ہماری اپنی ضرورت کے لیے نہیں ہے، ہم تو یہاں پر کوفت کا احساس کرتے ہیں، ہم صرف تمہاری بھلائی اور خیر کے لیے یہاں مقیم ہو گئے ہیں، تمہارے ایمان وعمل کی اصلاح کی فکر نے ہمیں یہاں رہنے پر مجبور کر دیا ہے-

مبلغین کو صحیح معنوں میں داعی بننے کے لیے ضروری ہے- انہیں مادی فراوانی اور آسائش کو نشانہ ¯ نے سے گریز کرنا ہوگا وہاں کے حالات کے اعتبار سے جو زندگی کے

لوازمات ہیں انہیں تو 3/4 کیف اختیار کرنا ہوگا، لیکن اس سے اوپر اٹھ کر ترفع و تعیش سے تنفر ثابت کرنا ہوگا، تبھی جا کر کوئی اپنے آپ کو داعی ثابت کر سکے گا، جس کے ^ دعوت کا عمل شروع ہوتا ہے اور نتائج سامنے آتے ہیں-

اب جہاں تک اس سرزمین پر دعوتی ورک کی نوعیت کی بات ہے تو وہاں پر مسجد کے خطابات سے لے کر لٹریچر، سیمینار، سمپوز * کے ذریعے یہ کام انجام پا سکتا ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کے لیے ذاتی رابطے سب سے زیادہ موثر ہیں- یہی کل آ دعوت کی بنیاد رہے ہیں اور یقیناً آج آ ہیں- کیوں کہ تمام ذرائع ابلاغ ذہن و فکر کو اپیل کرتے ہیں لیکن ذاتی رابطے براہ راست دل کو متاثر کرتے ہیں، دل کو صاف کرتے ہیں اور اسے قبول حق کے لیے آمادہ کر دیتے ہیں- دعوت کے اس طریقے میں داعی کے کردار اور ذاتی اوصاف اور تاثر روح کی حیثیت رکھتے ہیں-

سوال:- دعوت و تبلیغ کے لیے علما نے جواب تک دورے کیے یا وہاں اقامت گز , ہوئے، اس سے وہ کام کس حد تک انجام پایا؟

مولانا قمر احمد اشرفی:- اس سلسلے میں میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جو نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے وہ انہی کی د + ہے- اب رہے اس کے خاطر خواہ منظّم اور مضبوط طر& کار اور اس حوالے سے ان لوگوں کی کارکردگی تو اس کا گہرائی سے جائزہ پیش کرنا مبہم ہی صحیح ان افراد پر تنقید کے زمرے میں آئے گا- اس لیے میں نے وہ کہہ دیا ہے جو ہونا چاہیے، اب کیا نہیں ہو رہا ہے اور کیوں نہیں ہو رہا ہے، مجھے اس سلسلے میں کچھ کہنے کا زیادہ حق نہیں ہے، بلکہ میں اپنی طرف سے کچھ کرنے کی ذمہ داری کا احساس رکھتا ہوں-

سوال:- برطانیہ میں مقیم برصغیر کی نئی نسل میں مذہبی رجحان کس حد تک پایا جاتا ہے اور وہ اس کی ' وتحفظ کے لیے کتنی حساس ہے؟

مولانا قمر احمد اشرفی:- برطانوی نئی نسل میں تمام تر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے باوجود مذہبی رجحان اور روحانی طلب موجود ہے- اس حوالے سے ایک خاص بات یہ عرض کروں گا کہ ان میں موجود مذہبی جذبات موجودہ مبلغین کی کوششوں کا نتیجہ نہیں کہ وہ انہیں

اپنا کریڈٹ —ئیں، ان جذبات کے پیچھے خود اہل برطانیہ کی ذاتی طلب ہے- اور یہ طلب دراصل عالم اسلام کی موجودہ صورت حال نے پیدا کی ہے- آج سے دس پندرہ سال پہلے مسلم نوجوانوں کا حال بالکل مختلف تھا، د + اور اسلام سے یکسر بے نیازی تھی، غفلت تھی، لیکن موجودہ حالات نے ان کے دلوں میں گرمی پیدا کر دی ہے اور میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر ان نوجوانوں کی بروقت صحیح تربیت نہ کی گئی یا دوسرے لفظوں میں ان کی طلب کی تسکین نہ کی گئی تو پھر یہ حرارت رفتہ رفتہ کم ہو کر ختم آ ہو سکتی ہے— یہاں عرض کر دوں کہ موجودہ مبلغین کو برطانوی نسل داعی و مبلغ سے زیادہ ضرورت مند سمجھتی ہے، پھر آ اپنی روحانی طلب کی تسکین کے لیے ان کے پاس آ کر ہدایات لے لیا کرتی ہے، لیکن جب تک مبلغین کا معاملہ بدلے گا نہیں اور وہ ضرورت مند کی O ئے صحیح معنوں میں داعی نہیں بنتے ہیں، وہ برطانوی نسل کے ذہن و دماغ کو متاثر نہیں کر سکیں گے- خلاصہ کلام یہ کہ برطانیہ کی نئی نسل میں مذہبی بیداری ہے، وہ اس کو بیدار تر کرنے کے لیے حساس ہیں، پرانی نسل آ اپنے مذہب اور اپنی ثقافت کے حوالے سے جذباتی اور اس کے تحفظ کے تئیں بڑی حد تک بیدار ہے- یہ داعیوں کے لیے سنہری موقع ہے اور یہ ان کے اوپر ہے کہ وہ اس موقع سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں-

سوال:- برطانیہ کے سفر کا اتفاق آپ کو کیسے ہوا اور اب واپسی کے ^ آپ کیسا محسوس کرتے ہیں- یعنی آپ کتنا مطمئن ہیں؟

مولانا قمر احمد اشرفی:- بلیک برن (انگلینڈ) میں محدث اعظم مشن کے تحت ایک ایجوکیشنل سینٹر ہے جہاں پنج گانہ نماز اور نماز جمعہ کے ساتھ بچوں کی دینی تعلیم کا نظم و ضبط ہے، وہاں پر ایک عالم کی ضرورت محسوس ہوئی، شیخ الاسلام حضرت مدنی میاں صاحب قبلہ نے اس کے لیے میرے نام کا انتخاب کیا اور مجھے وہاں جانے کا حکم ملا- خدا گواہ ہے کہ میری طرف سے اس کے لیے کوئی طلب یا جدوجہد نہیں تھی، حضرت کے حکم کے ^ آ کئی مہینوں تک ٹالتا رہا، بالآخر ہمیں تعمیل حکم میں کاغذاتی کاروائیاں آ کرنی پڑ , اور پھر جانا پڑا- وہاں جا کر میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے 1 اچھا لگا، لیکن ضرورت کا احساس ضرور ہوا- میں

اپنے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے وہاں 1 کچھ کر دیا ہے، ہاں! اتنا ضرور محسوس کرتا ہوں کہ کچھ حساس نوجوانوں میں کچھ کرنے کے تئیں جذبات ضرور انگیز کیے ہیں، مجھے یہاں آنے کے ^ ظاہر ہے کہ وطن لوٹنے کا احساس ہے، لیکن میں اس وقت کسی چیز کے کھو جانے کا غم یا پانے کی طلب نہیں رکھتا- آئندہ کے لیے أ یہی ہے کہ مجھے کچھ بنیادی تیار-ں کے ^ قانونی مرحلے طے کرنا ہے اور واپس وہاں جانا ہے-لیکن یہ طے اور اٹل نہیں ہے-کام اور حالات کچھ أ فیصلے کرا سکتے ہیں-

سوال :-ملکی اور بین الاقوامی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دعوتی وتبلیغی سطح پر کس طرح کی جدوجہد آپ ضروری سمجھتے ہیں؟

مولانا قمر احمد اشرفی:-تبلیغ ودعوت کے جتنے ذرائع اور جتنی سطحیں ہوسکتی ہیں، ہر سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور ہر سطح پر کچھ نہ کچھ ہو أ رہا ہے، لیکن اس میں جدوجہد، جفاکشی، اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ مبلغین و دعاۃ کا اسلامی اخلاق سے آراستہ ہونا ضروری ہے، جیسا کہ میں پہلے أ کہہ چکا ہوں کہ دعوت وتبلیغ کا موثر تر + ذریعہ ذاتی رابطے ہیں اور ذاتی رابطے میں اصل مبلغ کی حیثیت اخلاص اور اخلاق وکردار کی ہے-

سوال:-برطانیہ میں ماہنامہ جام نور کے تعلق سے کس طرح کے جذبات یا خیالات ہیں؟

مولانا قمر احمد اشرفی:-برطانیہ میں بالخصوص وہاں مقیم ہندوستانی عام اردو کتابیں پڑھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، پھر وہ آپ کا جام نور کیا پڑھ سکیں گے؟ اور جو لوگ اردو جانتے ہیں وہ صرف اردو پڑھ سکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ایسے افراد ظاہر ہے کہ وہ کسی معیاری ادبی اور مذہبی رسالے کا مطالعہ نہیں کر پائیں گے- البتہ یہاں مقیم علمائے ہند وپاک میں آپ کا رسالہ مقبول ہے اور ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے-وہاں کی مسلم سوسائٹی میں رسائل کے لیے آسان اور عام فہم انگریزی زبان میں مذہبی رسالے کی ضرورت ہے- جسے اگر آپ کرلے جاتے ہیں تو وہاں کی مسلم سوسائٹی کے اندر اثر ونفوذ ہوسکتا ہے-□□□

(شمارہ فروری ۲۰۰۸ء)

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی

سربراہ: مولانا اوکاڑوی اکیڈمی، کراچی، پاکستان

بارعب صورت، وجیہ شخصیت، ۽ ری بدن، خنداں لب، کشادہ جبیں، روشن دماغ، وسیع نظر، وافر علم اور ہر وقت ذکر د + اور فکر دعوت، یہ ہے مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی کی کل کائنات-موصوف ۱۷/اگست ۱۹۵۷ء کو کراچی پاکستان میں پیدا ہوئے-آپ کے والد مولانا محمد شفیع اوکاڑوی پاکستان کے نامور عالم د + اور بے بدل خطیب تھے-اس طرح مولانا کی پرورش ایک دینی وعلمی گھرانے میں ہوئی، ایک ساتھ دینی وعصری علوم سے ¾ہ مند ہوئے- چنانچہ جہاں آپ نے انٹر میڈیٹ، بی اے، بی کام، ا* اے اور پی ایچ ڈی کیا وہیں درس نظامیہ کی منتہی کتابیں أ پڑھیں-آپ کے اساتذہ کی فہرست میں والد ماجد مولانا شفیع اوکاڑوی ،مولانا سید احمد سعید کاظمی، سید علوی مالکی اور مولانا زید ابوالحسن فاروقی جیسی بڑی ہستیوں کا نام شامل ہے-آپ کو عرب وعجم کے ۱۶/مشائخ کرام سے تمام سلاسل طریقت میں خلافت واجازت حاصل ہے- دنیا کے مختلف گوشوں میں آپ کے ہزاروں مرید + میں ۳۰۰ سے زائد تعداد ان نومسلموں کی ہے جو آپ کے ہاتھوں اسلام لائے-آپ ۱۹۶۷ء سے ریڈ- پاکستان سے براڈ کاسٹ اور ۱۹۶۹ء سے تاحال PTV اور پھر QTV سے ٹیلی کاسٹ کیے جا رہے ہیں-۱۹۸۴ء سے مسجد گلزار حبیب کراچی کی امامت وخطابت کی ذمہ داری أ آپ کے سر ہے، خطابت کے لیے اب تک تقریباً چالیس ممالک کا سفر کر چکے ہیں، لیکن آپ کا طبعی میلان لوح وقلم کی طرف ہے- دو درجن سے زائد دینی وعلمی تصنیفات کے علاوہ اب تک درجنوں مضامین سے عوام وخواص مستفید ہو چکے ہیں، جن میں ''نعت رنگ'' میں شائع ہونے والے آپ کے علمی خطوط اور تنقیدی تبصرے اہمیت کے حامل ہیں-

سوال:- (ا)QTV پر آپ اپنی اردو اور انگلش اسپیچ کے ذریعے پوری دنیا میں پیغامِ حق عام کر رہے ہیں- آپ سب سے پہلے یہ Cئیں کہ دعوت کے اس جدید اور ہمہ گیر طریقے کی طرف آپ کو کس چیز نے مائل کیا؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:- آپ کی پاکستان آمد پر خوشی ہے- آپ کے دادا جان مرحوم و مغفور سے شرف ملاقات رہا- اس مسجد گل زارِ حبیب میں انہوں نے جمعہ کے تین اجتماعات سے خطاب فرمایا، مجھ سے اس مسجد کی متعدد تصاویر Ì وہ لے گئے کیوں کہ انہیں اس مسجد کی طرز تعمیر اور تزئین 1 پسند آئی تھی- تحریر کے حوالے سے انہیں ''رئیس التحریر'' کے لقب سے یاد کیا گیا، میری معلومات کے مطابق ''ورلڈ اسلامک مشن'' کے بانی اور برطانیا میں اس کے پہلے اجتماع کے داعی Ì آپ کے دادا جان ہی تھے- ''دعوت اسلامی'' کا لائحہ عمل یعنی دستور و منشور Ì آپ کے دادا جان ہی نے تحریر فرمایا تھا اور اس پر میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے دستخط فرمایا تھا- ان دنوں میں افریقی ممالک کے دَورے پر تھا جب آپ کے دادا جان کا وصال ہُوا- ''جامِ نور'' کے ذریعے آپ میدانِ تحریر میں ان کے جانشین ثابت ہو رہے ہیں- 1 کم عرصے میں آپ نے سُنّی رسائل و جرائد میں اپنی الگ پہچان نمایاں کی ہے- اللّٰہ کرے کہ آپ صدق و اخلاص کے ساتھ ''آوازِ حق'' ہی بلند کر , اور کسی طَور متنازع نہ ہونے پائیں-

1 شکریہ کہ آپ نے اب تک بغیر ملاقات کے Ì مجھ سے را , رکھا اور ''جامِ نور'' میں میرے ایک سفر نامے کا کچھ حصہ Ì شائع کیا، آج آپ سے پہلی ملاقات پر مزید خوشی ہے- آپ نے ''انٹرو-'' کی ٹھانی ہے، آپ معزز مہمان ہیں اس لیے انکار کی مجال نہیں- عرض کرتا ہوں:

QTV کا سلسلہ Ì نیا ہے اور اس کے مالکان اس سے پہلے ARY ڈی جی ٹل کے عنوان سے اپنا چینل متعارف کرا چکے ہیں، آپ QTV پر میرے روزانہ جو پروگرام ملاحظہ فرما رہے ہیں، یہ نشر مکرر ہے یعنی یہ ریکارڈنگ اس چینل پر دوبارہ پیش کی جا رہی ہے- اس

سے قبل یہ تمام پروگرام ARY پر ٹیلے کاسٹ ہو چکے ہیں-

شاید آپ کے علم میں نہیں کہ مَیں 1969ء سے ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ کیا جا رہا ہوں، ''پی ٹی وی'' (پاکستان ٹیلی ویژن) سے یہ سلسلہ شروع ہُوا- اس دَور ہی سے ریڈ- پاکستان سے Ì براڈ کاسٹ ہوتا رہا ہوں- پرائی ویٹ ٹی وی چینلز کی بہتات گزشتہ عشرے میں ہوئی ہے اب تک یہاں کے سات آٹھ چینلز پر ٹیلی کاسٹ کیا گیا ہوں اور جس قدر پروگرام پیش کیے ہیں بحمدہٖ تعالیٰ انہیں 1 پسند کیا گیا ہے-

''میرے سرکار (ﷺ) کے قدم پہنچے'' کے عنوان سے تیس پروگرام، ''نبوت کا سفر'' کے عنوان سے تیس پروگرام ''سفرِ معراج'' کے عنوان سے 19 پروگرام، ''واقعہ کربلا'' کے عنوان سے گیارہ پروگرام اب تک کئی بار نشر کیے گئے ہیں- ''دُرود شریف کی اہمیت'' کے عنوان سے ایک گفتگو ناظر + کے اصرار پر کئی مرتبہ ٹیلی کاسٹ ہوئی ہے- کیو ٹی وی سے ۱۴۲۴ھ میں ''-م عرفہ'' کی 9 گھنٹے کے دورانیے کی مسلسل ٹرانس مشن Ì دنیا 1/2 میں یادگار رہی- ''قصص القرآن'' کے عنوان سے بارہ پروگرام Ì 1 پسند کیے گئے- پی ٹی وی سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے متعدد اہم پروگرامز کی ایک فہرست ہے، تقریباً دو ہزار پروگرام اب تک ٹی وی چینلز سے پیش کر چکا ہوں- آپ جانتے ہیں کہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی وجہ شہرت میں ان کا منفرد اور مثالی اندازِ خطابت نمایاں ہے- مَیں نے صرف ''ایک شخص'' کو سُننے کے لیے جو ہجوم ان کی خطابت کے جلسوں میں دیکھا وہ اب تک کسی اور کے لیے میرے دیکھنے میں نہیں آیا- کانفرنسوں اور اولیاء اللّٰہ کے اعراس میں بڑے اجتماع ہوتے ہیں لیکن صرف ایک ہستی کو سُننے کے لیے مثالی اجتماع اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ ہی کے جلسے میں دیکھا- اس دَور میں ان کے ہر جلسے کے لیے اخبارات میں تشہیر Ì نہیں ہوتی تھی مگر ہجوم قابلِ دید ہوتا- Ì وہ لوگ خاصی تعداد میں موجود ہیں جو Cتے ہیں کہ وہ روزانہ کتنی مسافت پا پیادہ طے کر کے ان کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے- شروع میں ٹیکنالوجی کی فراوانی اور ارزانی Ì اتنی نہیں تھی کہ ان کی تمام تقاریر کی ریکارڈنگ کی جاتی- کیسیٹ ریکارڈر کی ابتداء کے ^ ان کی تقاریر کی ریکارڈنگ کا یہ منظر Ì دیکھا کہ اکثر سو سے زائد

کیسیٹ ریکارڈرز اسٹیج کے سامنے نظر آتے اور عشرۂ محرم میں گھانچی پاڑا کی محمدی وعظ کمیٹی کو تین بڑے کمرے ریکارڈنگ کو آنے والوں کے لیے مخصوص کر کے اہتمام کرنا پڑتا- پھر ٹیلی فون سے Ì خطاب سُننے کا اہتمام ہونے لگا- یہ سب اس لیے Cرہا ہوں کہ عمدگی سے کہی گئی اچھی بات سُننے کا شوق لوگوں میں کبھی کم نہیں ہوتا اور ''ذرائع ابلاغ'' (باتیں پہنچانے کے ذریعے) شاید اسی لیے بڑھ رہے ہیں کہ ''ابلاغ' ایک اہم ضرورت ہے- وقت اور فاصلوں پر ممکنہ دست رس ہی مادی سائنس کی پیش رفت ہے- انسان نے گویا خود کو پَر لگا لیے ہیں' وہ ناشتہ مشرق میں کرتا ہے تو ظہرانہ مغرب میں پہنچ کر کر لیتا ہے- ٹیلیکس کی جگہ فیکس آیا، ٹیلی گرام کی جگہ ٹیلی فون نے لی اور اب موبائل فون مروّج ہے- پہلے حاجیوں سے وہاں کی باتیں کس چاہ سے سُنی جاتی تھیں اب گھر بیٹھے تمام مناظر بچشم خود دیکھ لیے جاتے ہیں- کتاب اور کمپیوٹر کے احوال دیکھیے- ایک ویب سائٹ میں کتنی کتابیں جمع کر دی جاتی ہیں- اسپول سے کیسیٹ پھر سی ڈی اور ڈی وی ڈی تک سفر کی رفتار دیکھیے- کیمرے کا اب تک کا سفر Ì کم تیز نہیں- تاریخ میں کتنے اہلِ علم کے نام نمایاں ہیں، اکثر کے نام تو زیادہ تک پہنچے مگر کام سے کم ہی واقف ہوئے- کتاب سے ناتا ہر دَور میں زیادہ لوگوں کا نہیں رہا اور خواندگی کے تناسب کی کمی بیشی کے باوجود ہر تحریر Ì ہر کسی تک نہیں پہنچتی- پھر یہ Ì کہ جو لوگ پڑھ نہیں پاتے انہیں کیسے باور کرایا جائے؟ جلسوں میں گھر کا ہر فرد شریک نہیں ہوتا اور شرکت کرنے والا ہر شخص اپنے گھر کے افراد کو اپنی دید شنید نہیں Cتا- ٹیلی وژن اس لحاظ سے ایک ایسا ذریعہ ہے جو گھر کے تمام افراد تک بآسانی رسائی رکھتا ہے- اس کے ذریعے گھر کے تمام افراد کو à وقت وہ بات پہنچ جاتی ہے جو فی الحال کسی اور ذریعے سے شاید نہیں پہنچ سکتی- ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس ذریعے کی طرف مائل ہُوا اور دوسری وجہ بلکہ اصل اور اہم وجہ یہ µ کہ ہمارے مخالفین نے اپنے فتوے صرف تحریروں اور تقریروں تک رکھے ہیں، ان کا اپنا عمل Ì خود ان کے اپنے فتووں سے خالی ہی نظر آتا ہے- وہ اپنے بیش تر مفادات کی تکمیل میں حرام و ناجائز کی Ì کوئی پرواہ نہیں کرتے اور ہر ذریعہ'' Ì شی'' اپناتے ہیں اور اپنی غلط بات Ì کہنے سے نہیں چوکتے - اگر ہم یہی کہتے رہتے کہ انہیں نہ سُنو، نہ

دیکھو تو یہ بات Ì سب تک نہ پہنچتی اور جو انہیں دیکھتے سنتے وہ حقائق سے ناواقفی یا صرف انہیں ہی سننے کی وجہ سے ان کی بات ہی کو صحیح جان لیتے اور گمراہ ہو جاتے- اس لیے Ì اس ذریعہ کو اپنایا تا کہ اس ذریعے سے حق اور صحیح بات پہنچائی جائے اور ابطال باطل کیا جائے- چناں چہ ٹیلی ویژن کی چالیس سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ واقعہ Ì ہُوا کہ مَیں نے مخالفین کی کتابیں دکھا کر جواب پیش کیا اور پہلی مرتبہ ان آیاتِ قرآنی کا صحیح ترجمہ و تفسیر Ì Ò ن کرنے کا مجھے موقع ملا جنہیں غلط ترجمہ و تفسیر سے پیش کیا جاتا رہا تھا- آپ شاید جاننا چاہیں گے کہ مخالفین کی کتابیں دکھانے کا تاریخی واقعہ کیا ہُوا؟

کراچی میں د - بندی مکتبِ فکر کے جناب احتشام الحق تھانوی خاصے مشہور تھے، ان کے بیٹے احترام الحق تھانوی اس سیاسی پارٹی سے وابستہ ہوئے جس کی سربراہ ایک عورت ہے- ان دنوں وہ سندھ کی صوبائی حکومت میں ''مشیر'' Ì تھے- ''مذہبی مسائل'' کے عنوان سے ایک پروگرام میں ان سے مزارات اور مزارات میں آرام فرما اولیائے کرام سے استمداد وغیرہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو تھانوی صاحب نے نہ صرف غیر ذمہ دارانہ بلکہ گستاخانہ گفتگو کی جس سے 1 اشتعال ہُوا- اہلِ سنّت کے مطالبے پر اسی پروگرام کی دوسری نشست میں جواب کے لیے میرا انتخاب ہُوا، جناب اشرفعلی تھانوی کی کتابیں میں ساتھ لے گیا اور ان کتابوں سے اپنے موقف کی تائید میں عبارات پیش کیں- اس پروگرام کو بڑے اہتمام سے دیکھا سُنا گیا اور 1 مفید اثرات و نتائج مرتب ہوئے- اس حوالے سے میری کتاب ''مزارات و تبرکات اور ان کے فیوضات'' میں تفصیل آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں- اس پروگرام کی ریکارڈنگ Ì محفوظ ہے-

اسی طرح آیاتِ قرآنی **وما اھلّ بہ لغیر اللّٰہ** اور **انما انا بشر مثلکم** کے صحیح ترجمہ و تفسیر کے حوالے سے Ì پہلی مرتبہ 1 واضح Ò ن کرنے کا شرف حاصل ہُوا- ''بے مثل بشر'' کے عنوان سے پروگرام کی ریکارڈنگ Ì محفوظ ہے-

اس مختصر گفتگو سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تھانوی صاحب کا جواب اگر اسی میڈ * پر نہ ہوتا تو ان تمام لوگوں تک حقائق کیسے پہنچتے جو تھانوی صاحب کی بات سُن چکے تھے-

سوال:- آپ اپنے خطابات کے مثبت اثرات کس حدتک محسوس کرتے ہیں؟اور یہ کہ اس برقی دَور میں دعوت کے لیے برقی ذرائع کا استعمال آپ کتنا ناگزیر سمجھتے ہیں؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:-تحدیثِ نعمت کے طَور پر عرض کرتا ہوں کہ بحمدہٖ تعالی اب تک اپنے ہر خطاب کے مثبت اثرات ہی دیکھے سُنے ہیں اور اصلاحِ عقائد واعمال کے حوالے سے [1] کام یابی ہوئی ہے-خطاب کے لیے سمتوں سے لوگ مسلسل تقاضا کرتے ہیں اور جس کسی جگہ ایک مرتبہ گیا ہوں پھر وہاں سے بار بار تقاضا ہُوا ہے اور کچھ اتنی یلغار رہتی ہے کہ مجھے مہلت ہی نہیں ملتی-یقین مانیے کہ نیند Ì پوری نہیں کر پاتا-خطاب کا مجھے کوئی اتنا شوق Ì نہیں تھا لیکن زیادہ وقت اسی کی نذر ہُوا ہے اور سلسلہ جاری ہے-طبیعت کا زیادہ میلان مطالعہ وتحریر سے ہے اور اب اس کے لیے اسفار اور مشاغل کے کثرت میں بمشکل وقت نکال پاتا ہوں-لوگوں سے خطاب کے لیے معذرت کروں تو وہ اس کی اہمیت اور ضرورت کے کچھ ایسے دلائل خود مجھے سناتے ہیں کہ سنتا رہ جاتا ہوں- ٹیلی فون،خطوط اور ملاقاتوں میں لوگ جب مجھ سے میرے خطابات پر مثبت تبصرے اور تأثرات Ò ن کرتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ حق کا فیضان میرے ذریعے عام ہو رہا ہے- اللّٰہ کرے کہ یہ محنتیں میری بخشش کا سامان ہوں-

آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا کچھ جواب تو پہلے سوال کے تحت عرض کر چکا ہوں مزید یہ کہوں گا کہ دنیا کو اَب ''گلوبل ولیج'' کہا جا رہا ہے اور اس میں تیزی و تیز رفتاری ہی کا چلن ہے اور کچھ ایسی دوڑ لگی ہے کہ جو اس میں شامل نہیں ہو رہا وہ خود کو پیچھے رکھ رہا ہے- اسکول کے Ì a اب ہندسوں کے میزان کے لیے کیل کو لیٹر استعمال کرتے ہیں، دنیا کی ہر ایجاد کو ضرورت ¯ یا جا رہا ہے اور الیک ٹرانک میڈیا نے خاصے طبقے کو اپنا اسیر کر لیا ہے، جانے کتنی چیز , تھیں کہ اپنے وقت میں اہم تھیں مگر اب وہ فرسودہ شمار ہوتی ہیں-ٹیکنالوجی کی شاید یہی روایت ہے کہ پہلی چیزوں کو وہ کالعدم ٹھہرا دیتی ہے- اب کتابت کی O ئے کمپوزنگ ہوتی ہے- لیتھو اور بلاک پرنٹنگ کی O ئے اب کمپیوٹر سے بلا واسطہ کلر پرنٹنگ ہو رہی ہے اور صرف کاغذ ہی پر نہیں ہو رہی- ٹیلی فون کوئی وقت تھا کہ اس کا کنکشن حاصل

کرنا ایک مہم سر کرنا تھا اب ہر ہاتھ میں موبائل فون ہے بلکہ اب تو ہینڈ فری فون Ì کانوں میں اٹکے نظر آ رہے ہیں- ایک ملک سے دوسرے ملک میں ٹیلی فونک خطاب Ì ہو رہے ہیں- یہ فہرست طویل ہے- ایسے میں ''دعوت'' کے لیے ان جدید، آسان اور وافر ذرائع کا استعمال نہ کرنا ''دعوت'' ہی کو محدود کرنا قرار پائے گا- یہاں یہ Ì عرض کروں کہ د + و مذہب کے بارے میں کچھ لوگوں کا تاثر یہ رہا ہے کہ زندگی کے سفر میں د + و مذہب ہی جدید تقاضوں کا ساتھ نہیں دیتا- وہ لوگ ''رجعت پسندی'' کے لفظوں سے د + والوں کو ہدفِ طعن ¯ تے رہے ہیں- اس بارے میں ان کی دینی علمی کم فہمی ہی ان کا ماخذ رہی ہے -انہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ جدت اور جدید تقاضوں کو سمجھنا اور ان کے نتائج سے آگہی ضروری ہے ورنہ ''اندھی تقلید'' کے لفظوں سے ان مادہ پرستوں پر زبان دراز کی جا سکتی ہے- د + و مذہب کی پابندی تو تہذیب ہی کے لیے ہے اور زندگی کے سفر کو صحیح سمت میں درست اور آسان رکھنے کے لیے ہے-قرآن نے ''**واثمھما اکبر من نفعھما**'' کے الفاظ Ò ن کر کے جو بات سمجھائی ہے اس پر توجہ کی جائے- ہر ایجاد کو ''رحمت'' قرار دینے والے اس کی ''زحمت'' پر Ì نظر رکھیں اور ہر دو کے تناسب کے حوالے سے بات کر , - ہر سہولت کو ضرورت نہیں ¯ یا جا سکتا اور ضرورت کے لیے ہر سہولت کو ٹھکرایا Ì نہیں جاتا، شرائط و قیود کو پیشِ نظر رکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے-''دعوت'' وہ فریضہ ہے جس کے لیے غفلت یا کوتاہی جرم ہی کے زمرے میں شمار ہوگی- اور یہ Ì عرض کروں کہ برطانیا میں نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا قادیانی کی ذریت نے ٹیلی ویژن کے چینل ''اسلام'' کے نام پر شروع کر رکھے ہیں، اس کے مقابل کسی ٹی وی چینل سے کوئی جوابی کارروائی نہیں ہو رہی- البتہ مساجد میں اہلِ سنّت اور دیابنہ کی سالانہ کانفرنسیں خوب ہوتی ہیں' شاید اس · نے کچھ لوگوں کو برطانیا کی ''یاترا'' کا ''شرف'' مل جاتا ہے- ان کانفرنسوں کی ''باتصویر'' رُوداد کسی قدر وہاں شائع Ì ہوتی ہے تو اُردو اخبارات میں ہوتی ہے جب کہ قادیانی چینل وہاں کئی زبانوں میں اپنی تبلیغ وترویج کے لیے ہر گھر تک پیہم کوشاں ہے- گزشتہ پانچ برس سے جوابی چینل کے شروع کرنے کے وعدے اور اعلان مَیں نے Ì سُنے ہیں لیکن تاا , دم کوئی پیش

رفت نہیں ہوئی -اسے غفلت کہا جائے یا کیا نام دیا جائے؟

موجودہ عہد میں دعوت کے کام کو بڑھانا اور پھیلانا ہے تو برقی ذرائع کے استعمال سے اجتناب نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان ذرائع کا صحیح استعمال ہی ان سے دعوت کا کام لینا ہے- یہاں یہ آ عرض کروں کہ یہود و نصاریٰ کی بیش تر ایجادات ان کے مذہبی پروپیگنڈے اور مقاصد کے لیے ہیں ایسے میں مسلمانوں کی آ گہی ورہ نمائی اور غیروں کو دعوت پہنچانے کی ذمہ داری کچھ زیادہ ہوگئی ہے اگر اس کا احساس نہ کیا گیا اور برقی ذرائع کو استعمال کر کے یہ کام نہ کیا گیا تو اس کوتاہی کا وبال سنگین ہوسکتا ہے-

سوال:- تصویر کے ساتھ ٹیلی ویژن پر خطاب کرنے پر علما، دانش وران اور عوام کی طرف سے کس طرح کے ردعمل سامنے آئے؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:-اس کا مختصر اور فی الواقع صحیح جواب تو صرف اتنا ہے کہ علمائے کرام، مشائخ عظام، دانش وروں اور عوام سبھی نے ٹیلی ویژن پر میرے خطابات کو 1 زیادہ سراہا اور اسے اہم ضرورت کہا، ظاہر سی بات ہے کہ ان سب نے دیکھ سن کر ہی سراہا- کسی ایک شخص کی طرف سے آ کوئی منفی تاثر اب تک نہیں سُنا، شاید یہ آ وجہ ہو کہ مَیں نے خود ٹیلی ویژن پر آنے کے لیے نہیں بلکہ حق بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے ٹیلی ویژن کو ذریعہ ¯ یا اور اب تک کوئی ایسا پروگرام قبول نہیں کیا جس میں حق کی ترجمانی نہ کرسکوں اور جس قدر پروگرام کیے ہیں ان کے بارے میں پہلے ہی کچھ تفصیل Ò ن کر چکا ہوں-

اس جواب کے ساتھ یہ آ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پی ٹی وی کے ایک پروگرام میں جان دار کی تصویر کی حُرمت کے حوالے سے واضح شرعی تعلیمات مَیں نے Ò ن کیں اور نیتِ خیر کے باوجود اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے یہی کہا کہ اپنے اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا رہتا ہوں حالاں کہ اسی پروگرام میں شامل دوسری شخصیت نے اسے بالکل جائز بلکہ ضروری قرار دیا-

واضح رہے کہ وڈ- کے حوالے سے ضرور کچھ جلسوں میں عوام نے استفسار کیا اور کچھ علما نے اعتراض کیا لیکن ٹی وی پر خطاب کی سبھی نے خوب تعریف کی-

سوال:-کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ QTV سے جہاں لوگوں میں دینیات کی تحصیل کا خروش پیدا ہو رہا ہے وہیں ٹیلی ویژن کا غیر معمولی فروغ ہو رہا ہے جس سے بڑے پیمانے پر فحاشی کی آ اشاعت ہو رہی ہے؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:-آپ نے صرف QTV کا ذکر کیا ہے شاید اس لیے کہ ا آ تک یہی ایک چینل صرف مذہبی پروگراموں کے لیے ہے اور ''Q'' کا حرف ''قرآن'' کے لفظ کی طرف اشارہ ہے- یہ آ وجہ ہوسکتی ہے کہ ¸ رت میں یہی چینل دیکھا جا رہا ہے-

آپ کے سوال کے جواب میں یہی کہوں گا کہ اس چینل پر یقیناً کچھ پروگرام ایسے پیش کیے جا رہے ہیں کہ ان کے ذریعے دینیات سے واقفیت اور اس کی تحصیل کا شوق فزوں ہُوا ہے مگر مَیں تحفظات رکھتے ہوئے یہ آ کہوں گا کہ کچھ باتیں ناروا آ ہیں- نعت خوانی کے حوالے سے نامناسب انداز اور نادرست کلام اور نہایت متنازع کچھ افراد کی ناروا گفتگو آ اس چینل پر پیش کی جا رہی ہے، لیکن بالخصوص حضرت مولانا محمد عباس صاحب رضوی اور دیگر علمائے اہلِ سنّت نے پیغامِ حق پہنچایا ہے اور حقائق پیش کر کے باطل کا قلع قمع کیا ہے- اس خادم نے آ کچھ محنت کی ہے- اسی QTV سے جانے کتنے ملکوں میں پہلی مرتبہ دینیات کے حوالے سے پروگرام پہنچے ہیں اور ان لوگوں کو آ جو غلط پروپیگنڈے کی وجہ سے گمراہ اور بدظن ہو رہے تھے یہ معلوم ہونے لگا ہے کہ د + صرف عقائد و عبادات ہی نہیں سکھاتا بلکہ د + ہی دنیا برتنے کا طریقہ و سلیقہ سکھاتا ہے اور د + کی صحیح و غلط تعبیر و تشریح میں فرق آ انہیں نظر آنے لگا ہے کیوں کہ حق چھپانا اب اہلِ باطل کے لیے آسان نہیں-

ٹی وی کو متعارف ہوئے چار پانچ دہائیاں گزر چکی ہیں- شروع میں 1 سی تکنیکی سہولتیں اس کے لیے ارزاں و فراواں نہیں تھیں اور ہر علاقے کے لیے نہیں تھیں مگر اب تو موٹر کاروں میں اور جیبی سائز کے موبائل ٹی وی سیٹ آ میسر ہیں اور پانچ سو چینلز ایک جگہ دیکھنے کو میسر ہیں- ٹی وی کے اس فروغ ہی نے پرائی ویٹ سیکٹر کو چینلز کے لیے موقع فراہم کیا- یہ آ واضح رہے کہ متعدد لوگوں نے مخصوص چینلز دیکھنے ہی کے لیے ٹی وی سیٹ اور

کیبل یا ڈش انٹینا وغیرہ اپنے ہاں لگوایا ہے- ٹی وی کا بہتر اور صحیح استعمال یہی ہوسکتا ہے کہ اسے حقائق سے آگہی کا ذریعہ بنایا جائے اور عمدہ پیرائے میں صحیح پیغام اور معلومات اس کے ذریعہ پھیلائی جائیں-

سوال:- کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کے صفحات پر آپ نے تنقید کی جو نئی طرح ڈالی ہے اس پر آپ کی جتنی تحسین و آفر + کی جائے کم ہے، مگر کیا آپ C ئیں گے کہ اس نئی راہ پر چلنے کی محرک کون سی چیز µ؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:- اگر پوری تفصیل Ò ن کروں تو بات واضح ہوگی تاہم کوشش کرتا ہوں کہ اختصار ہی میں مدعا واضح ہوجائے-

گزشتہ دو دَہائیوں میں نعت گوئی اور نعت خوانی کے حوالے سے جو فضا دیکھنے میں آئی اس میں جہاں خوش آئند اور خوش گوار باتیں ہوئیں وہیں کچھ باتیں نہایت ناگوار Ì رہیں- مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت کے اہلِ علم کو مخالفوں کے علاوہ خود ان کے اپنے ''نادان دوستوں'' کی نادانیوں نے کم پریشان نہیں کیا- علماے حق اہلِ سنّت کو اس حال تک پہنچا دیا گیا کہ ان کی توانائیاں مدافعت کے لیے ہو کر رہ گئیں- ہمارے مخالفوں نے خود کو سُنّی ظاہر کر کے ہمارے سادہ لوح افراد اور کچھ اپنے ہی چیلوں کو ہمارے خلاف کچھ ایسی باتیں اور کام سکھائے جو وہ ان کے کہنے سُننے میں آ کر کرنے لگ گئے تھے- ایک طرف تو مخالفوں نے خود غلطیاں کروائیں اور دوسری طرف اپنی ہی سکھائی ہوئی انہی باتوں پر فتوے Ì داغے اور کیا کیا فتنے ڈھائے- صد- ں سے ہمارے اہلِ علم نے علم و عمل ہی سے شغف رکھا اور آج تک جس قدر Ì قابلِ ذکر علمی سرمایہ اور روحانی اثاثہ ہے وہ ہمارے اسلاف کی یادگار ہے- ہمارے مخالف ہماری علمی و عملی جدوجہد روکنا چاہتے تھے- مخالفوں کی اس چال اور سازش پر ہمارے اہلِ علم نے توجہ نہیں کی بلکہ وہ ان کے داغے ہوئے فتووں کے جواب اور ان کے ڈھائے ہوئے فتنوں سے دفاع میں مشغول ہوگئے- مخالفوں کی یہ چال اس لیے Ì تھی کہ ان کے اپنے کفر و ضلال پر لوگوں کی توجہ نہ رہے اور ان کے جرم لوگوں کو یاد نہ رہیں-

کفر و الحاد اور زندقہ کے یہ مجرم خود کو آج د + وملت کا ٹھیکے دار اور ذمے دار ظاہر کرنا

چاہتے ہیں اور ہم اہلِ حق کو یہ مشرک و بدعتی ¯ نے اور C نے کا مذموم شغل اپنا روزینہ ¯ ئے ہوئے ہیں- یہی نہیں بلکہ ان ظالموں نے د + دنیا ہر ایک میں دورخی اور دوغلی پالیسی ہی اپنا شیوہ و شعار ¯ ئی اور ہر سطح پر بے حیائی ڈھٹائی کا طرزِ عمل رکھا-

نعت گوئی اور نعت خوانی پر تنقید کے Ò ن میں یہ باتیں اس لیے C رہا ہوں کہ ان مخالفوں نے اس باب میں Ì ظلم و ستم کی خوب مشق کی ہے- خود غلط شعر کہنے، پڑھوانے، چھاپنے اور پھر خود ان کے خلاف لکھنے بولنے کا شغف Ì انہیں 1 مرغوب ہے اور صحیح عقائد اور صحیح اعمال کو غلط کہنا تو ان کا روزگار ہے- جانے کتنی نثری تحریر , Ì اسی طرح ان ہی کا شاخسانہ ہوں گی- ان ظالموں نے کس شعبے اور کس مرحلے میں اپنی اس روش کا د4 نہیں رکھا! عید میلاد النبی ﷺ منانے کے یہ مخالفین، میلاد شریف کی ہر محفل میں Ì پہنچے ہوتے ہیں- ایصالِ ثواب کے لیے سوم دہم اور چہلم کے خلاف ان کے فتوے Ì جوں کے توں ہیں اور ان مواقع پر یہ خود نمایاں موجود ہوتے ہیں- نعت خوانی یا میلاد شریف کی محافل ان کے ہاں تو نہیں ہوسکتی تھیں سو ہماری محفلوں میں انہوں نے اپنی شرکت اور د4 اندازی ضروری کر لی اور نعت کے موضوع پر لکھی جانے والی تحریروں میں اور انتخابِ نعت کے مجموعوں میں Ì انہوں نے اپنی ریشہ دوانی شروع کر دی- علاوہ از , ان اہلِ قلم ادیبوں شاعروں کو (جو مذہبی اختلافات کے حقائق سے آگاہ نہیں) یہ لوگ حقائق سے باخبر ہونے نہیں دینا چاہتے اور خود ہمارے o% ادیب و شاعر حضرات Ì صحیح اور پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اظہار و Ò ن میں لغزش کر جاتے ہیں اور یہ Ì دیکھا کہ وہ ناواقفی یا کم واقفی کی وجہ سے اپنے معترض کے سامنے خاموش ہوجاتے ہیں- مخالفوں کی طرف سے اعتراض کی یلغار ہوتی رہی- ہمارے اہلِ علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں جواب دیتے رہے- وہ جوابی تحریر , انہی رسائل و جرائد میں شائع نہ ہوں جہاں معترضہ تحریر , شائع ہوئیں تو ان معترضین اور ان رسائل و جرائد کے قارئین حقائق کیسے جانیں گے؟ اور اعتراض کیسے دُور ہوں گے؟ 1 سے معترض اور کچھ ہمارے اہلِ قلم Ì ایسے ہیں جنہیں اختلافات کی نوعیت اور حقیقت سے آگہی نہیں ہے- ایک المیہ یہ Ì رہا کہ بغیر دانائی و تحقیق کے اپنے

طَور پر جواب دینے والوں نے Ì تضحیک وتحقیر کا ماحول ¯ دیا-

ہمارے اہلِ علم زیادہ تر ایسے ہیں جو رسائل و جرائد کے مطالعے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے اور ان کی اپنی ترجیحات Ì ہوتی ہیں، وہ رسائل و جرائد میں لکھنا غیر ضروری گردانتے ہیں- معترض کو آئینہ نہ دکھایا جائے تو اس کا اعتراض ہی لوگوں میں راہ پا جاتا ہے اور دُھندر ہے تو اجالا نہیں ہو پاتا، پھر حق پسِ پردہ ہی رہتا ہے اور ظلمات سے نور کی طرف لانا وہ ذمہ داری ہے جو اہلِ حق ہی کا حصہ ہے- کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' کا پہلا شمارہ مَیں نے دیکھا تو اسے اپنے موضوع پر دیگر جرائد و رسائل سے مختلف پایا- اس کے تین شماروں تک میں اس کے تسلسل اور اس میں شامل متن کا جائزہ لیتا رہا- میرے مشاغل کی کثرت مجھے اجازت نہیں دیتی تھی کہ مَیں اپنے لیے کام کا اضافہ کروں لیکن نعت رنگ کے مدیر و مرتب محترم سید صبیح رحمانی کے صدق و اخلاص اور نعت شریف سے اپنی قلبی وابستگی پر اس خدمت کے لیے بفضلہٖ تعالیٰ مجھے ہمت ہوئی اور اللّٰہ کر* کے فضل و کرم اور نبی پاک ﷺ کی رحمت و عنایت سے مَیں نے کام یابی پائی -لوگ میرے معمولات و مشاغل کی کثرت میں میرے ان تنقیدی خطوط کی طوالت پر حیرت کرتے ہیں- یقین مانیے یہ میرے کر* و رحیم نبی پاک ﷺ کا فیضان ہی ہے، نعت شریف ہی کا مصرع یاد آ رہا ہے ؎

یہ تو کرم ہے ان کا ورنہ مجھ میں ایسی بات نہیں ہے

سوال: -اہلِ علم نے ادب و تحقیق کے لیے تنقید کو زندگی کے لیے سانس کی طرح ناگزیر قرار دیا ہے، کیا مذہبی ادب و تحقیق کے لیے Ì آپ تنقید کو اتنی ہی ضروری شئی سمجھتے ہیں یا مذہبی ادب اس حکمِ کلّی سے مستثنیٰ ہے؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی: -سوال میں ''حکمِ کلّی'' کے الفاظ محلِ نظر ہیں، -ں کہہ لیجئے کہ ''کیا اس حکم سے کلّی مستثنیٰ ہے؟'' بات یہ ہے کہ ''تنقید'' کا لفظ سنتے ہی بالعموم یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ''کوئی منفی رائے'' ہوگی -لوگ یا تو ''تنقید'' کے صحیح معنی و مفہوم سے آگاہ نہیں ہیں یا انہیں تنقید کے نام پر وہ کچھ پڑھنے سُننے کو ملا ہے کہ وہ تنقید کو ناپسند کرتے ہیں -''ادب'' اور ''تحقیق'' کی تعریف کی بات یہاں نہیں کرتا البتہ ''تنقید'' کے معنی اپنی دانست

کے مطابق ضرور عرض کروں گا کہ ''کسی کلام یا Òن کی خوÒں اور خامیاں ظاہر کرنا'' تنقید کہلاتا ہے- ایک لفظ میں اسے ''پرکھ'' یا ''تمیز'' Ì کہہ سکتے ہیں- غیر جانب دارانہ رائے کو Ì تنقید کہتے ہیں- آپ نے ادب و تحقیق کی سوال میں تقسیم کی ہے اور مذہبی ادب و تحقیق کو الگ Òن کیا ہے- اس وقت اس تقسیم پر Ì گفتگو نہیں کرتا صرف پوچھی گئی بات ہی کا جواب پیش کرتا ہوں-

قرآنِ کر* کلام اللّٰہ تعالیٰ ہے- اس کے ترجمہ وتفسیر کے لیے Ì ہمارے ہاں شرائط وقواعد ہیں- احادیث کے حوالے سے ہمارے ہاں اسماء الرجال کا وہ علم وفن ہے جو کسی اور کے ہاں نہیں- ''لغت'' کے حوالے سے بات کروں تو 1 تفصیل ہو جائے گی- جسے آپ نے مذہبی ادب و تحقیق کہا ہے اس بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ تنقید کے بغیر ہے ہی نہیں، کیوں کہ اس میں بنیادؔ ایمانیات ہۓ عقائد ہیں- اور اس باب میں تنقید نہ ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا- -ں Ì کہوں کہ ہر وہ بات یا کلام جس کے لیے اصول وضوابط اور شرائط وقواعد ہیں وہ تنقید سے خالی کیسے ہو سکتی ہے؟ کہنے لکھنے والے نے ان اصول و ضوابط اور شرائط وقواعد کا کتنا خیال رکھا اور کس طرح رکھا اسی کے Òن کو تنقید کہا جائے گا- جس طرح سانس، زندگی کے لیے ضروری ہے اسی طرح سمجھ لیجئے کہ مذہب سے وابستگی ثابت کرنے کے لیے ایمان اور صحتِ عقائد لازمی ہے- ہمیں ثواب وعذاب کا یقین بلاشبہ مذہب ہی سے ہے- اور مجھے C یا جائے کہ یہ مدح وذم کیوں ہوتی ہے؟

قرآنِ کر* کی کتنی ہی آیات ہیں جو واضح کرتی ہیں کہ حسن و قبح کی پرکھ اور تمیز کتنی اہم ہے- میں نے مختصراً اتنا کہا ہے، 1 تفصیل Ì کہہ سکتا ہوں- خلاصہ یہ کہ وہ ادب و تحقیق جس کے لیے تنقید کو زندگی کے لیے سانس کی طرح ناگزیر کہا گیا ہے، اس میں تنقید کی کمی Ì ہو تو د + اور آخرت کا مسئلہ نہ ہوگا لیکن دینی و مذہبی ادب و تحقیق میں تنقید یعنی خوبی و خامی اور صحیح وغلط کی تمیز نہ ہوئی تو ایمان ونجات کے لیے مسئلہ ہو جائے گا-

اس جواب کے ^ یہاں ایک بات مزید کہنے کی اجازت چاہتا ہوں وہ یہ کہ جو لوگ نعت شریف یا مذہبی موضوعات پر تحریروں کو تنقید سے کلی مستثنیٰ سمجھتے ہیں وہ جان لیں کہ انسان

،مرکبٌ عن الخطا ہے،خالی از خطانہیں-(نبیوں کی بات نہیں کر رہا)کبھی ایسا ا ہوتا ہے کہ علم کے باوجود توجہ نہیں ہوتی - یہ ا ہوتا ہے کہ پیرایہ Oن ناموزوں ہوگیا، یا یہ کہ لفظوں کی نشست وترکیب صحیح نہ رکھنے میں مفہوم بدل گیا - ایسی کئی صورتیں ہوجاتی ہیں-تنقید نہ ہوتو خوبی یا خامی کی تمیز کیسے ہوگی؟

سوال:- مذہبی ادب میں تنقید کی روایت کتنی قد * ہے؟اور ساتھ ہی یہ ا C ئیں کہ موجودہ مذہبی تنقید کی کیا صورت حال ہے؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:- جی تو یہ چاہتا ہے کہ آپ سے پوچھوں کہ آپ جسے مذہبی ادب فرمارہے ہیں وہ خود کتنا قد * ہے؟ تاہم عرض ہے کہ:

کلام اللہ تعالی،قرآن مجید کے نزول سے اگر ہم بات کر , تو قرآنِ کر* سے ہمیں اس بارے میں بنیادی تعلیم ملتی ہے پھر ارشاداتِ رسول کر* ﷺ ہماری رہنمائی کرتے ہیں -اصحابِ نبوی رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین کا میرے نبی پاک ﷺ کے حضور گفتگو کرنا اور نبی پاک ﷺ کا انہیں بہتر الفاظ و انداز تعلیم فرمانا،اسی طرح اصحاب کی عمدہ باتوں پر ان کی تحسین فرمانا کتبِ احادیث اور کتبِ سیرت میں ہمیں ملتا ہے-

مثالیں Oن کروں تو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ ہم ازواجِ رسول ہیں اور ان میں افضل ہیں اور نبی پاک ﷺ کے قرابت دار ا ہیں لیکن تم تو یہودیہ ہو-تو نبی پاک ﷺ نے حضرت صفیہ کو کیا خوب جواب تعلیم فرمایا - الاستیعاب،الاصابہ اور طبقات ابن سعد میں وہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے- آپ کے قارئین کی معلومات کے لیے عرض کرتا ہوں - نبی کر* ﷺ نے انہیں فرمایا کہ:

تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ حضرت ہارون،میرے چچا حضرت موسی اور میرے شوہر حضرت محمد علیہم الصلوۃ والسلام ہیں-" حضرت صفیہ کے والد حی بن اخطب جس قبیلہ کے سردار تھے وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا-

ایک واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت اسماء بنت زید رضی اللّٰہ عنہا کو مسلمان خواتین نے اپنا ترجمان ~کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں بھیجا - اس محترم خاتون نے جب اپنی

بات کی تو رسولِ کر* ﷺ نے اپنا رُخِ انور اپنے اصحاب کی طرف کر کے فرمایا کہ کیا تم اپنے د + کے متعلق اس عورت سے بہتر انداز میں کسی کو سوال کرتے سنا ہے؟ یہ واقعہ ا علامہ ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب میں ہے-

اسی طرح کے متعدد واقعات ہیں-تنقید کے حوالے سے اشعار کی اصلاح کا ذکر ا ہے کہ بہتر لفظ تعلیم فرمایا - -ں مختصراً یہ بات واضح ہوگئی کہ تنقید کی روایت کتنی قد * ہے- آپ نے موجودہ مذہبی تنقید کی صورت حال ا دریافت فرمائی ہے-

خوشتر صاحب! کیا عرض کروں! موجودہ دَور میں وہ لوگ جنہیں "مذہبی" کہا جاتا ہے اِلّا ماشاء اللّٰہ عزوجل مجھے تو مذہب کے ساتھ کھیلتے نظر آتے ہیں-واضح رہے کہ مَیں نے یہ بات سب کے لیے نہیں کہی ہے- ~م علما و مشائخ جانے کہاں کہاں کیا کچھ نہیں ہو رہا -سیاست کاروں نے،شوبز نے اور دنیا کی نیرنگیوں نے "مذہبی" طبقے کے 1 سے افراد کو ا ان آلودگیوں میں ملوث کر دیا ہے جن آلودگیوں کو معاشرے سے دُور کرنا اس مذہبی طبقے کی منصبی ذمہ داری تھی - یہ بات تمام مسالک اور مکاتبِ فکر کے حوالے سے کہہ رہا ہوں -الحق مرّ (سچ کڑوا ہوتا ہے) سچی بات یہ ہے کہ علم و تقوی کی پاس داری اب کم ہی نظر آتی ہے اور جو سچے اور اچھے ہیں انہی کے دم قدم سے بات µ ہوئی ہے-آپ کسی "شیخِ طریقت" یا "رہبر شریعت" سے ملقب شخصیت کی تحریر و تقریر وغیرہ پر ذرا تنقید کیجیے اور تماشا دیکھیے - مجھے شُبہ ہے کہ آپ کو سخت اور نامناسب سلوک کا مستحق ٹھہرایا جائے گا - جانے کیوں ایسا ا ہے کہ شریعت سے زیادہ شخصیت کو اہمیت دی جاتی ہے-موجودہ مذہبی تنقید میں یہ ا ہو رہا ہے کہ لہجہ و انداز اور الفاظ کا برتاؤ کچھ لوگوں کے ہاں نامناسب ہے- دلائل و براہین کی زبان میں مناسب انداز اور تحمل کی O ئے ہفوات،ذاتیات اور لغویات کا چلن کچھ زیادہ ہے-کورٹ میں وکلاء کو ایک دوسرے کے مقابل خوش اسلوبی سے دلائل Oن کرتے اور ایک دوسرے کا رد کرتے دیکھا جاتا ہے مگر وہ اس طرح باہم الجھ نہیں پڑتے جس طرح اسمبلی کے ارکان پارلیمینٹ میں یا کچھ مذہبی افراد خانقاہ و درس گاہ میں "حسنِ کلام" کرتے دیکھے جاتے ہیں،دھمکیاں دی جانے لگتی ہیں،پمفلٹس اور پوسٹرز ایک دوسرے

کے خلاف شائع ہونے لگتے ہیں- باہمی مقاطعہ ہی نہیں ہوجاتا بلکہ آبروتک پامال کی جاتی ہے-میری طرح ہرکوئی دوسروں کے لیے یہ رونا روتا ہے مگر اپنی ذات کو شمار نہیں کرتا-اتا مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم الخ قرآنی آیت آ انہیں یاد نہیں رہتی- میری اس تلخ نوائی کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ تنقید کا کوئی آ رَوادار نہیں رہا- ایسا ہرگز نہیں ہے-ایسے لوگ اب آ ہیں جو صدق واخلاص سے سرگرم عمل ہیں اور انہیں اپنی ذات اپنی انا، اپنے مفاد اور اپنی عزت سے زیادہ حق وصداقت اور شریعت وسنّت کا پاس رہتا ہے، وہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہی کے لیے خود کو مشغول ومصروف رکھے ہوئے ہیں اور کسی ملامت کو آ خاطر میں نہیں لاتے - اللّٰہ کر * ہم سب کو ہدایت اور صدق واخلاص سے نوازے، آمین:

سوال:- بیس و , صدی میں شرعی علوم سے بے¾ہ افراد نے شریعت کے باب میں اپنے موہوم خیالات پیش کرنا شروع کیے، یہ روایت اس وقت اکیس و , صدی میں اپنے شباب پر ہے-تنقید کے نام پر اس جاہلانہ اور غیر ذمہ دارانہ رویے کے امّت پر کیا اثرات مرتب ہوئے اور ہورہے ہیں اور ان اثرات کے ازالے کی دعوتی تدÛ کیا ہے؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:- میرے محترم! یہ بات بیس و , صدی ہی میں نہیں اس سے پہلے آ نظر آتی رہی ہے-فرعون اور نمرود نے خدائی کے دعوے کیوں کردیئے تھے ؟ لوگوں کی جہالت ہی ایسے دعوے داروں کو راہ دیتی ہے- ہمارے معاشرے میں دینیات سے آگہی کا جذبہ اور چلن حضرت اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ کے ^ختم کرنے کی سازشیں کچھ اس طرح ہوئیں کہ لوگوں کو ان سازشوں کا احساس آ نہیں ہُوا- برعظیم کے مسلمانوں نے انگریزی ہی نہیں سیکھی انگریزیت آ سیکھ لی- اپنے نظریات اور اقدار کو مٹتا دیکھ کر خود مسلمان آ برانگیختہ نہیں ہوئے - د + داروں نے آوازِ حق اٹھائی تو انہیں طرح طرح کے الزام دیئے گئے-مغربیت اور مادر پدر آزادی کی راہ میں آج آ سب سے بڑی رکاوٹ د + داروں ہی کو سمجھا جاتا ہے- غلط پروپے گنڈا مسلسل ہوتو کچھ لوگ ضرور متاثر ہوجاتے ہیں- لوگوں کو سازشی طور پر یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ پڑھے لکھے اور قابل

وہی شمار ہوتے ہیں جو ڈاکٹر، انجینئر اور پی ایچ ڈی ہوتے ہیں اور معاشی سہولتیں انہی لوگوں کا حصہ ہوتی ہیں- د + والے تو à ورڈ اور رجعت پسند ہیں- دیکھا دیکھی اور سنتے سنتے جانے کتنے یہی بولی بولنے لگے-''علم'' کی تقسیم اور طریقۂ تعلیم کی تبدیلی نے ماحول بدل دیا اور سب قبول کرتے چلے گئے- علمائے کرام نے اپنی درس گاہوں کو ایک مختصر نصاب کی روایتی تعلیم تک محدود کرلیا اور ان میں سے اکثر نے اپنے بچوں کو کالج - نی ورسٹی سے آشنا تو کردیا لیکن اپنا ورثہ انہیں بکمال منتقل نہیں کیا اور - ں جانے کتنی خانقاہیں اور درس گاہیں اپنی آب وتاب برقرار نہ رکھ سکیں- آگہی کا کوئی در بند نہیں ہونا چاہیے لیکن علم کے ساتھ حکمت کا ذکر آ ہے- آگہی اور دانائی دونوں لازم وملزوم رہیں- تعلیم کسی قدر رہی مگر تربیت نہ ہوئی -علم نافع کے ساتھ فہم واقع ہی سینے کو سمندر کرتی ہے- لوگ ماحول سے متاثر ہونے لگے مگر ماحول کو متاثر کرنے والے کم ہوتے گئے، نتیجے میں دینیات سے بے¾ہ لوگوں نے اپنے موہوم خیالات کو رواج دینے کی سازش کی - معاشرے میں جہالت نہ ہوتی تو یہ لوگ کبھی پنپ نہ پاتے -''غیروں'' نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا، آج اس کے شدید اثرات ہمارے سامنے ہیں- یہ اثرات ایمانی کمزوری، بے راہ روی، بدعملی، اخلاقی بگاڑ اور اقدار کی پامالی کی صورت میں ظاہر ہوئے -خوشی ہے کہ اس بات کا احساس ہوگیا ہے- مرض معلوم ہوجائے تو علاج آسان ہوجاتا ہے- ان مفسد اثرات کے ازالے کے لیے ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ صحیح اور ضروری تعلیم عام ہو- مساجد کے ائمہ وخطباء اور مبلغین ومقرر + تعلیم یافتہ ہوں، ان کی باقاعدہ تربیت آ کی جائے تاکہ وہ نماز - ں، مقتد - ں اور سامعین کی صحیح رہ نمائی کرسکیں اور مثبت اثرات مرتب کرسکیں- پاکستان میں جماعتِ اہلِ سنّت مرکزی نمائندہ تنظیم ہے، آپ کے ہاں آ کوئی مرکزی تنظیم ہوگی وہ اس کام کو منظّم طور پر کرسکتی ہے-''حکیمانہ دعوتی تدÛ' میری دانست میں فوری طور پر یہی ہے کہ جن ذرائع اور جس شدومد سے مسلسل غلط پروپیگنڈا ہورہا ہے اسی اہتمام اور انہی ذرائع سے حقائق نہایت عمدہ پیرائے میں تسلسل سے پیش کیے جائیں- پردے اٹھادیئے جائیں تو اجالا روکا نہیں جاسکتا اور حقیقت خود کو منوا کر رہتی ہے-

علم اور کردار کے حوالے سے جو کمزوریاں ہیں وہ دور نہ کی گئیں تو کسی مثبت نتیجے کی توقع نہیں کی جاسکتی-

خوشتر صاحب! آج معاشرے میں د + وایمان کی وہ فی الواقع اہمیت نہیں رہی جو ہونی چاہیے-ہمیں اپنی مساجد و مدارس کو پھر ویسا ¯ نا ہوگا کہ لوگ ان سے پوری وابستگی پسند کر , -مساجد و مدارس معاشرے کی دینی علمی اخلاقی رہ نمائی اور معاونت کے مراکز ہوجائیں تو ان شاء اللہ ہر ایک کی زندگی میں شریعت وسنّت ہی کی عمل داری ہوگی پھر موہوم اور مذموم خیالات پیش کرنے کی جرأت ہی کم ہوگی اور کوئی جسارت کرے گا تو پنپ نہیں سکے گا-

سوال:- آج یہ وسیع وعر ! دنیا، جدید ٹیکنالوجی کی بدولت ایک چھوٹے گاؤں کی شکل اختیار کرگئی ہے-آپ اپنی بین الاقوامی دعوتی تجربات کی روشنی میں C ئیں کہ اس ماحول میں نئی نسل کو دعوت وتبلیغ کے لیے کس قسم کی تیاریاں کرنی چاہئیں اور انہیں اپنی سوچ و فکر اور کردار وعمل کو کس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:-آپ کے اس سوال کے جواب میں پہلے تو یہ کہوں گا کہ انسان کو باور کرایا جائے کہ یہ ساری کائنات اس کے لیے ہے وہ ان سب کے لیے نہیں ہے، یہ بات 1 اہم ہے کیوں کہ ٹیکنالوجی سے متاثر اور اس کا اسیر ہونے والا انسان آج خود اپنی پہچان نہیں رکھتا - وہ دیکھے کہ یہ ٹیکنالوجی انسانی عقل کی کرشمہ کاری ہے- اسے خالق عقل رب تعالی کی معرفت کی طرف راغب کرنے کے لیے سائنسی ایجادات اور کرشماتی ٹیکنالوجی ہی کے ذریعے حقائق باور کروائے جائیں- امریکا کے دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی میں ''ایرَ اینڈ اسپیس میوز *'' کو دیکھ کر وہاں کی جارج میسن - نی ورسٹی کے طلبہ واساتذہ کے سامنے مجھے دینی حقائق سمجھانے میں 1 آسانی ہوئی- جغرافیا کی مقدور/2معلومات کی وجہ سے سمتِ قبلہ اور اختلاف مطالع اور رویتِ ہلال پر بات کرسکا، اپنے تمام تجربات Ôن کروں تو بات طویل ہوجائے گی - ان تجربات کی روشنی میں تیار -ں کے لیے بات کرتا ہوں-

● نئی نسل کو اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی اور انگریزی زبان اتنی ضرور سیکھنی چاہیے کہ مطالعہ و گفتگو ہو سکے-

● اپنے اسلاف قابل ذکر اسلامی اسکالرز کے علمی تحقیقی کارہائے نمایاں کی معلومات ہونی چاہئیں-

● دینی حقائق اور اسلامی تعلیمات کو عقلی دلائل کے ساتھ Ï سمجھانے کی اہلیت پیدا کرنی چاہیے-

● تقابل ادیان کے حوالے سے ضروری معلومات ہونی چاہئیں-

● دنیا میں رونما ہونے والے واقعات اور ایجادات سے آگہی رکھنی چاہیے-مگر ان سب سے پہلے اسلامی اعتقادات اور حقانیت اسلام کی شرح صدر تک یقینی آگہی اور ان پر شدید پختگی ضروری ہے-اور میرے نزدیک یہ Ï ضروری ہے کہ داعی و مبلغ کو کسی اللہ والے کا فیضان تربیت اور روحانی توجہ حاصل ہو کہ اس کے بغیر اثر پذیری نہیں ہوتی-

کردار وعمل اور سوچ وفکر کے حوالے سے عرض کروں کہ ضبط نفس اور صدق واخلاص از بس لازمی ہیں اور مطالعہ وتحقیق سے شغف مسلسل رہے- ہمارے علمائے ربّانی صوفیہ کرام ہمارے لیے فکری وعلمی بہتر +نمونہ ہیں کہ وہ ایمان وتقوی اور شریعت وسنّت پر استقامت کے پیکر جمیل تھے- دل نواز سخن، دل گداز محبت اور عمل پیہم سے انہوں نے انقلابی کارہائے نمایاں انجام دیئے-ان کی سیرت وسوانح کا دلچسپی سے مطالعہ Ï اثر کرتا ہے-یاد رہے کہ اب گلوبل ولیج کہلانے والی اس دنیا میں ٹیکنالوجی کی بہتات نے انسان کو وہ راحت وتسکین نہیں پہنچائی جس کے لیے وہ سرگرداں ہے- یہ آسودگی اور طمانیت ایمان وروحانیت ہی کے دامن میں ہے اور ایمان وروحانیت کی یہ دنیا محض کسی پوشاک یا کچھ رسوم کا نام نہیں یہ تو قلب وذہن کی تہذیب وتطہیر کرنے اور للّٰہیت کا پیکر بن جانے کا نام ہے اور بحمدہ تعالی ایسے لوگوں سے دنیا خالی نہیں-

سوال:- آج اسلامی دعوت کو مغرب سے کتنا خطرہ ہے؟ خصوصاً 11 ستمبر کے حادثے کا اس پر کیا اثر مرتب ہُوا؟

مولانا کوکب نورانی اکاڑوی:-محترم خوشتر نورانی صاحب! میرا خیال ہے کہ اسلامی دعوت کو مغرب سے کوئی خطرہ نہیں، البتہ مسلم معاشرے کو ضرور خطرہ ہے کیوں کہ آسائشوں میں مسلمان کے جوہر نہیں کھلتے -لفظ مغرب کے حوالے سے ایک جملہ پہلے آ کہیں لکھا تھا، آپ کے قارئین کے لیے پھر کہتا ہوں: ''سورج روزانہ مغرب میں غروب ہوکر یہ پیغام دیتا ہے کہ ''مغرب'' کی طرف جانے والو ڈوب جاؤ گے-'' مجھے وہ حدیث شریف آ یاد آ رہی ہے جو g ری شریف، کتاب المغازی میں ہے کہ رسولِ کر* ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امّت سے شرک کا خوف نہیں مگر اس کا خدشہ ہے کہ میری امّت دنیا کو پسند کرنے لگے گی-یعنی دنیا کی رغبت زیادہ ہوجائے گی - احوال ہمارے سامنے ہیں- ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی مگر آپ کسی کو دنیا کی کسی چیز سے روک کر دیکھیے اور پھر سنیے کہ کیسے کیسے جواب ملتے ہیں- مغرب کی ظاہری چمک دمک نے خود مسلمان کہلانے والے جانے کتنوں کو د + اور تقوی سے دُور کیا ہے- رہے ''غیر'' تو وہ گیارہ ستمبر کے حادثے کے ^ اس غلط پروپیگنڈے کے زیر اثر ہیں جو سازش کے تحت سامراجی قوتیں کر رہی ہیں مگر ''**الانسان حریص علی مامنع** ''(انسان اس کی حرص کرتا ہے جس سے اس کو منع کیا جائے)- غیروں کا یہ سازشی غلط پروپیگنڈا ہی ان کے اپنوں کو حقیقت جاننے کی طرف مائل کرے گا اور ایسا ہو رہا ہے-

نائن الیون کا سانحہ تو عالم اسلام کے لیے (ویک اپ کال) wake up call صدائے بے داری تھی لیکن مجھے اظہار ملال کے سوا چارہ نہیں کہ بے حسی اور بزدلی ہی کا مظاہرہ ہُوا- آپ نے دیکھا ہوگا کہ ''سونامی'' کے سانحے پر توبہ کی O ئے ناچ گانے ہی کی محفلیں سجائی گئیں- آج مسلمان **رحماء بینھم** اور **اشداء علی الکفار** کی O ئے اپنوں سے معاندانہ اور دشمنوں سے دوستانہ رویہ اپنائے نظر آتا ہے- ہر چند کہ سبھی کا یہ حال نہیں تاہم جس قدر آ ہے قابل افسوس ہے- گیارہ ستمبر کے حادثے سے فوری طور پر یہ نقصان پہنچا کہ وہ مغرب جہاں مسلمان مقیم و مسافر آسانی اور آزادی سے گھومتا پھرتا رہتا اور اپنی عبادات ادا کرتا تھا اب اس کے لیے وہ آسانی اور آزادی نہیں رہی- ہر مسلمان کو شک کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اس کے بارے میں رائے منفی ہوگئی - باشرع لباس و انداز میں حضرات و خواتین کا

سرِ عام نکلنا وہاں خاصی حد تک غیر محفوظ ہوگیا- کہیں کہیں اس شدت میں کچھ کمی ہوئی ہے لیکن اب وہاں اسلامی دعوت دینا خود کو مشکلات میں ڈالنا سمجھا جاتا ہے اور اس سانحے کے ^ دنیا 1/2 میں داعیوں اور مبلغوں کو دشواریاں ہیں- اکثر و بیش تر صرف یہی واضح کرنے میں مشغول ہیں کہ ہم امن پسند ہیں اور دہشت گردی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، یعنی انہیں اپنا تعارف اور تعریف منوانے کی ضرورت پڑ گئی - بلاشبہ اسلام اور مسلمان سلامتی اور امن ہی سے عبارت ہیں مگر مسلمان کہلانے والوں میں ''اسلام'' ان کا د + عملا نظر آنا چاہیے اور مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے کا ہر طرح مسلسل عملی مظاہرہ کرنا چاہیے- جہاد کی بات کرنے میں جھجک نہیں ہونی چاہیے بلکہ جہاد کے خلاف غلط پروپیگنڈے کو بے نقاب کرنا چاہیے-

سانحے رونما ہوتے ہیں تو خوابیدہ قوتیں بے دار اور غفلتیں دور ہوتی ہیں اور صحیح سمت میں قوت عمل تیز ہوتی ہے- لیکن ملتِ اسلامیہ کو سچی اور مخلص قیادت شاید میسر نہیں اور ذہن سازی کرنے والی تبلیغ نہیں ہو رہی - اس سانحے کے ^ اسلامی دعوت کا کام زیادہ اور 1/2 پور ہونا چاہیے تھا- مروجہ طریقِ دعوت میں پائے جانے والے اسقام و معائب دُور کر کے صحیح اور مؤثر انداز اپنانے چاہیے تھے مگر لگتا ہے کہ اس سانحے سے بے داری نہیں لوگوں میں بے زاری آئی ہے- وہ جو کہا جاتا ہے کہ ظلم حد سے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے- غیروں کا تشدد اور ظلم خود ان کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور ان شاء اللّٰہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر سازش بے نقاب اور ناکام ہوگی-

سوال:- جام نور کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

جواب:-''جام نور'' کو اپنے نام اور عنوان کا مکمل آئینہ ¯ یئے- روشنی راستہ ¯ تی آ ہے اور راستہ C تی آ ہے- روشنی ہی سے سفر آسان اور درست رہتا ہے- روشنی ہی غفلتوں اور تاریکیوں کو دُور کرتی ہے- اتنی روشنی پھیلایئے کہ ہر تاریکی دم توڑے- اللّٰہ کرے کہ آپ کا یہ مجلّہ ملّت کی بے داری میں نمایاں کردار ادا کرے او رواقعی ملت کا ترجمان ثابت ہو-□□□

(شمارہ جون ۲۰۰۵ء)

مولانا مبارک حسین مصباحی

مدیر اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ (۔ پی)

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے استاذ، ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ، درجن2/1 کتابوں کے مصنف مولانا مبارک حسین مصباحی (پ: اکتوبر ۱۹۶۷) ملک گیر شہرت کے حامل ہیں۔ زبان وقلم پر یکساں قدرت ہے۔ آپ کی تحریر وتقریر میں زیادہ اچھا کیا ہے، یہ فیصلہ کرنا کبھی کبھی مشکل ہوجاتا ہے۔ زبان میں شائستگی، اسلوب میں سادگی و روانی اور فکر میں پختگی ہے۔ آپ کی کتاب 'افتراق بین المسلمین کے اسباب' (۲۰۰۲) برصغیر میں پیدا ہونے والے مذہبی فتنوں اور مسلکی تعصّبات پر سنجیدہ علمی کوشش ہے۔ اب تک ہندوپاک سے اس کی کئی اشاعتیں ہوچکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی دوسری کتابیں 'شہر خموشاں کے چراغ'، جہان رئیس القلم، اسلام اور ہندوستانی مذاہب، عشق رضا کی سرفرازیاں، مدارس اسلامیہ اور خلیج کا dان I مذہبی وعلمی حلقوں میں مقبول رہی ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے آپ کی فراغت ہوئی۔ ^ ازاں علگدھ ۔نیورسٹی گیا سے ا* ۔اے کیا اور پھر ایک ساتھ تحریر، تدریس اور تقریر کے ذریعے دینی وملی خدمات سے وابستہ ہوگئے، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مبارک پور میں المجمع المصباحی کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ اور شاہ آباد رام پور میں جامعہ طیبہ کے نام سے ایک دینی وتعلیمی ادارہ I چلا رہے ہیں۔ چند سالوں قبل الجامعۃ الاشرفیہ میں تنظیم ا ¯ ئے اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا، آپ کو جنرل سکریٹری کا منصب دیا گیا۔ یہ تنظیم I موصوف کی قیادت میں اپنی بساط2/1 کام کررہی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو ۲۰۰۹ء میں قومی وملی مسائل کے حل کی نمائندہ تنظیم 'آل انڈیا مدرسہ کوآرڈی نیشن کمیٹی' دہلی کا کنوینر I ¯ یا گیا ہے۔

سوال:۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی حالیہ علمی، دینی وتبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ روشنی ڈالیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اپنے علمی، دینی اور تبلیغی کارناموں کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہے اور مقام مسرت ہے کہ اس کا دائرہ د + ودانش کے مختلف شعبوں میں روز افزوں اور ترقی پذیر ہے۔ جامعہ کا تعلیمی نظام مختلف شعبوں پر مشتمل ہے۔ درس نظامی کے ^ شعبۂ تقابل ادیان ہے، شعبۂ تخصیص فی الفقہ ہے، شعبۂ تربیت تدریس ہے، شعبۂ تربیت افتا ہے اور تمام شعبے متحرک وفعال ہیں جن کے حوصلہ افزا نتائج دن بدن سامنے آرہے ہیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ جامعہ کے ا ¯ ئے قد * اور حالیہ فارغین علمی فکری اور اخلاقی اعتبار سے اپنی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں سنّیت اور مصباحیت کا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ تعلیمی نظام کے علاوہ جامعہ میں مجلس شرعی ہے جس کا سالانہ فقہی سیمینار ہوتا ہے۔ سیمینار میں جدید فقہی مسائل پر اہل علم اور اہل افتاء مقالات پیش کرتے ہیں، گرما گرم بحثیں ہوتی ہیں اور اتفاق رائے سے مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ اب تک کامیاب سولہ سیمینار ہوچکے ہیں۔ حل شدہ مسائل کی تفصیل ماہنامہ اشرفیہ کے خصوصی شماروں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مقالات اور فیصلوں کی ترتیب واشاعت کا کام محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الد + رضوی صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ کی نگرانی میں بڑی تیزی کے ساتھ ہورہا ہے۔

آپ I بی واقف ہیں کہ اب تک اہل سنت کی درس گاہوں میں غیر اہل سنت کے مکتبوں کی مطبوعہ کتابیں دا 4 درس تھیں اور انہیں کے حواشی پڑھائے جاتے تھے جو پوری جماعت کے لیے شرم کی بات تھی بفضلہ تعالیٰ دیگر علمی امور کی طرح اس سمت میں I جامعہ اشرفیہ نے پیش رفت کی۔ امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی سرپرستی میں ''مجلس برکات'' کا قیام عمل میں آیا۔ علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کی نگرانی میں درسی کتابوں پر نظر ثانی اور اہل سنت کے حواشی کے

ساتھ اشاعتی سلسلہ شروع ہوا اور علمائے اہل سنت کے جدید وقد * حواشی کے ساتھ قریب قریب موجودہ مکمل نصاب منظر عام پر آ چکا ہے- عصری تقاضوں کے پیش نظر نئی کتابیں ٓ تصنیف و اشاعت کے دور سے گزر رہی ہیں- تنظیم المدارس کا قیام ٓ جامعہ اشرفیہ کا ایک اہم اقدام ہے- اس کا بنیادی مقصد ملک½ کے مدارس میں یکساں نظام و نصاب کو رواج دینا ہے- اسی کے تحت بدلتے حالات کے پیش نظر ایک نصاب تعلیم مرتب کیا گیا ہے جو امسال سے جامعہ اشرفیہ اور ملک کی دیگر درس گاہوں میں جاری ٓ ہو گیا ہے- تبلیغی میدان میں ٓ جامعہ اور اس کے فرزندوں کی خدمات بڑی اہم اور حوصلہ افزا ہیں- جامعہ اشرفیہ کی علمی، دینی اور تبلیغی خدمات کا ایک عالم معترف ہے- مزید تفصیل کا یہاں موقع نہیں-

سوال:- کیا الجامعۃ الاشرفیہ کو آج یہ C نے کی ضرورت ہے کہ وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اور سواد اعظم علمائے اہل سنت کے مسلک عشق و عرفان کا ترجمان ہے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- آپ کا یہ سوال تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کیا سورج کو یہ C نے کی ضرورت ہے کہ اس سے روشنی پھیلتی ہے- امام احمد رضا قدس سرہ اور اسلاف کے مسلک عشق و عرفان کی ترجمانی جامعہ اشرفیہ کا بنیادی مقصد ہے- ایک صدی کے دامن پر پھیلی ہوئی اس کی خدمات گواہ ہیں کہ اس نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے ملک عشق و عرفان کے لیے صرف نعرے نہیں لگائے اور نہ اس نے مسلک اعلیٰ حضرت کا استعمال اپنے مخفی مفادات کے تحفظ کے لیے کیا ہے- بلکہ رضویات کے حوالے سے جامعہ اشرفیہ اور فرزندان اشرفیہ نے مخلصانہ ٹھوس علمی خدمات انجام دی ہیں- فتاویٰ رضویہ جو امام احمد رضا کا سب سے اہم علمی اور قلمی شاہ کار ہے اس کی ترتیب و تحقیق اور اولین اشاعت کا کارنامہ جامعہ اشرفیہ ہی نے انجام دیا ہے- ایک بار حضور مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ الجامعۃ الاشرفیہ تشریف لائے، اساتذۂ اشرفیہ نے عرض کیا حضور! فتاویٰ رضویہ کی ترتیب و اشاعت ہونا چاہیے- حضور مفتی اعظم ہند نے ارشاد فرمایا اس اہم کام کے لیے آپ حضرات سے بہتر کون ہوگا- حضور مفتی اعظم ہند کے اس ارشاد کے ^ حضور حافظ ملت اور ان کے تلامذہ نے سنی دار الاشاعت قائم کیا- اور حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب نائب شیخ الحدیث

جامعہ اشرفیہ فتاوی رضویہ کی ترتیب و اشاعت میں لگ گئے- ان کے ^ جامعہ کے شیخ الحدیث dالعلوم مفتی عبد المنان اعظمی صاحب نے اس اہم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا- آج فتاویٰ رضویہ کی جو ۱۲ جلد , منظر عام پر ہیں ان میں سے اکثر جلدوں کی ترتیب و تحقیق اور اولین اشاعت کا کریڈٹ جامعہ اشرفیہ کو جاتا ہے- اس کے علاوہ جدُّ الممتار کی ترتیب و اشاعت، کنز الایمان اور حدائق بخشش پر نظر ثانی کا کام ٓ فرزندانِ اشرفیہ نے انجام دیا- بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان میں امام احمد رضا قدس سرُّ ہ کے تعارف میں جو کتابیں منظر عام پر آئیں ان میں ایک بڑا حصہ فرزندان اشرفیہ کا قلمی و فکری کارنامہ ہے- علامہ بدر الد + مصباحی، مولانا نسیم بستوی مصباحی، علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ یٰس اختر مصباحی اور علامہ عبد المبین نعمانی وغیرہ فرزندان اشرفیہ نے رضا شناسی کی تحریک میں کلیدی کردار ادا کیا- المیز ان ممبئی کا امام احمد رضا نمبر ٓ ایک مصباحی فرزند کا کارنامہ ہے، اور آج ٓ نئے فارغین میں جو رضویات کے حوالے سے کام ہو رہا ہے ان میں اکثریت مصباحی ارباب قلم کی ہے-

سوال:- کچھ عناصر الجامعۃ الاشرفیہ کی علمی قیادت، دینی خدمات اور مسلکی حمیت پر سوالیہ نشان کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ایسے افراد کے مقاصد کیا ہو سکتے ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- الجامعۃ الاشرفیہ کی علمی قیادت، دینی خدمت اور مسلکی حمایت شمس در کف حقیقت ہے- سورج پر گرد اڑانے سے سورج کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ گرد اڑانے والوں کے چہرے خود گرد آلود ہو جاتے ہیں- خلیفۂ صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا- ''جو اشرفیہ کی مخالفت کرے گا، ذلیل ہوگا، ذلیل ہوگا، ذلیل ہوگا-'' سوالیہ نشان کھڑے کرنے والے بے وقعت افراد ہیں، جن کی نہ علمی حیثیت ہے نہ سماجی عزت- ان کا مقصد جماعتی سطح پر کچھ مسائل کھڑے کر کے اپنی روٹیاں سینکنا ہے- ہم یہاں ان کا ذکر کر کے ان کی روزی روٹی پر لات نہیں مارنا چاہتے-

سوال:- آج سے تقریباً دو سال قبل تنظیم ا ئے اشرفیہ کی تجدید و احیا آپ کی قیادت میں عمل میں آئی، اس Ö قومی اور ملی سطح پر 1 سے بڑے بڑے مسائل سامنے

آئے مگران میں تنظیم ا ـــ ئے اشرفیہ کہیں أ نظر نہیں آئی، آخر کیوں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- تجدید واحیا نہیں، بلکہ عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی قیادت میں قیام عمل میں آیا- میری حیثیت ایک معمولی خادم کی ہے- جہاں تک کارکردگی کا سوال ہے، تنظیم اپنی بساط کے مطابق مسلسل سرگرم عمل ہے- وہ ہر اہم مسئلے پر آواز بلند کرتی رہی ہے- آپ کو اس کا علم نہیں حیرت ہے- تنظیم اپنے طے شدہ نشانوں پر عمل کے لیے کوشاں ہے- ا أ تک ہماری زیادہ توجہ ضلعی شاخوں کے قیام پر مرکوز رہی ہے- دہلی، کلکتہ اور ممبئی کے ^ پورے اتر پردیش میں ہم شاخوں کے قیام کا عمل تقریباً مکمل کر چکے ہیں- اب ملک کے دیگر صوبوں کی جانب پیش رفت کر رہے ہیں- شاید آپ جس انداز سے نظر آنے کی بات کر رہے ہیں اس سلسلے میں دو چیز , حائل ہیں- جماعتی افراد میں تنظیمی مزاج کا فقدان اور مسائل کے حل کے لیے وسائل کا فقدان- مگر ہم ما-س نہیں ہیں تنظیمی ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لیے دو سال کی مدت ہی کیا ہے- اس کے لیے ا أ برسوں درکار رہوں گے-

سوال:- تنظیم ا ـــ ئے اشرفیہ کے بینر تلے آپ کس طرح کے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس تنظیم کو فعال ـــ نے میں کس طرح کی رکاوٹیں درپیش ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- تنظیم ا ـــ ئے اشرفیہ کے اغراض ومقاصد طے شدہ ہیں- جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں- تنظیم کا بنیادی مقصد دعوت وتبلیغ اور د + وملت کی صاف وشفاف خدمت ورہنمائی ہے- جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں مل بیٹھ کر مسائل حل کرنے اور کاندھے سے کاندھا ملا کر آگے بڑھنے کا مزاج نہیں- اس سلسلے میں ہم مسلسل ذہن سازی کر رہے ہیں اور نئی نسلوں سے بڑی حد تک پرامید ہیں-

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں پیروں، خطیبوں، عرسوں اور مدرسوں کے لیے پیسہ خرچ کرنا تو ثواب سمجھتے ہیں اور قومی اور ملی مسائل کے لیے پیسہ خرچ کرنا عبث تصور کرتے ہیں- جب کہ غیر اہل سنت میں اس مد پر أ کثیر سرمایہ خرچ کرنے کا مزاج ہے- سب سے اہم مسئلہ ہمارے سامنے کثیر سرمایہ کا فقدان ہے-

سوال:- مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ سے اشتراک کے ساتھ یا انفرادی طور پر کیا تنظیم ا ـــ ئے اشرفیہ کو قابل قدر پیش رفت نہیں کرنی چاہیے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- تنظیم کو مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ سے اشتراک کی کوئی ضرورت نہیں- ان کا الگ پلیٹ فارم ہے اور ہمارا الگ، وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں اور ہم اپنے طور پر آگے بڑھنے کی جدوجہد کر رہے ہیں-

سوال (۷):- آپ کے زیر ادارت الجامعۃ الاشرفیہ کا علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ بڑی کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے- آپ اپنے تجربات کی روشنی میں C ئیں کہ ایک کامیاب رسالہ نکالنے کے لیے کس طرح کی صلاحیت اور محنت درکار ہے اور اس راہ میں کتنی دشواریاں درپیش ہوتی ہیں؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- بفضلہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ کا علمی ترجمان ماہنامہ اشرفیہ گزشتہ ۳۲ برس سے پوری پابندی کے ساتھ جاری ہے اور دن بدن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے- ایک کامیاب رسالہ نکالنے کے لیے قلمی صلاحیت، فکری، بلندی، بیدار مغزی، وسیع النظری کی ضرورت ہے- دینی اور علمی رسالہ نکالنے کے لیے ایک اچھے عالم ہونے کے ساتھ ضروری ہے کہ اس کی نظر بساطِ سیاست اور ملی مسائل پر أ گہری ہو- صحافت انتہائی دشوار رہ گزر ہے- ہر ماہ قارئین کو دل ودماغ کا تازہ خون دینا پڑتا ہے- مذہبی رسائل کو اشتہار أ نہیں ملتے- غیر شرعی اشتہارات سے وہ خود گریزاں رہتے ہیں اس لیے سب سے اہم مسئلہ سرمایہ کی قلت کا ہوتا ہے- اسی وجہ سے اکثر رسائل وجرائد بند ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس ڈگر پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے-

حضرت حافظ ملت فرماتے تھے- ''سب سے آسان کام تقریر، اس سے مشکل تدریس اور سب سے مشکل تحریر ہے'' اور ظاہر سی بات ہے کہ پرنٹ میڈیا تحریر وقلم ہی سے عبارت ہے- اس لیے صحافت انتہائی مشکل میدان ہے- جو لوگ اس راہ میں کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں وہ قابلِ مبارک باد ہیں-

سوال:- ا ـــ ئے اشرفیہ، الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حافظ ملت مولانا عبدالعزیز

محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سربراہ اعلیٰ مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ کی امیدوں پر کتنے اتر رہے ہیں- یعنی آپ اپنے آ سے کتنے مطمئن اور پرامید , ؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- حضور حافظ ملت اس عالم میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ وہ اپنے تلامذہ سے خوش تھے- حضرت عزیز ملت کی امیدوں پر آ ئے اشرفیہ کتنے پورے اتر رہے ہیں یہ سوال آپ ان ہی سے کر , ویسے مجموعی اعتبار سے جامعہ اشرفیہ اپنے فرزندوں سے مطمئن اور پرامید ہے- اس لیے کہ فرزندانِ اشرفیہ کی اکثریت جامعہ کی وفادار ہے اور وہ ملک و ںون ملک میں د + ودانش کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں- اور یہی حضرت عزیز ملت کی شب و روز محنت کا مقصد آ ہے- جہاں تک غداروں کی بات ہے تو وہ کم وبیش ہر جماعت میں ہوتے ہیں-

سوال:- جماعت اہل سنت میں اتحاد و اتفاق وقت کی ضرورت ہے- آپ فرمائیں کہ اس کار عظیم کو کیسے کیا جائے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- حافظ ملت فرماتے تھے: ''اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت'' یہ تو سچ ہے کہ آج جماعت میں انتشار ہے مگر اس انتشار کی بنیاد اخلاص کا فقدان، اور اپنے اپنے مخفی مفادات کا تحفظ ہے- ہر شخص صف اول میں رہنا چاہتا ہے- اگر اخلاص ہو اور ہر شخص دوسری صف میں کھڑے ہونے کے لیے تیار ہو جائے تو یہ انتشار بڑی حد تک ختم ہو سکتا ہے، مگر واضح رہے کہ اس انتشار میں ملوث کم لوگ ہیں- اکثریت آج آ فکری اور عملی اعتبار سے متحد ہے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف عمل ہے دراصل oo% لوگ اس فطرت کے ہوتے ہیں کہ دینی اور جماعتی فلاح و بہبود کے لیے نہ خود کچھ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں- حالیہ انتشار کے تعلق سے ایک بزرگ سے میں نے اپنے درد کا ذکر کیا تو بڑی سنجیدگی سے انہوں نے جواب دیا کہ اس قسم کے سازشی ذہن رکھنے والوں سے گفتگو کے ذریعہ اتفاق کی کوئی امید نہیں بس اتحاد کی ایک ہی صورت ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ انہیں اخلاص و ہدایت عطا فرما دے یا انہیں زمین سے اٹھا لے-

سوال :- ملی قیادت کی سطح پر ہماری نمائندگی کیسے ہو؟ کیا دشواریاں ہیں اس راہ کی

اور آپ کی نظر میں ان کا حل کیا ہے؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- ملی قیادت کے حوالے سے جہاں تک ہماری نمائندگی کا سوال ہے تو آزادی سے پہلے علمائے اہل سنت کی نمائندگی 1/2 پور تھی خاص طور پر انقلاب ۱۸۵۷ء میں علمائے اہل سنت ہی ہر محاذ پر پیش پیش رہے مگر آزادی کے ^ اکثر باصلاحیت افراد پاکستان منتقل ہو گئے- جو a وہ اپنے مدارس، اپنی خانقاہوں اور اپنے مذہب کے تحفظ میں لگ گئے- عام طور پر ملی اور سیاسی میدانوں سے علمائے اہل سنت کنارہ کش رہے، انفرادی طور پر جو ملی سیاست میں آئے انہوں نے جماعت کی نمائندگی کم اور پارٹیوں کی وفاداری زیادہ کی اور اس سلسلے میں غیر اہل سنت کے سیاسی علما آ مبرّا نہیں- اس جمہوری دور میں ملی قیادت کی نمائندگی کے لیے تنظیمی ڈھانچہ ضروری ہے جب تک مضبوط تنظیمی پلیٹ فارم نہیں ہوگا ملی قیادت کی سطح پر ہماری 1/2 پور نمائندگی کا فقدان رہے گا-

سوال:- ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

مولانا مبارک حسین مصباحی:- جام نور کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں اور قارئین سے گزارش ہے کہ جام نور کو مشائخ اہل سنت کی سرپرستی حاصل ہے- یہ ملت کا بے باک ترجمان ہے- اس میں حدیث و قرآن اور فقہ کے حوالے سے اہم مضامین ہوتے ہیں، اصلاح امت کا سامان آ ہوتا ہے- اس کو خرید کر پڑھنا اور دوسروں تک پہنچانا باعث اجر و ثواب ہے-❑❑❑

(شمارہ مئی ۲۰۰۹ء)

مفتی محمد خان قادری

سربراہ: جامعہ اسلامیہ، لاہور، پاکستان

نئے عہد میں مذہب کی قد * روایت کو اس کے جدید تقاضوں کے ساتھ پیش کرنے کے لیے جن جواں عزم ہستیوں نے قدم بڑھایا ان میں مفتی محمد خاں قادری کا نام احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے- آپ جہاں ایک باصلاحیت عالم د + اور مفتی وفقیہ ہیں وہیں ایک روشن خیال دانشور اور محقق Ì ہیں- ۱۹۴۹ء میں ضلع نارووال (پاکستان) میں پیدا ہوئے، مڈل تک اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے ^ دینی علم کی تحصیل میں مصروف ہوئے، حفظ قرآن کے ^ درس نظامیہ کا آغاز کیا- مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا احمد اشرف سیالوی کے زیر سایہ ۱۹۶۷ء میں اپنی تعلیم مکمل کی، سالہا سال تک روایتی تدریس وتقریر کے ^ دور جدید کے تقا 2 کی تکمیل اور قد * وجدید علوم کی اشاعت کے لیے پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ساتھ مل کر مدرسہ منہاج القرآن قائم کیا، مگر اپنی دانست میں مشن کو ناکام ہوتا دیکھ کر ۱۹۹۱ء میں اس سے الگ ہوگئے، پھر اپنی ذاتی کوششوں سے جامعہ اسلامیہ لاہور کی بنیاد رکھی جہاں نئی نسل کی بہتر تعلیم وتربیت کا کام اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے- اس وقت آپ کا شمار پاکستان کے چند معتبر اور سرکردہ علما میں ہوتا ہے- آپ درجنوں علمی وتحقیقی کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں، معاشرے کی اصلاح، قد * وجدید میں ہم آہنگی اور اعتدال اور تعمیری لٹریچر کی اشاعت آپ کی زندگی کا مشن ہے اور آپ اس کے لیے مسلسل کوشاں ہیں- آپ کی زیر نگرانی علمی، فکری اور قلمی تربیت پانے والے 1 سے تلامذہ آپ کے اسی مشن پر کام کر رہے ہیں، جن علمی وقلمی کاوشیں مختلف شکلوں میں منظر عام پر آرہی ہیں-

مولانا منشا تابش قصوری

استاذ: جامعہ نظامیہ، لاہور، پاکستان

د- بندی جماعت کے اکابر کی متنازع عبارتوں کو ہندو پاک کی جن معتبر شخصیتوں نے عوام کی عدالت میں پیش کیا ان میں مولانا منشا تابش قصوری کی شخصیت Ì ایک نمایاں مقام رکھتی ہے- ''دعوت فکر'' آپ کا وہ معروف ومقبول رسالہ ہے جس نے اکابر د- بند کی کتابوں کی تقریباً سبھی متنازع عبارتوں کا عکس ایک ساتھ عوام وخواص کے سامنے پیش کر دیا اور بمصداق ''آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا'' دن کے اجالے میں ان عبارتوں کی حقیقت بے حجاب ہوگئی- اس سلسلے کی عالمی شہرت کی حامل کتاب ''زلزلہ'' کی پاکستان میں اولین اشاعت کا سہرا Ì آپ ہی کے سر جاتا ہے- آپ تقسیم وطن سے ۳/سال قبل ۱۹۴۴ء میں ہری ہر ضلع قصور (حالیہ پاکستان) میں پیدا ہوئے- میٹرک کے ^ دینی تعلیم کی طرف مائل ہوئے، ۱۹۶۳ء سے تعلیمی فراغت کے ^ مختلف انداز میں خدمت د + سے وابستہ ہیں- مرکزی مجلس رضا لاہور اور رضا اکیڈمی لاہور کی اشاعتی سرگرمیوں میں Ì آپ کا خاصا علمی تعاون ہے- آپ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں شعبۂ فارسی کے استاد اور شعبۂ نشر واشاعت کے ناظم ہیں- اس کے علاوہ کئی دینی، علمی، اشاعتی اور اصلاحی تنظیموں، تحریکوں اور اداروں سے منسلک ہیں- ترجمے، ترتیب وتدو + اور تصنیف وتالیف کے حوالے سے آپ کے متعدد کام ہیں، جن میں موطا امام مالک کا اردو ترجمہ، میلاد النبی کا انقلاب آفر , پیغام، تذکرۃ الصد& اور مطالب القرآن آپ کی اہم قلمی کاوشیں ہیں- دعوت وتبلیغ کے جدید تقاضوں کے حوالے سے مذکورہ دونوں علما سے مشترکہ انٹرو- لیا گیا ہے، جو اپنی حیثیت میں منفرد Ì ہے اور دل چسپ Ì -

سوال:-تصنیف وتالیف سے آپ کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے، آپ C ئیں کہ آج کے ماحول میں کس طرح کی کتابوں کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے؟

مفتی محمد خان قادری:-لٹریچر کی ضرورت تو ہر دور میں رہی ہے، آج آ ہے، لیکن ہر دور کے جداگانہ تقا 2 ہوتے ہیں، مختلف ضرورتیں ہوتی ہیں- آج ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کون سی زبانیں زیادہ رائج ہیں، کس کو لوگ زیادہ بولتے اور پڑھتے لکھتے ہیں- ہمارے یہاں جو زبانیں بولی جاتی ہیں مثلاً اردو، پشتو، ساحلی، ہندی ان میں زیادہ سے زیادہ صالح لٹریچر کی ضرورت ہے، پھر ہمیں یہ آ دیکھنا چاہیے کہ اہم موضوعات اور ایشوز کیا ہیں، ہمیں اہم موضوعات ہی پر قلم اٹھانا چاہیے، صرف رسم نبھانے کے لیے نہیں لکھنا چاہیے، مثلاً آج ایک سلگتا موضوع جہاد اور دہشت گردی ہے، اس پہ لکھا جائے- اسی طرح امت کے مستقبل کے حوالے سے ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ہمارے اہل قلم کو ادھر آ متوجہ ہونا چاہیے-

مولانا منشا تابش قصوری:-ماشاء اللہ! حضرت صاحب زادہ خوشتر نورانی صاحب! آپ نے جدید دور کے تقا 2 کے مطابق تصنیف وتالیف سے متعلق سوال کیا- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**تلک الایام نداولھا بین الناس**" اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دور میں انقلاب ہو، کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت میں آ انقلاب آنا چاہیے- آج ضرورت ہے کہ خاص طور سے جدید طبقے کو ایسا مواد , کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں اور انہیں اسلام سے رغبت ہو-

سوال:-میرا مطلب تھا کہ کس طرح کے موضوعات پر اس وقت ہمارے مصنفین کو کتاب لکھنے کی ضرورت ہے؟ ہمیں آج مسلم معاشرے کو کیا دینا چاہیے؟

مولانا منشا تابش قصوری:-ہمیں اس وقت اصلاح معاشرہ کی جانب زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، معاشرہ دن بدن بگڑتا جا رہا ہے، الحاد و دہریت بڑھتی جا رہی ہے، اسے روکنے کے لیے زبان وقلم کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہونا چاہیے، معاشرے کی اصلاح میں علما کی آ تربیت ہونی چاہیے، آج نئے علما جو فارغ ہو کر آ رہے ہیں ان کی دعوتی تربیت نہیں

رہتی اور اصلاح و دعوت میں وہ ناکام نظر آتے ہیں- فراغت کے ^ نئے طلبہ جو تحریر، تدریس یا تقریر کے میدان میں آتے ہیں ہم انہیں دیکھتے ہیں کہ جتنا انہیں پڑھایا گیا رہتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھتے اور وہ اس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ الحاد و دہریت اور فحاشی کے موجودہ سیلاب کے خلاف کھل کر لکھ یا بول سکیں- آج ایسی فکر کو زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے جس میں اپنی اصلاح کے ساتھ قوم وملت کی خدمت کرنے اور اصلاح کرنے کے جذبے کو فروغ دیا جائے- ایسے ہی آج سیرت، اخلاقیات اور معیشت پر آ کتابیں لکھنے کی بڑی سخت ضرورت ہے-

سوال:-آج دعوت واصلاح کے لیے کس قسم کے اسلوب کو آپ زیادہ مفید سمجھتے ہیں؟

مفتی محمد خان قادری:-دعوت واصلاح کا جو اسلوب قرآن وسنت نے متعین کیا ہے، اس سے بہتر کوئی اسلوب نہیں ہوسکتا- اس لیے ضرورت ہے کہ ہم پہلے دعوت کے قرآنی اسلوب کو سمجھیں، ہم میں جو لوگ مبلغ بنتے ہیں، 1 ایسا ہوتا ہے کہ خود انہیں معروف ومنکر میں تمیز نہیں ہوتی- ارشاد باری " **ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر**" کے تحت امام رازی نے بڑی نفیس گفتگو کی ہے- مبلغین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، ہمارے درمیان جو واعظ کہلانے والے لوگ ہیں ان میں بیشتر مبلغ نہیں ہیں اور جو مبلغ ہیں ان میں صفات تبلیغ یا شرائط تبلیغ نہیں پائی جاتی-

سوال:-یہ کوئی نئی بات نہیں، پچھلے پچاس سالوں میں برصغیر میں جو خاص طور پر اردو میں لکھا گیا ہے، اس میں بے پناہ شدت ہے، رد میں آ اور دعوت میں آ - آخر ہمارے یہاں حکمت کے تقاضوں سے اس قدر گریز کیوں ہیں؟

مفتی محمد خان قادری:-حدیث قدسی ہے "**سبقت رحمتی غضبی**" میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے- اس طرح قرآن میں آ جہاں عذاب اور قہر وغضب کا ذکر ہے وہاں خدا کی بے پناہ رحمتوں کا ذکر ہے- " **عذابی اصیب بمن اشاء و رحمتی وسعت کل شیء**" میرا عذاب اس کو پہنچتا ہے جس کو میں چاہوں اور میری رحمت ہر شئ

سے بڑھ کر ہے- سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں أ رحمت کا غلبہ ہے، اس لیے جو أ اس راستے پر نہیں ہے اس کو اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی چاہیے-

سوال:- یعنی آپ اس اسلوب کے قائل بالکل نہیں ہیں؟

مفتی محمد خان قادری:- یہ کوئی اسلوب ہی نہیں، میں اسے اسلوب کیوں کہوں؟

مولانا منشا تابش قصوری:- اس کے لیے سب سے پہلے اپنے ماحول کا جائزہ لینا چاہیے، اگر ماحول انتہائی درجہ بگڑ چکا ہے تو اس کے لیے انتہائی نرم لب ولہجہ اختیار کرنا چاہیے اور جہاں ملے جلے فرقے ہیں وہاں مخالف فرقوں کا أ دھیان رکھنا چاہیے کہ ہم انہیں تبدیل کیسے کر سکتے ہیں، اگر کوئی غیر مسلم یہودی یا عیسائی اپنے مذہب سے تائب ہو کر اسلام قبول کرتا ہے تو اس کا تو ہم استقبال کرتے ہیں، خوب خوب آؤ بھگت کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی بدعقیدہ اپنی بدعقیدگی سے تائب ہوتا ہے تو ہم صحیح طور سے اس کی عزت نہیں کرتے، اسے اپنے درمیان مناسب جگہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا قیام الد + عبد الباری فرنگی محلی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا ہمیں أ وہی طریقہ اپنانا چاہیے-

سوال:- ہم دیکھتے ہیں کہ علماے اہل سنت کی تحریروں میں بے پناہ تشدد ہے، گزشتہ پچاس برسوں کا جائزہ لیجیے تو اردو کے اندر رد میں صرف زلزلہ ایسی کتاب نظر آئے گی جس میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے سنجیدہ اور معقول اسلوب اختیار کیا، جس کی وجہ سے اسے عالمی سطح پر مقبولیت ملی، ورنہ ایسا لگتا ہے کہ تشدد ہماری شناخت ہی بن گئی ہے؟

مولانا منشا تابش قصوری:- واقعی علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ایک منفرد اسلوب اختیار فرمایا اور تشدد سے مکمل گریز کیا، اس کا اتنا مثبت نتیجہ سامنے آیا کہ ''زلزلہ'' کے رد میں بیسیوں کتابیں سامنے آئیں مگر کسی سے اس کا صحیح جواب نہیں بن سکا اور یہ ایسی سچائی ہے جس کا اعتراف خود ہماری مخالف جماعت کو أ ہے- یہاں علامہ نے ایک طرح سے ہمیں یہ سبق أ دیا اور یہ فکر أ دی ہے کہ آج ہمیں مثبت انداز میں اپنی فکر کو عام کرنا چاہیے، مگر افسوس کہ آج أ جو پاکستان میں کتابیں آرہی ہیں ان میں بالعموم روایتی تشدد ہے،

جو مسلکی حوالے سے مفید نہیں ہے-

سوال:- %٥٥ حلقوں سے آج یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ اب تردید وتنقید کا دور نہیں رہا، صرف سادے انداز میں اپنے ا° رونظریات کی اشاعت ہونی چاہیے، رد کا کام أ اسی سے ہو جائے گا- آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے؟

مفتی محمد خان قادری:- تنقید تو خود قرآن نے کی ہے، اس لیے تنقید کرنے میں آج أ کوئی حرج نہیں، لیکن تنقید برائے تنقیص نہ ہو، اس لیے جو آدمی کسی چیز پر تنقید کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ اس کا متبادل دے، صرف تنقید سے تو کام نہیں چلنے کو ہے- معاشرے محاسبے سے بدلتے ہیں، تنقید سے نہیں، اس لیے آدمی کو دوسرے پر تنقید کرنے کے ساتھ خود اپنا محاسبہ أ کرنا چاہیے، تنقید کا معنی اگر صرف یہ لیا جائے کہ آدمی دوسرے کو سخت وسست کہہ لے تو یہ کوئی بات نہیں ہوئی، اس میں علمی پہلو اس قدر ہونا چاہیے کہ مخالف اسے پڑھ کر محسوس کرے کہ مجھ سے واقعی علمی یا فکری طور پر غلطی ہوئی ہے، ایسی تنقید صرف تنقید نہیں ہوتی وہ ایک طرح کا مثبت عمل ہوتی ہے-

سوال:- تحریر میں ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کا رد کیا جاتا ہے اور دوسرا یہ ہوتا ہے کہ صرف اپنی بات پیش کر دی جاتی ہے، کسی کا رد نہیں کیا جاتا- آپ ان دونوں میں کس کو زیادہ مضبوط ومستحکم اور بہتر سمجھتے ہیں؟

مفتی محمد خان قادری:- اصل میں دیکھنا چاہیے کہ ضرورت کیا ہے، لیکن یہ تو اٹل بات ہے کہ آپ اگر کسی معاملے میں اختلاف أ رکھتے ہیں تو پہلے مثبت انداز میں اس معاملے کو پیش کر , ، اس کے لیے پہلے ضروری یہ ہوتا ہے کہ آپ خود سمجھیں کہ وہ معاملہ کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اختلافی گفتگو کرتے ہیں وہ خود یہ نہیں سمجھتے کہ آخر اختلاف ہے کیا؟

مولانا منشا تابش قصوری:- ہاں! یہ بالکل صحیح ہے، تشدد کو روکا ہی جانا چاہیے- اللہ رب العزت کا فرمان ہے '' **ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ**'' یعنی دعوت کے لیے حکمت عملی کو اپناؤ، اس کی پہلے أ ضرورت رہی اور آج أ ہے- صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ سے ہمیں حکمت کو اپنانے کا سبق ملتا ہے، آدمی پر جب ابتلا

اورآزمائش کا دورآئے تو اسے اس رخ کو Ì اختیار کرنا چاہیے اور آج ہم پر یہ وقت آچکا ہے کہ رد کے Oئے اپنی بات کو مثبت انداز میں پیش کیا جائے-

سوال :-ہندو پاک کی علمی، قلمی اور تصنیفی سرگرمیوں میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

مفتی محمد خان قادری:- اس حوالے سے میں نے زیادہ کبھی غور نہیں کیا، تاہم میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کے مقا » میں پاکستان میں زیادہ کتابیں لکھی اور شائع کی جاتی ہیں-

مولانا منشا تابش قصوری:- دیکھیے! ہندوستان میں Ì کام اچھا ہو رہا ہے، مگر وہاں انفرادی طور پر ہو رہا ہے، اجتماعی طور پر نہیں ہو رہا ہے- الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین نے اچھا کام کیا ہے اور کر رہے ہیں، ان کے قلم میں طاقت ہے، وہ مثبت انداز میں تحریری کام کرتے رہیں تو 1 اچھا کر سکتے ہیں- ہندوستان کے اندر موضوعاتی تنوع Ì نہیں ہے، بس وہی پرانے رسائل، بزرگوں کے عقیدے، گیارہو , اور بارہو , کے اثبات، یہ وہ موضوعات ہیں جن میں ہمارے مخالفین نے ہمیں الجھا دیا ہے اور ہم ان میں الجھ کر اپنے دیگر ا ° رکو مثبت انداز میں پیش نہیں کر پا رہے ہیں- پاکستان میں اختلاف پر Ì 1 سی کتابیں آئیں ہیں، لیکن دیگر نئے موضوعات کی طرف ہمارے پاکستانی اہل قلم تیزی سے رخ کر رہے ہیں- یہاں اجتماعی طور سے کام ہو رہا ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں جیسا ہونا چاہیے ویسا Ì پاکستان میں Ì نہیں ہو رہا ہے-

سوال :-آپ ایک طویل تدریسی تجربہ رکھتے ہیں، اس کی روشنی میں Cئیں کہ آج طریقۂ تدریس اور نصاب تعلیم میں کس قسم کی تبدیلی ہونی چاہیے؟

مفتی محمد خان قادری:- ہاں! نصاب کے تعلق سے تو ذہن نہایت واضح ہونا چاہیے، اس کے کچھ اصول ہوتے ہیں، ہم نے غلطی سے کتابوں کے نام کو نصاب سمجھ رکھا ہے، حالانکہ جو کتابیں مثلاً ہندوستان میں لکھی گئیں وہ دوسرے ملکوں میں تو نہیں پڑھائی جاتیں، نصاب تو دراصل کسی خاص مقصد کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے، کتابیں اس کے لیے

معاون ہوتی ہیں- اب نصاب میں ایک بار جن کتابوں کو شامل کر لیا گیا انہی کے ساتھ چمٹے رہنا بالکل غلط ہے- طلبہ کو نحو وصرف آجائے، عربی ادب آجائے، فقہ، حدیث اور اصول سے آگاہ ہو جائیں، یہ مقصد ہے- یہ مقصد تو نہیں کہ ان کو عبارات میں الجھائے رکھیں، گزشتہ دنوں اصول حدیث پر ایک بڑی اچھی کتاب آئی ہے" **تیسیر مصطلح الحدیث**" یہ ڈاکٹر محمود الطحاوی کی ہے، جو غالباً دمشق کے ہیں- کوئی مدرسہ ایسا شاید اب ہمارے یہاں نہ ہو جس میں یہ کتاب شامل نہ ہو، حتیٰ کہ پچھلے دنوں تنظیم المدارس کے نصاب میں Ì میں نے اسے شامل کرایا- اس سے پہلے اصول حدیث میں "**شرح نخبة الفكر**" پڑھائی جاتی تھی، جو طلبہ کی سمجھ سے بالاتر ہے- اسی طرح اصول فقہ میں "اصول الشاشی" پڑھائی جاتی ہے، جو ایک مشکل تر + کتاب ہے، اس سے پہلے اردو میں کوئی نہ کوئی کتاب پڑھائی جانی چاہیے- اب میں درمیان میں عرض کروں کہ جو مشکل کتابیں ہمارے یہاں پڑھائی جاتی ہیں مثلاً اصول الشاشی، نور الانوار، حسامی، مسلم الثبوت، توضیح وتلویح، ان سب میں جو چار مباحث ہیں، کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس- ان میں جب کتاب اللہ تک پہنچتے ہیں تو سال ختم ہو جاتا ہے، حکم کس کو کہتے ہیں، حکم کے اقسام کیا ہیں، یہ a سمجھ نہیں پاتے ہیں، حتی کہ بچوں سے اگر پوچھ لیا جائے کہ حاکم کون ہے؟ تو ممکن ہے کہ وہ دو چار منٹ رک کر کہیں اللہ، حالانکہ یہ تو ابتدائی چیز , ہیں- ایسی ہی "الفوز الکبیر" تفسیر کی ایک مشکل تر + کتاب ہے، حالانکہ اس کو پڑھنے کے ^ آدمی باقی دوسری کتابوں کو پڑھ لے تو اس کے ^ شاہ صاحب کی بات سمجھ میں آتی ہے، اس لیے اصول تفسیر میں Ì کوئی ابتدائی کتاب ہونی چاہیے-

سوال:-مطلب یہ کہ آپ جزوی تبدیلی کے قائل ہیں!

مفتی محمد خان قادری:- جزوی نہیں، میں تو کلی تبدیلی کا خواہاں ہوں، میں تو کہتا ہوں کہ دس دس بیس بیس پرانی کتابیں آپ کیوں پڑھاتے ہیں؟ ہر موضوع پر بہتر + جدید کتابیں آگئی ہیں- انہیں پڑھانے میں ہمارے لیے کون سی شرعی قباحت ہے؟ مولانا! نصاب کے حوالے سے ہمیں بڑے کھلے ذہن سے بیٹھنا چاہیے-

سوال:-تو آخر کیا بات ہے کہ فن کی جدید کتابوں کی طرف ہمارے ذمہ داروں کی نظر نہیں ہوتی ہے، آخر اب تک درس نظامیہ میں تبدیلی کے لیے ہم کیوں نہیں تیار ہوئے؟ یہاں پر اَ اور ہندوستان میں اَ -

مفتی محمد خان قادری:-درس نظامیہ تو ایک نام پڑ گیا ہے، یہ تو ایک اصطلاح ہے، ہم چاہیں تو اس نام کو اَ بدل سکتے ہیں- اب ملا نظام الد + نے اپنے دور کی ضروریات کو سامنے رکھ کر ایک نصاب مرتب کیا، ہمیں اَ چاہیے کہ اپنے دور کی ضروریات کے پیش نظر بہتر سے بہتر نصاب مرتب کر , اور جہاں تک تبدیلی کی بات ہے تو یہ تو تھوڑی 1 ہو ہی چکی ہے، جو تبدیلی کے بالکل مخالف ہیں وہ اَ کر چکے ہیں، لیکن یہ سب کچھ غیر شعوری طور پر ہوا ہے، آج عقل وشعور کو کام میں لاتے ہوئے سنجیدہ طور سے نصاب پر غور کرنا چاہیے-

مولانا منشا تابش قصوری:-تبدیلی کی 3/4 حال ضرورت ہے، پاکستان میں اس سلسلے میں پیش رفت اَ ہوئی ہے، مگر ہندوستان میں اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی، میری معلومات کے مطابق وہاں حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اور کچھ علما نے توجہ فرمائی تھی اور ابتدائی درجات کے لیے ''لسان الفردوس'' کی ترتیب دی تھی، مگر اس سیریز کو وہ آگے نہ بڑھا سکے، غالباً ارباب مدارس نے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہوگی- آج اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ مختلف فنون پر مشتمل نئی ترتیب کے ساتھ مدارس کا نصاب تیار کیا جائے، جو عصری تقاضوں کو پورا کر سکے-

سوال:-ہندو پاک کے علما کے مابین آج ایک وسیع خلیج پائی جاتی ہے- آپ کی نظر میں اس کو پاٹنے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

مفتی محمد خان قادری:-میرے ذہن میں تو یہ آتا ہے کہ اسلام کا جو روحانی تصور ہے وہ کسی حدود و قیود کا پابند نہیں ہے، مسلمان خواہ ہندوستان میں رہے یا پاکستان میں، لیکن ہمارے درمیان آپس میں ایک مضبوط روحانی رشتہ ہے، جو مذہب کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے، اس حیثیت سے ہم آپس میں جڑے ہوئے ہیں، ورنہ میں تو مخلوق خدا کا قائل ہوں کہ مخلوق کے اعتبار سے ہمارے رشتے اور وحدتیں 1 بلند ہیں- اصل میں مسئلہ کشمیر کی وجہ

سے جو دونوں ملکوں میں سیاسی اختلاف ہے اس کی وجہ سے 1 سی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں، مذہبی لوگ اَ اس کی وجہ سے مل نہیں پا رہے ہیں، سیاسی حضرات مذاکرات کے ذریعے آپسی روابط کو بڑھا رہے ہیں، اسی طرح ہمیں اَ قدم اٹھانا چاہیے اور خاص طور سے علما کو یہ کام زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے-

مولانا منشا تابش قصوری:-اس کے لیے اللہ کا فرمان'' **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا**'' خدا کی رسی مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو، ہماری بہتر + رہنمائی کرتا ہے، یہ اہل ایمان کے لیے حکم ہے، وہ جس ملک کے اَ رہنے والے ہوں انہیں اس پر عمل کرنا چاہیے- رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد'' **کل مومن کنفس واحدۃ**'' (ہر مسلمان ایک جان ہیں) اَ ہمارے پیش نظر ہونا چاہیے- مطلب یہ کہ مسلمان کہیں کا اَ ہو وہ مسلمان ہے، اسے دوسرے مسلمان کے دکھ درد کو یکساں محسوس کرنا چاہیے اور غم وخوشی میں شریک رہنا چاہیے، سرحد کی لکیر , ہمارے ملک کو بانٹتی ہیں لیکن وہ ہمارے روحانی رشتے کو ختم نہیں کر سکتیں-

سوال:-''سیاست میں علما کی شرکت'' موجودہ دور کا ایک اہم موضوع C ہے، اس بارے میں آپ کا اپنا نقطۂ نظر کیا ہے؟

مفتی محمد خان قادری:-جہاں تک میں سمجھتا ہوں سیاست اَ ایک خدمت ہے- قوم کی اَ اورد + کی اَ ،لیکن یہ جو موجودہ سیاست ہے اس کے تقا 2 بڑے عجیب سے ہیں، اس کے لیے 1 سی دولت چاہیے اور اچھے روابط اَ ہونے چاہیے، اس میں آج وہ کام کرنا پڑتا ہے جو غنڈے اور بدمعاش کیا کرتے ہیں، تاہم علما کو یہ بات ضرور سامنے رکھنی چاہیے کہ اقتدار پر ہمیں نیک لوگوں کو لانا ہے، لیکن اس کے جو تقا 2 ہیں ان میں پہلا افراد کی تیاری کرنا ہے- ایسے افراد ہوں جو ملک کی باگ ڈور کو ہاتھ میں لے کر صحیح طور سے اسے چلا سکیں، ان کو تیار کرنے کے لیے آج تک کسی نے نہیں سوچا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہتر نظام قائم ہو تو اس کے لیے اچھے افراد تیار کرنے ہوں گے، اگر آپ کے پاس اچھے افراد ہوں تو آپ ضرور لائیں کیوں کہ پورے عالم اسلام پر آپ نظر ڈالیں تو اچھے لوگ حکمراں

نہیں ہیں، اس لیے یہ راستہ خالی چھوڑ دینا تو کوئی دانش مندی نہیں ہے، اگر اقتدار حاصل کرنا مشکل ہے تو کم از کم سیاست پر ہمارا اتنا اثر تو ضرور ہونا چاہیے کہ جو انسانی اصول اور اقدار ہیں ان کے خلاف کوئی قانون پاس نہ ہو سکے۔

مولانا منشا تابش قصوری:۔ سیاست میں علما کو شامل ہونا چاہیے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے ہمیں اس کا سبق دیا ہے کہ مذہب و شریعت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ مرکز اقتدار تک ہماری رسائی ہو۔ مثال کے طور پر ہندوستان کی پارلیمنٹ میں آپ کے نمائندے نہیں ہوں گے تو آپ کی بات وہاں تک کیسے پہنچے گی، آپ باہر رہ کر تو وہ کام کر نہیں سکتے، اس لیے علما اگر مذہب کے لیے سیاست کر , ، ذاتی مفادات کے لیے سیاست نہ کر , تو اس کا بڑا فائدہ ہوگا، ورنہ ــل اقبال.....ع

جدا ہود , سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

سوال:۔ پاکستان ایک اکثریتی سنی ملک ہے، لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی طرح یہاں کے سنی حضرات آ ملی اور سیاسی مسائل میں جماعت اسلامی کے بالمقابل 1 پیچھے نظر آتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

مفتی محمد خان قادری:۔ نہیں میں یہ نہیں مانتا، جماعت اسلامی کے افراد ہی دو چار سو ہیں تو وہ منظّم رہیں گے ہی اور سنی جو لاکھوں کروڑوں ہیں تو اب آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ سب ایک ہی پلیٹ فارم پر نظر آئیں۔ پیپلز پارٹی میں آ وہ نظر آئیں گے، وہ مسلم لیگ میں آ نظر آئیں گے اور دیگر تنظیموں اور تحریکوں میں آ ان کی شمولیت ہوگی، لیکن اگر کسی فرقے کے افراد تعداد میں کم ہیں تو ان کا متحد رہنا آسان ہوتا ہے، یہی حال جماعت اسلامی کے ساتھ آ ہے۔

ســـــوال:۔ لٹریچر کے حوالے سے کافی انہوں نے کام کیا ہے اور اس کی وجہ سے پڑھے لکھے طبقے میں ان کے اثرات کافی دکھائی دیتے ہیں؟

مفتی محمد خان قادری:۔ انہوں نے دراصل اردو اور انگریزی زبانوں میں کافی کام کیا ہے، جو زبانیں برصغیر میں بڑے پیمانے پر بولی اور سمجھی جاتی ہیں اس لیے میں یہ بات پہلے

آ عرض کر چکا ہوں کہ اہل سنت کو آ مختلف عصری موضوعات پر ان میں اپنا لٹریچر قوم کو مہیا کرنا چاہیے، کیوں کہ ہمارے یہاں جسے تعلیم یافتہ طبقہ کہا جاتا ہے وہ ظاہر ہے عربی تو پڑھ نہیں سکتا، اس لیے جماعت اسلامی نے ان دونوں میں خوب کام کیا جس کا اسے 1/2 پور فائدہ ملا۔ ہمیں آ تعلیم یافتہ طبقہ کے فکر و مزاج کو سامنے رکھ کر تحریری میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی طرف اپنے لوگ کافی متوجہ آ ہیں اور اپنے طور پر کچھ کر آ رہے ہیں۔ پہلے کے بہ نسبت ماشاءاللہ بہتر کام ہو رہا ہے۔

مولانا منشا تابش قصوری:۔ بات دراصل یہ ہے کہ ۔ں تو پوری دنیا میں سنی اکثریت میں ہیں، لیکن ہمارے آپسی انتشار نے ہمیں اور ہماری صلاحیتوں کو منقسم کر دیا ہے، پھر ایک چیز یہ آ دیکھنے میں آتی ہے کہ ہمارے لوگوں کو کہیں بلایا جاتا ہے تو وہ ایسی جگہوں پر نہیں جاتے ہیں، جہاں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ عصری تقاضوں کے مطابق ویسے ہی ہمارے یہاں صلاحیتوں کی کمی ہے لیکن ہم میں جو صلاحیت کے مالک ہوئے، ماشاءاللہ انہوں نے بڑے بڑے تاریخی کام انجام دیے، پاکستان میں مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار خان نیازی دور حاضر میں اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ ہندوستان میں آ اس طرح کی شخصیتیں تھیں اور آج آ ہیں، انہیں کھل کر آگے بڑھنا چاہیے اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا چاہیے۔

سوال:۔ ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

مفتی محمد خان قادری:۔ جام نور کے کچھ شمارے میں نے پڑھے ہیں۔ خاص طور پر آپ کا ''جہاد نمبر'' مجھے کافی پسند آیا۔ جام نور کی کارکردگی بہتر ہی نہیں بلکہ نہایت معیاری ہے۔ قارئین سے میری گزارش صرف یہی ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ علمی راہوں پر چلیں اور علمی رائے ہی اختیار کر , ۔ یہی اسلام کا صحیح راستہ ہے، تاکہ ہم انسانیت کے کام آئیں، ملت کے کام آئیں اور ہمارا وجود نافع ¶ ، کیوں کہ اسلام کا قانون ہے کہ '' **فاما من ینفع الناس فیمکث فی الارض**'' جو انسانیت کے لیے نافع ہوتا ہے اسے ہی زمین پر تمکن ملتا ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنی زندگی بسر کرنی

چاہیے تاکہ ہمارے لیے Ì بہتر رزلٹ آئے اور امت کے لیے Ì اور دیگر مخلوق خدا کے لیے Ì -

مولانا منشا تابش قصوری:-''جام نور'' کے لیے آپ کی مساعی جمیلہ کو میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور قارئین سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے طور پر اس تحریک کو مضبوط —ئیں، تاکہ ہمارے ہندو پاک میں تیزی سے 1/2 نے والے اس جماعتی آرگن کو مزید پائداری ملے- ہمارے بیشتر رسائل مالی کمزور -ں کی وجہ سے بند ہوگئے، اگر اس طرح کے زندہ رسائل Ì مالی کمزور -ں کی وجہ سے دم توڑتے ہیں تو یہ جماعت کا 1 بڑا نقصان ہوگا-❑❑❑

(شمارہ جولائی ۲۰۰۵ء)

مفتی محمد مکرم احمد نقشبندی

شاہی امام: شاہی مسجد فتح پوری، دہلی

نبیرۂ مفتی محمد مظہر اللہ مجددی، مفتی محمد مکرم احمد نقش بندی کی متنوع شخصیت ارباب علم کے درمیان ہمیشہ نمایاں رہی ہے، کیونکہ موصوف à وقت دینی وعصری علوم کے فیض یافتہ ہیں- آپ کو اپنے وقت کے اکابر علما و مشائخ مثلاً مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الد + مرادآبادی علیہم الرحمہ کی صحبت حاصل رہی ہے- مذکورہ بزرگوں کی صحبتوں اور دعاؤں کے اثر سے آپ نے قرآن کر* حفظ کیا، درس نظامیہ کی تکمیل کی، فقہ وافتا میں درک حاصل کیا اور شاہی مسجد میں خطابت وامامت کے مستحق قرار پائے -آپ عصری درسگاہوں کی طرف Ì متوجہ ہوئے چنانچہ آپ نے دہلی - نیورسٹی سے عربی وزبان وادب میں .B.A اور M.A کیا اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پی.ایچ.ڈی کے لیے ''**المسرحية الشعرية لعزيز عباده**'' پر ایک ضخیم مقالہ لکھا جو کئی سو صفحات پر مشتمل ہے جس پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفو ! کی گئی- ^ ازاں مذکورہ - نیورسٹی میں بحیثیت استاذ مقرر ہوگئے- آپ نے مذہبی اور ملی مسائل پر 1 سی کتابیں اور مقالات Ì تحریر کیے ہیں جن میں ''فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ رضویہ کا تقا© مطالعہ'' کو مقبولیت حاصل ہوئی- آپ کے خانوادے کو علمی وروحانی امتیاز حاصل ہونے کی وجہ سے مغلیہ حکومت نے شاہی مسجد فتح پوری دہلی کی امامت سونپی جس کے موجودہ شاہی امام آپ ہیں، جہاں سے پچھلی کئی دہائیوں سے آپ قوم وملت کی رہنمائی کر رہے ہیں- اس کے علاوہ آپ قومی سطح کی کئی بڑی تنظیموں اور تحریکوں سے Ì وابستہ ہیں-

سوال :-آپ ایک عرصے سے شاہی جامع مسجد فتح پوری سے لوگوں کی رہنمائی اور ان کی اصلاح وفلاح کے لیے خدمات انجام دے رہے ہیں-آپ مسلم معاشرے کی ترقی اورفلاح و بہبود میں کس چیز کوسب سے زیادہ مؤثر مانتے ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:-تقریباً۳۱،۳۲ سال سے میں اس مسجد کی امامت،خطابت اور دیگر ذمہ دار-ں کواللہ کے فضل وکرم سے انجام دے رہا ہوں،میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ روز بہ روز اسلامی معاشرے میں تنزلی آرہی ہے اور مسلمانوں کا جو معیار زندگی ہے خواہ وہ مذہبی ہو یا سماجی برابر گرتا جارہا ہے- مجھے اس موقع پر آقائے دوجہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خطبہ یادآرہا ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا تھا کہ''دیکھو! مجھے تم سے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم میرے ^ کافر ومشرک بن جاؤ گے بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ بیماریاں تمہارے اندر نہ آجائیں جن کی وجہ سے کتنی قومیں ہلاک ہوگئیں''-آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ''ایک ہے گھمنڈ اور ایک ہے پیسے کی محبت یا دنیا کی محبت'' آج جو چیز ہمارے معاشرے کے اندر 1 زیادہ آگئی ہے،وہ یہ کہ نماز کی طرف،اپنی باتوں کی طرف اور تعلیم واخلاق کی طرف دھیان 1 کم رہ گیا ہے اور ہر ایک انسان دنیاداری یا پیسے کی طرف دوڑ رہا ہے اور اس کے اندر ایک عجیب سا غرور اور گھمنڈ آگیا ہے،جس کی وجہ سے وہ معاشرہ میں بالکل ایک بیکار سا ممبر بن کر رہ گیا ہے،نہ تو وہ دوسروں کے کام آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے کام کوئی آسکتا ہے-لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ معاشرے کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے 1 ضروری ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلیں اور کتاب وسنت کے مطابق اپنی زندگی ڈھالیں تاکہ ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں-

سوال:-تاریخ ہند میں جنگ آزادی کی تحریک میں بے شمار علما ومشائخ کے بے ۔ کارنامے ملتے ہیں اس کے باوجود ان کے اسمائے گرامی کو موجودہ سیاست میں عمداً نظرانداز کیا جارہا ہے-اس کے اسباب کیا ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:-اس کے اسباب تو 1 سے ہیں،کچھ اسباب تو یہ ہیں کہ جن

اسمائے گرامی کو سیاست میں نظرانداز کیا جارہا ہے ان کے عقیدت مندوں اور ان کے ماننے والوں نے Ì اس طرف دھیان نہیں دیا،انہوں نے خود Ì ان کو بھلا دیا- نہ تقریروں میں نہ تحریروں میں اور نہ ہی کتابوں میں کسی کو C یا کہ تحریک آزادی میں ان کا کیا رول رہا ہے- دوسری بات یہ کہ جن علمائے کرام کو نظرانداز کیا گیا ہے وہ زیادہ تر علمائے اہل سنت ہیں-ایک طبقہ تو ایسا ہے جو علمائے اہل سنت کو مشہور نہیں ہونے دینا چاہتا اور سب سے زیادہ یہ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو ہی وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کا نام لے یا ان کی شہرت ہو- اس میں کچھ کمی تو ہماری خود کی ہے اور کچھ کمی ان لوگوں کی ہے جو حقائق کو نظرانداز کرکے یہ چاہتے ہیں کہ سارا کریڈٹ (Credit) ہم لے لیں اور ایسا لگے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے میں ہمارا ہی کردار ہے اور دوسرے لوگ یا تو بالکل بیکار ہیں یا وہ آزادی نہیں چاہتے یا وہ پاکستان نواز ہیں-اس طرح کے مختلف الزامات لگا کر انہوں نے علمائے اہل سنت کو قعر گمنامی میں ڈالنے کی کوشش کی ہے،لیکن¾ حال سچائی تو 1 دنوں تک چھپی نہیں رہ سکتی- مجھے امید ہے کہ اگر ہمارے قلم کار علما اور اہل سنت کے اداروں نے اس طرف توجہ کی تو یہ کمی پوری ہوجائے گی- ہونا یہی چاہیے کہ بغیر کسی کو الزام دیے ہم ایک اچھی شروعات کر , جس کی وجہ سے آزادی ہند میں علمائے اہل سنت کا رول واضح ہوکر سامنے آئے اور وہ لوگ جو مذہبی صحافت سے وابستہ ہیں اور رسائل وجرائد نکال رہے ہیں یا جو اسٹیج پر تقریر , کررہے ہیں دوسروں کو الزام نہ دے کر اس طرف مثبت توجہ د , -

سوال:-کیا واقعی آج کے اس ہندوتو دور میں اپنے مذہب وملت کی ' وتحفظ کے لیے علما کو میدان سیاست میں آنے کی ضرورت ہے؟

مفتی محمد مکرم احمد:- ہاں بالکل ضرورت ہے،علمائے کرام کو میدان سیاست میں Ì آنے کی ضرورت ہے،مگر جھوٹ اور مکروفریب والی سیاست نہیں بلکہ سیاست کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی شعور پیدا ہو،اب خواہ وہ ائمہ کرام ہوں،علمائے عظام،مذہبی وتعلیمی ادارے یا مدارس اسلامیہ ہر ایک کو اس طرف توجہ دینی چاہیے- میدان سیاست سے ہماری لاتعلقی کی وجہ سے دوسرے لوگ 1 آگے بڑھتے جارہے ہیں- 1 سارے لوگ یہ کہتے ہیں کہ

مسلمان ہمیشہ سوسال پیچھے کی سوچتا ہے- جب علی گڑھ مسلم - نیورسٹی کا قیام عمل میں آرہا تھا اور سرسید احمد خاں نے ایک چھوٹا سا مدرسہ شروع کیا تو مسلمانوں نے انگریزی کی 1 زبردست مخالفت کی، اب سو برس کے ^ وہی مسلمان انگریزی کی طرف زیادہ توجہ دے رہا ہے- آج کمپیوٹر اور سائنس کا دور ہے جب دوسرے لوگ اس میدان میں آگے بڑھ چکے ہوں گے تب سو برس کے ^ ہم کمپیوٹر اور سائنس کی طرف توجہ د , گے- آج ہمارے مقا » کے جو افراد اور تنظیمیں ہیں وہ 1 آگے ہیں، مگر ہماری بے حسی ہمیں خواب غفلت سے بیدار ہونے کا موقع نہیں دے رہی ہے نتیجتاً مسلمان ہر چیز میں پیچھے رہ گئے ہیں- میرا ماننا یہ ہے کہ علمائے کرام کو سیاست سے دور نہیں رہنا چاہیے بلکہ وہ مسلمان جو سیاسی میدان میں تجربہ رکھتے ہیں، جن کے دل میں ملت کا درد ہے، ان کے ساتھ مل کر ایک شوریٰ ــ نا چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ شوریٰ ہی ہو بلکہ شوریٰ کی طرح مل بیٹھ کر سب لوگ سوچیں کہ اس نیّا کو کیسے پار لگایا جائے-

سوال:- ہمارے مذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے آپ کسی مسلم سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:- اگر مسلم سیاسی جماعت ہوتی تو 1 اچھا ہوتا اور ہندوستان میں مسلم سیاسی جماعت کی ضرورت آ ہے، مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ناممکن سی بات ہے، جب سے خلافت کا زوال ہوا ہے اس وقت سے لے کر اب تک مسلم سیاسی جماعت کا وجود تو اب 1 مشکل لگتا ہے، کیونکہ جب تک علما اور اکابر +مل کر نہیں بیٹھیں گے اور ان میں اتحاد قائم نہیں ہوگا ایسا ہونا ناممکن ہے، اگر ان میں اتحاد و اتفاق ہو جائے اور آپسی انتشار، خود غرضی اور مفاد پرستی سے بالاتر ہو کر ہر چیز میں متفقہ فیصلہ لینے لگیں تو یہی 1 بڑی خدمت ہوگی- فی الحال مسلم سیاسی جماعت سے زیادہ اخلاق، ایثار اور اتحاد کی ضرورت ہے-

سوال:- آج جب کہ موجودہ عصری نصاب تعلیم وغیرہ میں خود ساختہ تاریخیں شامل کی جارہی ہیں اور کسی حد تک اس میں ترمیم و تبدیلی آ کی جارہی ہے جس میں اسلام کی شبیہ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے- ایسے میں علما کا کردار کیا ہونا چاہیے؟

مفتی محمد مکرم احمد:- اس میں علما اور دانشوران ملت دونوں کو زبردست سوُ بوُ رکھنے کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ ا آ تک ہمارے یہاں مسلمانوں میں ایسی کوئی جماعت یا کمیٹی نہیں ہے جو نصاب کو پڑھ سکے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ مسلمانوں سے متعلق جو نصاب آرہا ہے اس کو متعلقہ کوئی جماعت یا کمیٹی پڑھ لے اور اگر اس میں کوئی خامی ہو تو اس کی طرف ½ پور توجہ دلائے- آپ کو تعجب ہوگا کہ آگرہ - نیورسٹی کے اندر B.A,II year میں اسلامک اسٹڈیز Islamic Studies کا ایک سوال تھا مجھے بر وقت حوالہ تو یاد نہیں ہے کہ وہ کس کتاب میں تھا، مگر اس پر تحریک اسلام کی طرف سے وزیراعظم کو میمورنڈم وغیرہ دیا گیا تھا اور اس پر زبردست احتجاج آ ہوا تھا- سوال یہ تھا کہ اللہ کے مشہور پیغمبر کون کون ہیں؟ جواب تھا ''موسیٰ، عیسیٰ، چوسا، ابراہیم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم''- جواب میں لفظ ''چوسا'' بڑھا دیا اور بڑھانے کے ^ اپنی تعلیمی گائیڈ میں اس کی تشریح -ں کی کہ چوسا چوسنا سے ــ ہے جیسے آم وغیرہ کو چوستے ہیں اور وہ نبی 1 خو Z رت گورا چٹا تھا اور 1 ہی عیاش تھا، نعوذ باللہ اور کیا کیا لکھا ہوا تھا- آگرہ آ 1 دور نہیں ہے اور - نیورسٹی کے نصاب میں شامل ہو جانا آ آسان بات نہیں ہے، مگر ا آ آ وہ کمیاں پائی جارہی ہیں اگر کسی ایک بات کی طرف یا کسی خامی کی طرف توجہ دلا دو تو ہنگامہ کرتے ہیں، لیکن ہونا یہ چاہیے کہ اگر جیسے ہی کوئی نصاب سامنے آئے ہماری کوئی کمیٹی ہو جو اس کو پڑھے تاکہ ہمیں اندازہ ہو جائے کہ اس میں کیا ہے اور خامیوں پر بر وقت نوٹس لے سکے اور اس کی خبر گیری کر سکے اگر ہم نے ایسا کر لیا تو ہم مسلمانوں کی رہنمائی آ کر سکتے ہیں اور حکومت کو آگاہ آ کر سکتے ہیں- اس طرح وہ افراد جو اسلامی نظریات کو نصاب کے ذریعے غلط رواج دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ باز رہیں گے، بس ہمارے علمائے کرام اور مسلمانوں کو 1 زیادہ چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ لوگ مذہب اسلام کی ساخت کو مسخ نہ کر سکیں اور مسلمانوں کی کردار کشی آ نہ ہو، مگر ایسا لگتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں ا آ ہم نے کوئی کام کرنے کی شروعات ہی نہیں کی-

سوال:- ہندوستان میں ۲۰ رکروڑ مسلمانو کی آبادی ہے مگر نہ ہی ہماری کوئی سیاسی جماعت ہے اور باتفاق رائے نہ ہی ہم کسی کو اپنا قائد ماننے کو تیار ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

مفتی محمد مکرم احمد:-سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ قرآن کر* اوراحادیث مبارکہ کی تعلیم سے ہم اب تک نا£ ہیں اورافسوس ناک بات یہ ہے کہ اس کی طرف ہمارا کوئی دھیان Ì نہیں ہے- جب تک یہ نہ ہو میں سمجھتا ہوں کہ انسانی کردار سنبھل نہیں سکتا-حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **من اصبح ولم یھتمّہ بامور المسلمین فلیس منا** (جس کی صبح اس حال میں ہو کہ اسے مسلمانوں کے مسائل کی فکر نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں ہے-) مگر آج کل انسانوں کو اپنی فکر رہتی ہے، روزی روٹی کی فکر رہتی ہے، جب کہ حضور فرمارہے ہیں کہ ہر ایک کو قوم کی ،مسلمانوں کی اورامت کی فکر رکھنی چاہیے- جب تک اس طرح کا رجحان پیدا نہیں ہوگا، امت میں تنظیم، اتحاد اور قیادت کا فقدان رہے گا-اور یہ جبھی ہوگا جب آپس میں اتفاق اور محبت **أشداء علی الکفار رحماء بینھم** کے قرآنی جذبہ سے ہو-آج کل جگہ جگہ دشمنی ہے، منافقت ہے، پڑوسی پڑوسی کو نہیں دیکھ سکتا، جس کی وجہ سے لوگ نہ خود ہی کامیاب ہیں اور نہ دوسروں کو کامیاب ہونے دیتے ہیں، کسی کو اپنا قائد ماننا تو 1 مشکل ہے-اگر آپ شمالی ہند میں —لیں گے تو لوگ اسے جنوبی ہند میں نہیں مانیں گے، جنوبی ہند میں —لیں گے تو کہیں اور اسے نہیں مانیں گے، قائد تسلیم کرنا تو 1 مشکل ہے، لیکن ہم یہ مانتے ہیں کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی قائد مانا جائے اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اخلاص اور باہمی محبت و یگانگت کے ساتھ اگر ہم کوئی کام کر , گے تو مجھے لگتا ہے کہ ہمیں کامیابی ضرور ملے گی-

سوال:-آپ نے جنگ آزادی کے ^ سے لے کر موجودہ مسلم معاشرہ کے نشیب وفراز کو ملاحظہ کیا ہے، جنگ آزادی سے اب تک ہمارا یہی گلہ رہا کہ ہمیں کما حقہ ہمارا حق نہیں ملا، کیا ہماری گلہ مندیاں جائز ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:-یہ گلہ بالکل O، درست اور جائز ہے، کیونکہ اگر آپ دستور ہند یا آئین (Constitution) پڑھیں گے تو اس میں اس طرح کی بات ملتی ہے کہ ہم مساوات رکھیں گے، مذہب کی بنیاد پر کوئی تفر&نہیں رکھیں گے، سروسیز وغیرہ میں برابر کا حق د , گے، مذہبی آزادی د , گے، لیکن اس قانون میں ایک دفعہ یہ Ì لگائی ہوئی ہے کہ

اگر کوئی SC,ST (شیڈول کاسٹ یا شیڈول ٹرائب) کا آدمی اپنا مذہب چھوڑ کر بدھ مذہب میں چلا جاتا ہے تو اس کو تمام مراعات (Facilities) ملتی رہیں گی پھر ^ میں ان لوگوں نے (Amendment) کر کے یہ بڑھا دیا کہ اگر کوئی اپنا مذہب چھوڑ کر سکھ مذہب میں Ì چلا جائے گا تو اس کو Ì تمام مراعات ملتی رہیں گی، لیکن وہیں پر یہ Ì لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی اپنا مذہب چھوڑ کر مذہب اسلام یا عیسائیت کو اپنا لے گا تو اس کو تمام سہولتیں ملنا بند ہو جائیں گی-ایک طرف تو آپ مساوات اور مذہبی آزادی کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف اس طرح کا تعصب Ì رکھتے ہیں-اب اگر کوئی نچلی ذات کا آدمی مسلمان بننا Ì چاہے تو نہیں بن سکتا، کیونکہ وہاں پر حکومت کی طرف سے ایک بندش ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ایسا امتیازی سلوک برتا جارہا ہے کہ کہیں مسلمان آگے نہ بڑھ جائیں-ہم الیکشن میں Ì دیکھتے ہیں کہ جہاں مسلم اکثریت ہے، جہاں مسلمانوں کے ووٹ زیادہ ہیں، صرف ان ہی جگہوں پر مسلمانوں کو ٹکٹ دیے جاتے ہیں، یہ کیا بات ہوئی؟ اگر دینا ہی ہے تو 100 میں سے 25% فیصد ٹکٹ مسلمانوں کو آبادی کے حساب سے دیجیے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں مسلم اکثریت ہے وہاں پر صرف آپ مسلمانوں کو ہی ٹکٹ د , اور ہندوؤں کو نہ د , -اس طرح کہیں ٹکٹ دینے میں، وو ã کے اندر، کہیں دوسرے معاملوں میں، یعنی زندگی کے تمام شعبوں میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو نظر انداز کیا جارہا ہے- اگر بروقت ہم ان کی نشاندہی کرد , ، ان کمیوں کی طرف توجہ دلائیں، اس پر احتجاج کر , تو مجھے امید ہے کہ ان کو غیرت ضرور آئے گی اور جو ناانصافی 50% فیصد ہو رہی ہے اس میں کمی آئے گی-

سوال:-مذہب اور سیاست ,, ہر دونوں الگ الگ معلوم ہوتے ہیں، مگر جب ہم عہد رسالت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید آج انہیں جدا جدا نام دے دیا گیا ہے، آپ کس حد تک اس فکر سے اتفاق رکھتے ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:-مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں ہے، مذہب کے اندر مجموعی طور پر تمام چیز , آجاتی ہیں، مذہب میں معاشیات، معاشرت، سماجیات اور مذہبیات سب کچھ

موجود ہے، ہاں مکروفریب والی سیاست سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہم یہ Ì مانتے ہیں کہ سیاست پر مذہب کی بندش ضرور ہونی چاہیے تا کہ انسان دوسروں کو دھوکہ نہ دے سکے اور اللہ سے ڈرتا Ì رہے- یہ 1 ضروری ہے اس لیے ہم یہ نہیں مانتے کہ مذہب اور سیاست الگ الگ دو چیز , ہیں-

سوال :- آج کے اس مادی دور میں مسلم طبقہ کا رجحان مذہبی تعلیم سے ہٹتا جارہا ہے اور وہ عصری تعلیم کو ہی اپنی کامیابی و کامرانی کا محور تصور کرتے ہیں، آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:- اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ مدارس کی تعلیم سے روزی روٹی نہیں مل رہی ہے اور نہ ہی عزت مل رہی ہے، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں ناکامی ہو رہی ہے- عام لوگوں میں یہ رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ ایک ^ مدرسہ میں جتنا وقت گزارتا ہے اتنے میں دوسرا ^ B.A یا M.A کر لیتا ہے، اس لیے مدرسے میں تعلیم کا حصول سراسر عمر کا ضیاع ہے- ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگوں میں یہ رجحان پیدا کر , کہ مذہبی تعلیم ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم Ì ، اس کے ساتھ اس بات کی Ì ضرورت ہے کہ مدارس کے نصاب میں تبدیلی ہو، گو کہ اس کا بنیادی ڈھانچہ وہی رہے، لیکن جدید علوم جیسے سائنس، حساب، ہندی، اور انگلش وغیرہ کو شامل کیا جائے تا کہ مدارس کے طلبہ کو عصری علوم کی شد بد ہو جائے، اسی طرح زبان دانی کی طرف Ì توجہ دی جائے تا کہ ہمارے طلبہ میں عربی، فارسی اور انگریزی میں لکھنے، پڑھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے- اگر ایسا ہو جائے تو ان کے لیے معیشت کی راہیں اور Ì آسان ہو جائیں گی- ہمارے مدارس میں ایسا نہیں ہو رہا ہے اس لیے لوگوں میں مدارس کے لیے ایک اکتاہٹ سی پیدا ہو رہی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مدارس میں ہمارے بچوں کی عمر , ضائع ہو رہی ہیں، اس لیے مدارس کے نصاب میں جدید علوم کی شمولیت کے ساتھ زبان دانی اور (Direct Method) کی طرف توجہ ضروری ہے تا کہ عام لوگوں میں مدارس کے تئیں یہ رجحان ختم ہو سکے- جنوبی ہند کی درس گاہوں میں میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ وہاں دینی علوم کے ساتھ عصری علوم پر Ì توجہ ہے اس لیے لوگ وہاں مدارس کے اندر اپنے بچوں کو دا4 کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس

کرتے، ہمیں Ì ایسا ہی کرنے کی ضرورت ہے-

سوال:- موجودہ دور میں مذہب اسلام اور اللہ کے مقدس کلام کے تئیں غیروں کے تیور نہایت جارحانہ ہوتے جارہے ہیں- ان حالات میں ہمیں مذہب اسلام اور قرآن مقدس کی تعلیمات کے صحیح خدوخال کو کس طرح سے عام کرنا چاہیے؟

مفتی محمد مکرم احمد:- سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن مقدس کی تعلیمات اور اس کے صحیح خدوخال سے پہلے ہم خود واقف ہو جائیں اور جب تک کوئی شخص خود واقف نہیں ہوگا وہ دوسروں کو اس سے کس طرح واقف کرائے گا اور اس کا دفاع کرے گا- یہ تو ایک طرح کا ٹیم ورک ہے، کچھ لوگ 1 چھوٹے پیمانے پر اس کو کہیں کہیں انجام دے رہے ہیں، مگر جہاں ہم ۲۰ رکروڑ مسلمانوں کی بات کرتے ہیں تو کم سے کم دس یا بیس لاکھ ایسے افراد ہونے چاہیے جو تن من دھن سے قرآن کے دفاع اور اس کے صحیح خدوخال سے منکر + و متعصبین کو آشنا کرانے میں لگے رہیں- مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے تیور مسلمانوں کے تئیں جارحانہ ہو رہے ہیں، وہ اسی وجہ سے ہو رہے ہیں کہ ان کو صحیح جواب نہیں مل رہا ہے اور نہ ہی صحیح رہنمائی مل رہی ہے- آج اگر کوئی شخص قرآنی آیات کو غلط ڈھنگ سے پیش کر رہا ہے تو اس کو بٹھا کر یا کسی چینل یا اخبار کے ذریعے یا خطوط کے ذریعے ہمیں آگاہ کرنا چاہیے- اگر ہم سلیقے سے کام کر , تو مجھے لگتا ہے اس میں ہمیں کامیابی ملے گی اور دوسری سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر آج ہم اپنے مذہب پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے تو یہ نوبت آتی ہی نہیں- آج ہماری مسجد , خالی ہیں، رمضان شریف میں لوگ مسجدوں میں آتے ہیں اور عید کے ^ پھر یہی مسجد , ویران ہو جاتی ہیں، آج مسلمانوں میں مذہبی رجحان کم ہو گیا ہے- دوسرے مذاہب کے لوگوں میں Ì یہی بات تھی مگر ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ مذہب سے وابستگی میں ہماری کامیابی ہے، اس لیے ان لوگوں نے اپنے اندر بیداری لائی اور اس کمی کو پورا کر لیا- ہمیں Ì ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر بیداری لائیں اور مذہب اسلام کے دامن سے پوری طرح وابستہ ہو جائیں اور جن لوگوں کے تیور جارحانہ ہوتے جارہے ہیں ہم ان کا Ì حکمت عملی سے جواب د , -

سوال:- موجودہ دور میں علمائے کرام کا میدان دعوت وتبلیغ میں اثر ورسوخ کے گرتے ہوئے فیگر کے کیا اسباب ہیں؟

مفتی محمد مکرم احمد:- سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آج ہمارے علما تعلیم کچھ اور دے رہے ہیں یا تقریر , کچھ اور کر رہے ہیں اور ان کا اپنا عمل کچھ اور ہے جس کی وجہ سے عوام میں ان کا اثر نہیں پیدا ہو رہا ہے- عملاً ہمارے علما اس قدر پیچھے ہیں کہ لوگوں میں ان کے لیے جو عقیدت ہونی چاہیے وہ نہیں ہے- اگر علم وعمل میں یکسانیت ہو، قول وفعل میں تضاد نہ ہو اور د + کے لیے اخلاص وایثار کا جذبہ ہو تو ہم دعوت وتبلیغ کے میدان میں ضرور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں- ہمیں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہم نہایت حکمت اور تدبر کے ساتھ مسلمانوں کو ان کے مزاج کے مطابق سمجھائیں- اگر کسی صاحب کی داڑھی نہ ہو اور آپ اسے دیکھتے ہی ڈانٹنے لگیں تو اس کے اندر نفرت سی پیدا ہو جائے گی- پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے ''محبت کی نشانی'' جو داڑھی کی فضیلت پر مشتمل ہے، انہوں نے اس کتاب کو نہایت خو Z رت پیرائے میں ترتیب دیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ (داڑھی) حضور سرور کونین صلی اللہ علی وسلم سے محبت کی علامت ہے اور جن کو حضور سے محبت ہے وہ ضرور سنت رسول کو اپنائیں گے اور داڑھی Ì رکھیں گے- اس طرح کی دعوت سے لوگوں کے دل پر ایک اچھا اثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ مثبت ہوتا ہے- آج ہم یہ Ì دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے علما میں بے جا تشدد اور انتہا پسندی Ì آ گئی ہے جو نہایت نقصان دہ ہے، ہمیں ان چیزوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے اور نہایت حکمت ودانائی سے د + کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے تا کہ اچھی تاثیر پیدا ہو سکے-

سوال:- مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات اور اس کی اصل روح کی تازگی برقرار رکھنے کے لیے ہمیں کن اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے؟

مفتی محمد مکرم احمد:- لوگوں میں اسلامی روح پھونکنے کے لیے ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں بیداری لانے کی ضرورت ہے اور استقلال وثابت قدمی سے کام کرنے کی Ì ضرورت ہے- آج کل جو ہمیں فرقہ پرست طاقتیں کامیاب نظر آ رہی ہیں وہ ان کا آج کا مشن نہیں

ہے، بلکہ پچاس سال قبل جو انہوں نے بنیاد ڈالی تھی آج وہ اس میں کامیاب ہیں- ہمیں Ì اسی طرح کام کرنا چاہیے، ہمارے لیے بہتر + مثال علی گڑھ مسلم - نیورسٹی ہے- آج اس نے تمام مسلمانوں کا نام اونچا کیا ہوا ہے، کیونکہ سو سال قبل جس ننھے پودے کو لگایا گیا تھا آج وہ ایک تناور درخت بن گیا ہے- آج Ì اگر ہم حوصلے اور ثابت قدمی سے کام کر , تو ہمیں کامیابی ضرور نصیب ہوگی- اگر ہم ۲۴ گھنٹوں میں سے ۱۲ گھنٹے اپنے نجی کاموں میں لگاتے ہیں تو ملت اور مسلک کے کاموں میں ہمیں بلا شبہ تین یا چار گھنٹے ضرور صرف کرنا چاہیے- ہندی، انگریزی، عربی اور دیگر مشہور زبانوں میں تحریروں، تقریروں، جرائد اور مجلّات کے ذریعے ہمیں اپنے مشن کو آگے بڑھانا چاہیے- اسلامی لٹریچرز کو مفت تقسیم کرنا چاہیے اور انھیں گھر گھر پہنچانے کا اہتمام کرنا چاہیے- اگر ہم خلوص کے ساتھ ان تمام اقدامات کو عملی جامہ پہنالیں گے تو مجھے امید ہے کہ ہمیں کامیابی ضرور ملے گی-

سوال:- اخیر میں قوم کے نام آپ کیا پیغام دینا پسند کر , گے؟

مفتی محمد مکرم احمد:- آخر میں بس یہی کہنا چاہوں گا کہ آج کل کے حالات سے ہمیں نا امیدی کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی اشتعال میں آنے کی ضرورت ہے- ہندوستان میں جس طرح کے حالات پیدا ہو رہے ہیں اس سے ہمارے کچھ لوگ ناامید ہو رہے ہیں اور کچھ افراد نہایت مشتعل ہو رہے ہیں، ہمیں قرآن مقدس، احادیث کریمہ، اولیائے کرام کے ملفوظات اور ان کی کتابوں میں سب کچھ ملتا ہے- اسلام ایک عالمگیر اور فطری مذہب ہے، اس لیے ہمیں اپنی تہذیب، تعلیم، تاریخ اور ثقافت کو دھیان میں رکھ کر صبر واستقلال کے ساتھ کام کرنا چاہیے- ایک طرف اللہ کی رحمت سے امید رکھیں دوسری طرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کام کر , جس میں ذاتی نمود ونمائش نہ ہو اور ذاتی مفاد مدنظر نہ ہو- اس کے ساتھ میں چاہوں گا کہ مسلمان تعلیم کی طرف زیادہ دھیان د , خواہ وہ مذہبی تعلیم ہو یا عصری دونوں ہی کی طرف توجہ ضروری ہے اور آپس میں اتحاد واتفاق کے ساتھ ملّت، مسلمانوں اور پریشان حالوں کے لیے زیادہ سے زیادہ خدمت انجام د , -❑❑❑

(شمارہ نومبر/ دسمبر ۲۰۰۲ء)

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی

سجادہ نشین: خانقاہِ مسعودیہ مظہریہ، شاہی مسجد فتح پوری، دہلی

سرزمین دہلی ہمیشہ سے تاریخ ہند کا ایک اہم حصہ رہی ہے کیونکہ یہی وہ سرزمین ہے جسے علما ومشائخ نے ملکی سطح پر اپنے ا° روعقائد کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا تو دوسری طرف اہل سیاست نے حکومتوں کی تنظیم وتنسیق کے لیے اسے اپنی آماجگاہ ¯یا- یہ ہندوستان کی سیاسی راجدھانی Ì ہے اور علمی، فکری، ملی اور مذہبی Ì ،مگر حیرت کی بات ہے کہ بائیس خواجگان کی دہلیز اور لاتعداد مشاہیر علما ومشائخ کا مسکن ہونے کے باوجود یہاں عقائد اہل سنت کی جڑ , مضبوط اور راسخ نہ ہوسکیں- اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے قائد + علمائے اہل سنت تھے، اس کی ناکامی کے ^ علما نے شعوری یا غیر شعوری طور سے عالم میں انتخاب اس شہر سے منہ موڑ لیا، مگر ایسے ماحول میں جن افراد نے مسلک حق کی ترویج میں اپنا خون جگر صرف کیا ان میں دہلی کے خانوادۂ مسعودیہ مظہریہ کو امتیازی مقام حاصل ہے، جن کے اسلاف نے زندگی کے آخری لمحات تک تعلیمات محمدی کا چراغ گل نہیں ہونے دیا اور پورے طور پر عقائد ومعمولات اہل سنت پر قائم رہے- اسی چراغ سے چراغ جلانے والوں میں ایک نام مفتی اعظم دہلی مفتی مظہر اللہ نقش بندی کے پوتے مفتی محمد میاں ثمر دہلوی نقش بندی سجادہ نشین خانقاہِ مسعودیہ مظہریہ، دہلی کا ہے جن کا تصلب فی الد + ،علمی فقاہت اور زہد وتقویٰ عوام اور علما میں یکساں معروف ہے، جو دہلی جیسے بدعقیدہ ماحول میں اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات پر سختی سے قائم اور مرجع مسائل شرعیہ ہیں- اس کے علاوہ مفتی صاحب ایک حکیم ومعالج Ì ہیں، پریشان حالوں کے صلاح کار اور مصلح Ì ہیں- اس حوالے سے ماہنامہ ''کنزالایمان'' دہلی میں آپ کا مستقل کالم ''حل المشکلات'' [1] مقبول ہے-

سوال:- سرزمین دہلی بائیس خواجگان نیز اہل سنت وجماعت کے لاتعداد مشاہیر علما، صلحاء، بزرگان د + اور اولیائے کرام کا مسکن رہی اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کی تعداد دہلی میں نہایت محدود ہے؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:- میں اس کو Ì غلط فہمی ہی کہوں گا کہ دہلی میں اہل سنت کی تعداد [1] کم ہے- دہلی میں جو عوام ہیں ان میں اکثریت اب Ì اہل سنت ہی کی ہے- لیکن فرق اتنا ہے کہ ان کی رہنمائی مکمل طور پر نہیں ہوسکی اور وہ جاری نہ رہ پائی- اس لیے تبلیغی جماعت وغیرہ کے اور دوسرے فرقے کے لوگ ان سے وابستہ ہوگئے- اور اپنی معاشی کمزر-ں کی وجہ سے ان لوگوں نے ایک ایک چیز کو نظر انداز کر کے ان سے خلط ملط رکھا اور اس خلط ملط نے سارا معاملہ خراب کیا- یہی وجہ ہے کہ حق وباطل کے درمیان [1] کم لوگ امتیاز کر پاتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اب Ì عقیدے کے لحاظ سے یہ بالکل ختم نہیں ہوئے ہیں بلکہ ایک طرح سے ان میں جمود سا آ گیا ہے، بے حسی سی پیدا ہوگئی ہے جس سے یہ ان میں ملے ہوئے محسوس ہوتے ہیں لیکن ایسا ہے نہیں بلکہ آپ اگر غور کر , گے تو وہ لوگ اتنی انتھک کوششوں اور مسلسل محنتوں کے باوجود Ì تک اپنے آپ کو کامیاب تصور نہیں کر رہے ہیں oo% جگہ انہیں ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں مجبور ہونا پڑتا ہے مثال کے طور پر کسی کی وفات کے ^ جو تقریبات ہوتی ہیں ایصال ثواب کی ان میں Ì تک اہل سنت کا سلسلہ جاری ہے، بلکہ ان لوگوں کو مجبور ہو کر اپنے عقائد کو نظر انداز کر کے یا چھپا کر جس طرح کی Ì ان کے ذہن میں مصلحت ہو اس میں شریک Ì ہونا پڑتا ہے- اور Ì تک ان میں نہ تو جماعتی سطح پر اور نہ انفرادی طور پر کسی کی جرأت ہوئی ہے کہ وہ برملا اس چیز کو ختم کرنے کی کوشش کر , اور یہ کہیں کہ تم نے یہ کیا کر رکھا ہے بس کسی کا انتقال ہوگیا ٹھیک ہے اللہ سے لو لگاؤ اور دعا کرتے رہو اور جو خیرات کرنا ہو اسے کرتے رہو انفرادی طور پر یہ اجتماع ہی کیا؟ کیسا چہلم؟ کہاں کا سوئم؟ سب بدعت ہیں- یہ آپ خوب جانتے ہیں اور وہ Ì جانتے ہیں کہ مسلکی اعتبار سے یہ وہ چیز , ہیں جن سے دونوں فرقوں کے درمیان فرق محسوس کیا جاتا

ہے اور یہ طے ہے کہ ان کے مسلک میں یہ سب چیز , بدعت میں شامل ہیں اس سے کسی نے رجوع نہیں کیا ہے- لیکن اب تک اس کے باوجود Ì ان کا شامل ہونا اور اس کے اوپر قابو نہ پا سکنا، عوام کو اسے باز نہ رکھ سکنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عمارت گر گئی ہے لیکن آثار پختہ اور باقی ہیں- اور معاف کیجئے گا! وہ چیز جس کو آپ پختہ عقیدہ کہتے ہیں آج کل کے فارغین مدارس اہل سنت کے اندر Ì موجود نہیں ہے، چھوڑیئے ہمارے اردگرد کو آپ ہمارے خاص خاص آستانوں پر جایئے وہاں سروے کیجئے اور دیکھئے کون کون آیا؟ وہاں کی جو محفلیں ہیں ہفت روزہ ہیں، ماہانہ ہیں، سالانہ ہیں ان میں آپ غور سے دیکھئے دہلی کے اکثر لوگ وہاں آپ کو ملیں گے اور ایسے لوگ جن کو دیکھ کر آپ چوکیں گے ہم تو ان کو سمجھتے تھے کہ یہ بدعقیدہ ہے یہ یہاں کیسے اور یہ جاننے کے باوجود کہ فلاں عام طور پر بریلوی ہے یا د- بندی ہے اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو بریلوی نہیں سمجھ رہا ہے لیکن د- بندی Ì نہیں سمجھ رہا ہے- وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے بزرگوں سے جو طریقے چلے آرہے ہیں ہم تو اس پر ہیں-

سوال:- دہلی کے اطراف ومضافات اہل سنت وجماعت کی عظیم المرتبت ہستیوں کے مراکز رہے ہیں، خواہ وہ بریلی ہو یا بدا-ں یا پھر مراد آباد جہاں سے ہمارے اسلاف نے تمام گستاخانِ رسول کے منہ میں لگام دے کر انہیں خاموش کر دیا مگر ان کے اثرات دہلی پر مرتب نہ ہو سکے، آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:- آپ کو شاید یہ معلوم تو ہوگا کہ منہ میں لگام تو سب سے پہلے دہلی کے علما نے دی ہے پھر بدا-ں شریف والوں نے، پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے، آپ تاریخ دیکھئے، مسلمہ طور پر یہ حقیقت ہے وہ جو چودہ سوالات اسماعیل دہلوی صاحب سے جامع مسجد دہلی کے اندر کے حصے میں بیٹھ کر علما نے گھیراؤ دے کر کیے تھے اور کہا تھا کہ ان کے جوابات یہیں دیجیے اور ان کے جوابات انہیں دینے پڑے تھے وہ کون تھے؟ وہ یہیں کہ علمائے اہل سنت تھے اس سے کوئی Ì انکار نہیں کر سکتا ہے- اسماعیل دہلوی کے لیے کوئی مفر مقرر نہ تھا- اُن کو مجبور ہو کر جوابات دینے پڑے جس کو حضرت علاّمہ ابوالحسن زید فاروقی صاحب نے اپنی کتاب میں محفوظ فرمالیا- آپ یہ دیکھئے کہ باہر کے علما نے تو یہاں قیام کی

زحمت فرمائی ہی نہیں- یہ یہیں کے علما تھے اور ایسے ایسے صاحب علم وفضل اور صاحب تقویٰ اور صاحب روحانیت کہ جن کے اثرات پورے شہر پر لوگوں کو محسوس ہوتے تھے اور اس سے انکار کبھی Ì نہیں کیا جا سکتا- جامع مسجد جیسی تاریخی مسجد جس میں آپ دیکھئے کہ پشتیں چلی آرہی ہیں دو تو آپ کے سامنے ہی ہیں سید احمد g ری صاحب اور سید عبد اللہ g ری صاحب ان دونوں کے عقائد کے بارے میں اہل سنت مطمئن نہیں ہیں، لیکن ان کے دادا سید حمید g ری صاحب کے متعلق مَیں نے خود اپنے جد امجد حضرت علامہ امام الاصفیاء شاہ مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ وہ صحیح العقیدہ تھے اور ان سے پہلے عقیدہ کے اعتبار سے کون صحیح تھے ان کے بارے میں مجھے ذاتی طور پر علم نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ جب وہ سنی تھے تو آباء واجداد Ì یقیناً سنی رہے ہوں گے- یہی وجہ ہے کہ بگاڑ آنے کے باوجود Ì Ì Ì تک عوام میں اثرات اہل سنت برقرار ہیں خاص طور سے دلی میں جو کچھ Ì آپ کو نظر آتا ہے یہ سب انہیں حضرات کی برکتیں ہیں اور انہیں کی محنتوں کا ثمرہ ہے ورنہ یہ اس اجاڑ میں آپ تو یہاں ایک دن کے لیے Ì نہیں ٹھہر سکتے ہیں تو یہ صحیح ہے کہ Û ونی علما کے اثرات یہاں اتنے نہیں رہے بلکہ آج جو کچھ Ì ہمارے مسلکی نظریات کا چرچا دکھائی دیتا ہے وہ علمائے دہلی کی د + ہے-

سوال:- دہلی کے مذہب خور اور بدعقیدہ ماحول میں آپ اپنے خانقاہی رسوم و روایات کو کس طرح ادا کرتے ہیں؟ اور اب تک ان کا عوام پر کیا اثر رہا؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:- بات یہ ہے کہ ہم سوئے اتفاق سے اپنی خانہ جنگی کا شکار ہو کر اسی میں الجھ کر رہ گئے ہیں جس طرح ہمیں کامیاب ہونا چاہیے تھا اتنے کامیاب نہیں ہو سکے پھر Ì اللہ کا بڑا احسان اور فضل وکرم ہے کہ مسلسل حضرت جد امجد حضرت علاّمہ شاہ مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ^ حضرت والد ماجد برابر خدمات انجام دیتے رہے جس کی وجہ سے دہلی اور اس کے اطراف میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہمارے ¸ ئی مسلک حقہ سے روشناس ہوئے اور اب تک وہ اس پر سختی سے عمل پیرا ہیں-

سوال:- علاقۂ میوات کو آپ کے ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کا ایک بڑا

مرکز سمجھا جاتا ہے وہیں دوسری طرف تبلیغی جماعت کی ایک ¸ ری½کم تعداد Ì وہاں سکونت پذیر ہے، ایسے میں آپ کو بدعقیدہ دلوں کو مسلک حقہ سے روشناس کرانے میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:- علاقۂ میوات ایک زمانے سے تبلیغی جماعت کا مرکز رہا ہے اور یہ وہیں پیدا ہوکر پوری دنیا میں پھیل گئی مگر ہمارے خانوادے کے اسلاف اور بزرگوں نے اس علاقہ میں ناقابل Ò ن جہاد اور محنت شاقہ کرکے لاکھوں افراد کو مسلک حقہ سے متعارف کروایا، ہمارے جدامجد امام الاصفیاء حضرت علاّمہ مفتی اعظم محمد مظہر اللہ شاہ، ان کے جدامجد منبع علم ومعرفت حضرت خواجہ محمد مسعود رحیم j اور ان کے خلیفہ حضرت علاّمہ رکن الد + شاہ صاحب اور میرے والد ماجد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بالخصوص اس علاقے میں کافی تگ ودو کی- ہمارے والد ماجد علیہ الرحمۃ والرضوان جن کو حضرت جدامجد نے اپنی خلافت سے نواز کر میوات کی طرف بھیجا تھا ان کی اس وقت کی مساعیٔ جمیلہ اور مساعیٔ شاقہ آج Ì اپنی برکتیں ظاہر کررہی ہیں کہ کس طرح وہ میوات کا پیدل سفر فرماتے، مسلسل کئی ہفتوں تک ان علاقوں کا دورہ کرتے o% دفعہ اتنے دن ہوجاتے کہ ان کی کوئی خیریت نہیں ملتی تو حضرت جدامجد پریشان ہوجاتے، حضرت جدامجد کی وفات کے ^ حضرت والد ماجد شاہی جامع مسجد فتحپوری کے امام ہوگئے اس لیے ان علاقوں میں وہ نہیں جاسکتے تھے اس لیے میوات کا علاقہ میری کم عمری کے باوجود میرے والد نے مجھے سونپا اور خلافت سے نوازا، یہ خدا کا فضل واحسان ہے کہ اس نوعمری سے ہی وہاں کی خدمت اللہ رب العزت نے میرے کندھوں پر رکھی اور سمجھئے کہ ۱۹۶۷ء سے برابر یہ سلسلہ چل رہا ہے اور اب ہماری تعداد وہاں ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے جبکہ ہمارا وہاں وطن نہیں تھا اور تبلیغی جماعت کی اکثریت Ì تھی- یہ تو اللہ کا بے پایاں احسان ہے کہ الور کے حضرت علاّمہ رکن الد + شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارا سلسلہ شروع ہوا اور پھیلا اور پھر مجھ فقیر کے حصہ میں آیا-

سوال:- رویت ہلال کے سلسلے میں دہلی اور اس کے مضافات کے اندر بڑے پیمانے پر آپ کا اثر ورسوخ دکھائی نہیں دیتا ہے یہاں تک کہ اہل سنت وجماعت کے عوام و

خواص Ì جامع مسجد کے اعلان پر انحصار کرتے ہیں ایسے میں آپ کا رویت ہلال کمیٹی کی تشکیل دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:- 1 سی باتیں ایسی ہیں جن کی حقیقت Ì تک آپ کے سامنے نہیں آئی ہے، تشکیل دینے کا لفظ خود C رہا ہے کہ Ì آپ کو رؤیت ہلال کمیٹی کے اس حقیقی à گراؤنڈ سے واقفیت نہیں ہے، اس سلسلے میں کئی دہائیوں پہلے حضرت جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کے جدگرامی حضرت علامہ شاہ محمد مسعود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس وقت صرف شاہی جامع مسجد فتحپوری دہلی کی ہی رؤیت ہلال کمیٹی تھی اس کے علاوہ کوئی Ì وہابی تنظیم یا دوسری رؤیت ہلال کمیٹی نہیں تھی اس لیے لوگ حضرت موصوف پر پوری طرح اعتماد کرتے تھے اور ان کی اجازت سے ہی اعلان ہوا کرتا تھا- اس کے ^ جد امجد حضرت علامہ شاہ محمد مظہر اللہ نور اللہ مرقدہ کے ذریعے اعلان ہوا کرتا تھا، مگر اب جبکہ طرح طرح کی رؤیت ہلال کمیٹیاں اور تنظیمیں وجود میں آگئی ہیں جو غیر شرعی طریقے پر چاند کی رؤیت کا مسئلہ اٹھاتی ہیں اور اس پر عمل کرتی ہیں اور رونا تو قوم کا ہے اور خاص طور پر ان ذمہ دار افراد کا جو کہ فی الواقع ہمارے نزدیک اہل سنت کے معتمد افراد میں سے ہیں انہوں نے یا تو مجبوراً یا کسی مصلحت کے تحت ان سے نباہ کرلیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ہمیشہ بڑی شرمندگی سے مانا جائے گا اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا، ایسے تشویش ناک ماحول میں 1 سے مخلصین کی رائے سے ہم نے باقاعدہ اجلاس کیا اور عوام کی رائے لی اور جب سبھی اس بات پر متفق ہوگئے کہ اہل سنت وجماعت کی ایک رؤیت ہلال کمیٹی کی ضرورت ہے تو ہم نے اسی پرانی مسجد فتحپوری کی رؤیت ہلال کمیٹی کا احیاء کرکے اسے سنی مرکزی کمیٹی برائے رؤیت ہلال کے نام سے موسوم کردیا تو یہ کوئی تشکیل نہیں بلکہ احیاء ہے- اب ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی ہمارا ساتھ دے یا نہ دے اس لیے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ رب کے حکم سے ہوتا ہے اور د + کا معاملہ ایسا ہے کہ اگر تنہا آدمی Ì ہو تو وہ ایک جماعت ہے بشرطیکہ وہ متوکلانہ قائم رہے- مجھے بڑا افسوس ہے کہ ہم نے اپنی روایات کو فراموش کردیا ہے اور تقویٰ جو اہل سنت کا ورثہ ہے اس میں بڑی حد تک کمزوری آگئی ہے اور عوام تو عوام

خواص نے آ خاموشی اختیار کر کے ان کے پیچھے اقتدا کر لی ہے اور رؤیت ہلال کے مسئلہ میں ان کے تابع ہو کر رہ گئے ہیں جبکہ عقیدے کی زبان میں سرے سے ان کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں ہے باطل ہے تو ان کی اطاعت کسی آ شرعی امور میں کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ آج سے تین سال قبل ہم نے اس مہم کا آغاز کیا اور اسی سال صرف مسجد شیخان باڑہ ہندوراؤ میں ہم لوگوں نے عید کی نماز ادا کی جبکہ پورے دہلی میں تمام لوگوں نے روزہ رکھا یہ ہمارے لیے بڑا صبر آزما مرحلہ تھا مگر ہمیں اللہ پر یقین ہے حالانکہ یہ مضحکہ خیز تھا تو اس کی پرواہ کیے بغیر ہم جہاد کر رہے ہیں اور رؤیت ہلال کا جو شرعی مسئلہ ہے اس پر عمل کر رہے ہیں کیونکہ اہل سنت کی اکثریت ان کے تابع ہو گئی ہے۔

سوال:۔مفتی اعظم دہلی اور قاضی اہل سنت کہلائے جانے کے باوجود آپ کا جماعت کے ہم عصر علما اور مفتیان کرام سے کوئی خاص را , نہیں ہے اور نہ ہی آپ ان کی مجلسوں، سیمیناروں اور جلسوں میں کہیں نظر آتے ہیں، اس گوشہ نشینی کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو عمداً نظر انداز کیا جاتا ہے؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:۔میں اس کا کسی پر الزام نہیں رکھنا چاہتا اور اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ایک تو میری صحت خراب رہتی ہے اس کی وجہ سے آ اور اس سے پہلے عادتاً آ میں کم آمیز ہوں لیکن جہاں تک دینی تقریبات کا تعلق ہے تو اس میں جہاں کہیں ضرورت محسوس کی تو میں حاضر ہوا اب آپ تو علامہ کے پوتے ہیں یہ علامہ ہی کا دم تھا کہ ۱۹۹۵ء کے سنی کانفرنس میں انہوں نے مجھے تقریر کے لیے اصرار فرمایا ان کے اصرار سے مجھے مجبور ہونا پڑا اور میں حاضر آ ہوا یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا انکار ہو سکے تو اگر چہ لب پر لانے کی نہیں لیکن حقیقت ہے اس لیے اس سے انکار آ نہیں کیا جا سکتا اور جب سوال ہی ہو جائے تو پھر جواب سے گریز مناسب نہیں کہ آخری دور ہے اور علما کی حالت جو ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔یہ کم آمیزی جو ہے اسی بنیاد پر ہے کہ میرے نزدیک جو علما کی شان ہونی چاہیے، اور اس منصب کے لیے جن پابند۔ں کو اختیار کرنا چاہیے، اللہ و رسول کی طرف دیکھتے ہوئے اس میں بڑی حد تک کمی ہے۔

سوال:۔قارئین ماہنامہ جام نور کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

مفتی محمد میاں ثمر دہلوی:۔قارئین جام نور کے لیے تو پھر کبھی پیغام دوں گا سب سے پہلے آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک عام صحافی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اس حیثیت سے کہ آپ علامہ ارشد القادری صاحب کے پوتے ہیں اور علامہ سے جو ایک قلبی تعلق ہے وہ تو ختم ہونے سے رہا بلکہ اب وہ بڑھتا ہی جائے گا تو اس کے پیش نظر آپ کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ آپ بڑی احتیاط سے اس پودے کو پروان چڑھائیے، کیوں کہ

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود د۔ار کج

یہ اس کا ابتدائی دور ہے، آپ اس کی نوک پلک سنوار , گے اور پورے ماحول کا جائزہ لے کر احتیاط سے کام لیں گے تبھی کامیابی آپ کا مقدر ہوگی۔□□□

(شمارہ مارچ ۲۰۰۳ء)

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر

سابق صدر مفتی: ادارہ شرعیہ، پٹنہ (۔ ر)

فقہ وافتاء اور مذہبی مناظرے کے حوالے سے مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی کا شمار ہندو پاک کی ان چند علمی شخصیتوں میں ہوتا ہے جو اسلاف کی یادگار اور ان کے علمی جانشین ہیں- آپ کی ولادت ۱۹۵۱ء میں ضلع کشن گنج ۔ ر کے ایک غیر معروف گاؤں میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے گھر پر ہی حاصل کی اور پھر علم کی کشش بریلی کے جامعہ مظہر اسلام لے آئی جہاں انہوں نے تقریباً ایک سال گزارے اور پھر درس نظامیہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون کے حصول کے لیے جامعہ عربیہ سلطانپور میں مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی سے اکتساب کیا- اسی درمیان مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی علمی اور روحانی شخصیت سے متاثر ہوکر ان کے حلقہ ارادت میں دا 4 ہوگئے، برسوں ان کی صحبت میں گزارے اور ان سے فقہ وافتا میں استفادہ کیا، یہاں تک کہ تقریباً تین سالوں کے ^ آپ کو موصوف نے افتا کی قلمی سند عطا فرمائی- تعلیم سے فراغت کے ^ آپ نے کئی مدارس میں صدر مفتی، قاضی القضاۃ اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام د , جن میں بالخصوص ادارۂ شرعیہ پٹنہ میں ۱۹۷۸ سے ۷۹ء تک بحیثیت مفتی رہے، پھر اسی ادارے میں علامہ ارشد القادری کے اصرار پر دوبارہ ۱۹۹۶ء میں صدر مفتی اور قاضی القضاۃ کے عہدے پر متمکن ہوئے اور پانچ برسوں تک ملت کی رہنمائی کی- آپ نے فقہی، درسی اور سوانحی موضوعات پر کئی اہم کتابیں آ لکھیں اور ترتیب د , ہیں جن میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' ۳ رجلدوں میں، قول فیصل، اہل قبلہ کی تکفیر، فیصلہ کن مناظرے کا تنقیدی جائزہ' قابل ذکر ہیں- ان کے علاوہ آپ کی سربراہی میں اس وقت کئی مذہبی ادارے اور تنظیمیں مسلمانوں کی رہنمائی کر رہی ہیں-

ســـــوال:- کہا جاتا ہے کہ آج کا دارالافتاء اثر ورسوخ کے دباؤ میں ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- افتاء کا مطلب ہے ''شرعی قانون کے مطابق کسی خاص شخص کی کسی خاص حالت سے متعلق حکم متعین کر کے C نا''- جیسا کہ امام احمد رضا نے تحریر فرمایا ہے- افتاء کی اس تعریف سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے کسی آدمی کا محض تعلیم یافتہ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ شرعی قوانین کی تعلیم اور مہارت درکار ہے- یہی نہیں، اس خاص شخص کی اس خاص حالت سے متعلق اس قانون کے انطباق کی اہلیت آ لازمی ہے- فقہائے عظام نے فرمایا ہے کہ ''کوئی شخص فقہ وفتاویٰ کی تمام کتابوں کو ازبر کر لینے کے ^ آ اس وقت تک فتویٰ دینے کا اہل نہیں ہوسکتا جب تک تربیت کے ^ اس میں ایک گونہ اجتہاد کی صلاحیت نہ ہوجائے-'' حدیث پاک کا ارشاد آ ہے:'' **مـــن یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین**'' جب کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے —ل ''ہمارے موجودہ مدارس کی نصابی تعلیم کا حال یہ ہے کہ اس سے علم نہیں آجاتا- بس اس کی استعداد پیدا ہوتی ہے-'' پھر نو فارغین کی بات تو جانے دیجیے- درس دینے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں'' آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں دا 4 نہیں ہوتا ہے-'' مگر افسوس کہ آج ہر دارالعلوم، ہر مدرسہ، ہر مکتب، بلکہ ہر مسجد میں دارالافتاء قائم کرنے کی ہوڑ نے مدارس نظامیہ سے ہر فارغ شدہ مولوی کو مسند افتاء پر لاکر بٹھادیا ہے- اب ایسے میں ان حضرات کی طرف سے جو فتاوے صادر ہوتے ہیں ان کی حیثیت کیا ہوسکتی ہے؟ کہنے کی ضرورت نہیں- اور ایسے لوگ اثر ورسوخ کے دباؤ میں فتاویٰ لکھیں تو تعجب کی بات آ نہیں، ورنہ دارالافتاء اور اثر ورسوخ کے دباؤ کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے؟

ســـــوال:- عام طور پر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ ہمارے مفتیان کرام جوابات لکھنے میں عرف عام، حالات اور زمانے کا خیال نہیں رکھتے اور قد * حالات کے اعتبار سے شی کی حلت وحرمت متعین کرتے ہیں جس کی وجہ سے آج کا تعلیم یافتہ مسلمان ان فتاویٰ کی روشنی

میں اپنی زندگی گزارنے سے قاصر ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر ہے تو ان میں تبدیلی لانی چاہیے یا نہیں؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- بلاشبہ 1 سے فروعی احکام عرف و حالات کے پیش نظر قابل تغیر و تبدیل ہوتے ہیں- اسی لیے مفتی کے لیے ایک گونہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور جو حضرات اس منصب پر فائز ہیں وہ شرائط کے ساتھ اس کا لحاظ آ رکھتے ہیں- جو لوگ لحاظ نہیں رکھتے یا شرائط کی پابندی نہیں کرتے وہ ایسے ہی حضرات ہیں جن کی طرف میں واضح اشارہ کر چکا ہوں-

سوال:- C وتحقیق کا یہ مسلم نظریہ ہے کہ مسائل کی تحقیقات کا دروازہ بند نہیں ہوتا اور - نہی علمی تحقیقات کے نتائج اگر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں تو شرعی، سماجی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے کسی کی اہانت نہیں سمجھی جاتی چنانچہ ہمارے پیش رو ائمہ کرام، فقہائے عظام اور علمائے کرام نے بے شمار مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا مگر اسے کسی کی تذلیل و توہین نہیں سمجھا گیا، تو پھر آخر عصر حاضر کے مفتیان اسلام نے تحقیقات کا دروازہ اپنے اوپر بند کیوں کر لیا ہے؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- جو تحقیق و اختلاف شرعی دائرے میں رہ کر، خلوص نیت سے مہذب پیرائے میں ہو، اسے تذلیل و توہین سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں، اس طرح کی تحقیق و اختلاف کا دروازہ کبھی ماضی میں بند رہا ہے اور نہ ہی اب بند ہے، ہاں جو تحقیق و اختلاف شرعی دائرے سے ہٹ کر، خلوص سے عاری، غیر مہذب پیرایہ میں ہو اس کا دروازہ بند رہنا ہی چاہیے-

سوال:- اہل سنت کی ایک کل ہند فقہ اکیڈمی ہو جس سے اہل سنت کے تمام چھوٹے بڑے مفتیان کرام وابستہ ہوں، جس کا اثر و رسوخ ملکی پیمانے پر محسوس کیا جائے اور جس کا فیصلہ آخری متصور کیا جائے، ایسی اکیڈمی کا قیام آپ کتنا ضروری محسوس کرتے ہیں؟ اور اگر اس کے قیام کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو اب تک مفتیان کرام کا طبقہ اس کی طرف کیوں نہیں متوجہ ہوا؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- ملک کی آزادی سے کچھ ہی پہلے — رس میں منعقدہ کل ہند کانفرنس کی مطبوعہ روداد آپ پڑھیں تو واضح ہوگا کہ اس طرح کی اکیڈمی قائم کی گئی تھی جو عرصۂ دراز تک اپنی خدمات سے قوم و ملت کو مستفیض و مستنیر کرتی رہی، مگر جس طرح شروع ایام سے ہماری دوسری تنظیموں کا حال ہوا کہ وجود تک باقی نہیں رہا یا باقی رہا تو تن بے جان کی طرح- اسی طرح یہ فقہ اکیڈمی آ پردۂ عدم میں چلی گئی- اب پھر از سر نو کچھ کوششیں شروع ہوئی ہیں، خدا کرے بار آور ہوں-

سوال:- عام رائے یہ ہے کہ آپ 1 دنوں تک کسی ایک ادارہ سے وابستہ نہیں رہ سکتے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- آپ کا یہ سوال سنجیدہ آ ہے اور خاصہ پر لطف آ - مجھے اس پر حافظ شیرازی کا مصرعہ یاد آ رہا ہے.....ع

کجا دانند حال ما سبک ساران ساحلہا

غالباً اس طرح کا خیال کرنے والے بیشتر وہ افراد ہیں جو گورنمنٹ سے منظور شدہ مدارس میں ہیں اور حکومت سے تنخواہ پاتے ہیں کہ ملت کو کہیں اور کیسی ہی ضرورت کیوں نہ درپیش ہو وہ وہاں نہیں جا سکتے، کیونکہ یہاں کے فوائد انہیں وہاں حاصل نہیں ہو سکتے، ورنہ ہمارے سامنے اکابر کی زندگیاں ہیں، جو

خنجر چلے کہیں پہ تڑ آ ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کی مصداق تھیں- حضرت محدث سورتی، حضرت صدر الشریعہ، حضرت ملک العلما وغیرہ کن کن بزرگوں کے نام لوں سبھی حضرات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے اور د + کی ضرورتیں پوری فرماتے رہے- میں نے آ کئی جگہیں تبدیل کی ہیں- ادارہ شرعیہ · رہی دوبارہ آیا گیا ہوں- سردست وہیں آنے جانے کے اسباب کا تذکرہ کر دینا کافی ہوگا کہ.....ع

قیاس کن زگلستان من · رمرا

یہ غالباً ۷۸ء کی بات ہے میں مدرسہ فیضیہ ایشی پور ، گلپور میں تدریسی خدمات انجام

دے رہا تھا- ادارۂ شرعیہ ۰ ر کے واحد مفتی و قاضی مولانا فضل کر* صاحب جو شدید علالت کی وجہ سے تقریباً دو ماہ سے اپنے گھر ضلع سیتامڑھی میں قیام پذیر تھے،ان کے متعلق یہ خبر پھیل گئی کہ وصال فرما گئے،حالانکہ خبر غلط تھی، وہ باحیات ہی تھے،البتہ مرض کی شدت سے کبھی کبھی سکر کی سی حالت طاری ہوجاتی تھی- آپ سوچ نہیں سکتے کہ اس خبر سے بانی ادارہ حضرت علامہ ارشد القادری کی کیا کیفیت ہوئی؟ وہ ہوش وحواس گم افتاں وخیزاں سیتا مڑھی کے O ئے ایشی پور ¸ گلپور پہنچ گئے- درد½ے دل اور ڈبڈباتی آنکھوں سے ادارہ شرعیہ میں میری ضرورت کا مجھے احساس دلایا اور مدرسے کے ناظم اعلیٰ جناب صد& صاحب سے بات کی- علامہ نے ادارہ شرعیہ کا قرار واقعی تعارف اور بروقت اس کی ضرورت کو Oن کر کے صد& صاحب سے فرمایا ''ادارہ شرعیہ پورے ۰ ر کے اہل سنت کا مرکزی ادارہ ہے اور فیضیہ سمیت صوبے کے سارے مدارس اس کے ذیلی ادارے ہیں- ہم مفتی صاحب کو فیضیہ سے مستقل طور پر نہیں لے جارہے ہیں- ہنگامی حالات کے تحت ڈیپوٹیشن کے طور پر چلیں- انہیں فیضیہ ہی کے مدرس اور ڈیپوٹیشن کے اصول پر تنخواہ أ فیضیہ ہی ادا کرے- ادارے میں جوں ہی دوسرے آدمی کا انتظام ہوجائے گا وہ واپس آجائیں گے-'' حضرت علامہ کی ان باتوں کا جواب صد& صاحب بے چارے کیا دے سکتے تھے- مجبور ہوگئے اور مفت کی ادائیگی تنخواہ سے بچنے کے لیے مجھے فیضیہ کی خدمت سے سبک دوش کردیا- اس طرح میں پہلی بار ادارۂ شرعیہ پہنچا، پھر کچھ دنوں ^ قاضی فضل کر* صاحب أ صحت یاب ہوکر آگئے-

ا أ مجھے ادارہ شرعیہ کی خدمت کرتے ہوئے صرف ایک سال ہوا تھا کہ ایک نئی افتاد آپڑی- ضلع کٹیہار میں مولانا حفیظ الد + رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ مشہور خانقاہ و مدرسہ ہے، مولانا موصوف مشرقی ۰ ر کے وہ تنہا بزرگ ہیں جو ۱۳۱۸ھ کو پٹنہ کے اندر ''ندوہ'' کے خلاف منعقدشدہ اہل سنت کی ہفت روزہ عظیم کانفرنس میں شریک رہے تھے اور امام احمد رضا کو مجدد کا خطاب دیے جانے کی تائید فرمائی تھی- شروع ایام سے آپ ہی کی نسل کا ایک فرد جو بچپنے میں گھر سے فرار ہوگیا تھا اور بدمذہبوں کے مدرسہ میں جاکر تعلیم حاصل کرلی تھی، وہ

اپنی ہوشیاری اور صلح کل کی پالیسی سے مدرسہ وخانقاہ پر قابض ہوگیا تھا، جس سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ وہاں کے متعلقین و منتسبین کے عقائد نہ بگڑ جائیں اس لیے اس پورے علاقے کے علما اور عمائد + اہل سنت نے اس خانقاہ و مدرسہ کو واگزار کرانے کے لیے مجھے مجبور کیا- اس طرح میں ادارہ شرعیہ چھوڑ کر وہاں چلا گیا اور کئی سال کی مسلسل علمی، قانونی اور عملی جدوجہد کے ^ الحمدللہ مدرسہ وخانقاہ واگزار ہوگئی تو اسے اسی خاندان کے سنی العقیدہ افراد کے ہاتھوں سونپ کر الگ ہوگیا-

دوسری بار میں استاذ گرامی حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ العالی کے زیر سایہ دار العلوم نور الحق فیض آباد میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا کہ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے ادارہ شرعیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ملک½ سے نمائندہ ۰ ری علما، دانشوران اور عمائد + اہل سنت کی جنرل میٹنگ بلائی- فیض آباد سے حضرت خواجہ کے جلو میں میں أ حاضر ہوا- دوشبانہ روز کی c وتمحیص اور کامل غور وخوض کے ^ متعدد نئی کمیٹیوں کی تشکیل ہوئی، مجلس عاملہ کے صدر ممبر پارلیمنٹ مولانا عبید اللہ خاں اعظمی، مہتمم مولانا محمد ا- ب مظہر منتخب ہوئے اور انہوں نے اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا عہد کیا- پورے صوبہ میں بیداری لانے کے لیے اصلاح معاشرہ کانفرنسوں کا انعقاد کیا جانا طے کیا گیا- ضلعی شاخوں کے قیام کا فیصلہ ہوا- افتاء وقضاء کی تربیت کے لیے نئے شعبے کا اضافہ کی تجویز ہوئی اور اس کے لیے حضرت علامہ کی تحریک پر سب نے à زبان میرے نام پر صاد کی- میں نے اپنی کم علمی اور‰% دوسری وجوہات کی — پر مسلسل انکار کیا تو حضرت علامہ نے میری ایک نہیں سنی اور نہایت ہی رقت½ے لہجہ میں فرمایا ''مفتی صاحب! ادارہ شرعیہ کے قیام کا محرک اول اور بانی میں ضرور ہوں، مگر اس کی — میں " رنصیبہ اس وقت کے سارے اکابر کا حصہ ہے- بالخصوص اہل سنت کے تاجدار اور آپ کے پیر ومرشد حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عین مرضی کے مطابق، ان ہی کی حمایت کے سایہ میں اس کا قیام ہوا ہے- اگر حضرت کی توجہ خاص اور علمی وفکری سرپرستی ہمیں حاصل نہ ہوتی تو ہم ہرگز ادارہ شرعیہ کا تصور نہیں کرسکتے تھے، مگر وائے ہماری محرومی ونامرادی کہ جن عظیم مقاصد کے لیے

اس کا وجود ہوا تھا ان کی تکمیل تو کیا ہوتی......کن کا گلہ کر , کہ صحیح معنوں میں اس طرف پیش قدمی ا نہیں ہو سکی- میں اگر چہ اس وقت ا جوان نہیں تھا، مگر اب تو عمر طبعی کی آخری منزلوں میں ہوں- اس لیے اس کی باگ ڈور آپ جیسے جوانوں کے ہاتھوں میں دے کر اس کے اپنے اہداف کو پالینے کا دن دیکھنا چاہتا ہوں، مگر آپ ہیں کہ کسی طرح تیار ہی نہیں ہوتے- تو کیا اس کے لیے آسمان سے کوئی آدمی ٹپکے گا یا پردۂ غیب سے نمودار ہوگا؟'' مولانا عبید اللہ خاں اعظمی نے فرمایا:'' مفتی صاحب! اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے الگ الگ صلاحیتوں کے افراد پیدا فرمائے ہیں- ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ آپ سے ہرگز نہیں ہوگا اور آپ جو کر سکتے ہیں وہ ہم کسی طرح نہیں کر سکیں گے، لیکن ہم اور آپ مل جائیں گے تو سب کچھ کیا جا سکے گا- آج ہم اور ہمارے رفقا ادارۂ شرعیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اپنا خون تک دینے کو تیار ہیں- کمی ہے تو صرف ایک آپ کی طرف سے- سن لیجئے! اب خدانہ کردہ ادارۂ شرعیہ اپنے مقاصد کو پانے میں ناکام رہا تو خدا کے ہاں صرف آپ جواب دہ ہوں گے-''

اس پر میں نے دارالعلوم نور الحق فیض آباد کے سرپرست مولانا محمد حنیف صاحب بستوی مرحوم سے اپنے معاہدہ کی بات کی تو حضرت علامہ اور مولانا عبید اللہ خاں اعظمی نے ان سے اجازت دلوانے کا ذمہ اپنے سر لے لیا اور چند دنوں کے ^ حضرت علامہ کا پرزور تفصیلی خط لے کر مولانا عبید اللہ اعظمی مولانا حنیف صاحب سے ملے اور نہ جانے ان سے کیا کیا کہا کہ مولانا مرحوم نے خوشی اور افسوس کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مجھے اجازت دے دی- اس طرح میں ایک بار پھر ادارۂ شرعیہ آ گیا، مگر کیا عرض کروں کہ ا چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ مولانا عبید اللہ اعظمی منصب صدارت سے مستعفی ہو گئے- سال تمام ہونے پر مولانا ا-ب صاحب ا اہتمام سے علیحدہ ہوئے اور میں پھر ا تقریباً ۵/سال تک ادارہ کی خدمت کرتا رہا- یہ ہیں میری یہاں سے وہاں منتقل ہونے کی داستانیں- اگر اس طرح میرا منتقل ہونا جرم ہے تو بیشک میں نے جرم کیا ہے اور دانستہ کیا ہے-

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

سوال:- ایک عرصے سے اہل سنت کے درمیان آپسی نزاع کا بازار گرم ہے جس

نے ہمیں کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور یہ سلسلہ تھمتا دکھائی نہیں دیتا، جس میں سربراہان اور سرکردہ علما ملوث ہیں- آخر آپسی مصالحت کے لیے کون آگے بڑھے گا اور مصالحت کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- سربراہان دعا فرمائیں اور خدا کرے کہ د + کا درد رکھنے والے بالغ نظر علما اور دانشوران آگے بڑھیں- بڑوں کو چھوٹوں سے شفقت و محبت کی اسلامی تعلیم ملحوظ رہے، چھوٹے بڑوں کا ادب و احترام کا خیال رکھیں تو'' **تعالوا الیٰ کلمة سواء بيننا و بينكم**'' کے پیش نظر مصالحت کی صورت نکل سکتی ہے، اے کاش! ایسا ہو-

سوال:- ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے تینوں حصوں کی آپ نے از سر نو ترتیب دے کر اور اس کی تسہیل فرما کر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، اس حیثیت سے کہ اس کے بقیہ دو حصے اب تک شائع نہیں ہوئے تھے، ہمیں اختصار کے ساتھ C ئیں کہ آپ اس کی ترتیب و تسہیل کی طرف کیسے متوجہ ہوئے اور اس کی ترتیب میں آپ کو کن دشوار -ں کا سامنا کرنا پڑا؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- میں نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کی بالذات تسہیل نہیں کی ہے، ترتیب نو کے نتیجہ میں خود ا داس کی تسہیل ہو گئی ہے- البتہ نقل کتاب سے پیدا شدہ علمی و فنی غلطیوں کی تصحیح حتی الامکان ضرور کی ہے- رہی اس طرف متوجہ ہونے کی بات تو میں حیات اعلیٰ حضرت جلد اول کے شروع میں ''گفتنی'' کے عنوان سے Oن کر چکا ہوں، اس طرح اس سلسلہ میں پیش آمدہ کچھ دشوار -ں کا اجمالی تذکرہ ا ہو گیا ہے-

سوال:- اخیر میں ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کوئی پیغام دینا پسند فرمائیں گے؟

مفتی مطیع الرحمٰن مضطر:- خوشتر صاحب! میں کون اور میرا پیغام کیا؟ بس یہ کہوں گا کہ مخالف طاقتوں نے منصوبہ بند سازش کے تحت عہد امام احمد رضا کے ^ سے اب تک ہماری ساری توجہات صرف اور صرف عقائد و مسلک کی کچھ خاص سرحدوں پر مبذول و مرکوز کرا رکھی ہیں- نتیجتاً ہم نے ساری توانائیاں وہیں صرف کر دی ہیں حتی کہ سپاہیوں کے ساتھ

دوسرے محکموں کے آ سارے افراد کو فوجیوں کے جھوٹے لبادے میں ملبوس کر کے وہیں اتار دیا- ہم کبھی سوچ ہی نہیں سکے کہ ان کے علاوہ آ سرحد , ہیں یا اندرون سرحد آ دیکھ رکھے اور کڑی نگاہ کی ضرورت ہے- پہلی بار حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا احساس کیا اور اس وقت کے ''جام نور'' کے ذریعے آواز بلند کی- خدا کرے آپ فکری، علمی اور عملی ہر اعتبار سے علامہ کے صحیح وارث ثابت ہوں اور حضرت علامہ کی اس آواز کو بلند سے بلند کرتے جائیں جیسا کہ آج کے ''جام نور'' کے ذریعے آپ نے اپنی کوشش شروع کر دی ہے اور پھر:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کا مصداق ہو (آمین) الحمدللہ! آثار ایسے ہی ہیں-❑❑❑

(شمارہ فروری ۲۰۰۴ء)

مولانا منظر الاسلام ازہری

ڈائریکٹر اسلامک ایسوسی ایشن، نارتھ کیرولینا، امریکہ

''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' کا اسلامی مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ جیسی ضرورت ہوتی ہے خالق ارض وسما اس کے لیے مناسب اسباب پیدا فرما دیتا ہے - جب ہم د + کے حوالے سے نا موافق حالات کے مشاہدہ کے ساتھ اپنی اکابر ہستیوں کو یکے ^ دیگر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ما-سی ہمارے اعصاب کو جکڑ لیتی ہے مگر یہ دیکھ کر کہ نئے حالات کے مطابق ہم میں افراد آ اٹھ رہے ہیں، ہمارے اضطراب کو سکون مل جاتا ہے اور پھر ہم بے نیازی سے کہہ دیتے ہیں کہ ''خدا اپنے د + کا محافظ خود ہے-'' مولانا منظر الاسلام ازہری ایک نوجوان فاضل ہیں اور ان کے جوش وولولہ، جذبہ وفکر اور ان کی علمی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں خوشی ہوتی ہے اور ہمارے سامنے امید کی یہ کرن آ پھوٹتی ہے کہ شاید خدا ان جیسے نوجوانوں کو اپنے د + کی حالات کے تقاضوں کے مطابق کچھ خدمات انجام دینے کی توفیق بخشے- مولانا موصوف ۱۹۷۸ء میں مدار گنج ضلع اریا ۰ ر میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حفظ وقرأت تک دارالعلوم عمادیہ پٹنہ (۰ ر) سے حاصل کی- ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک مدرسہ ضیاء العلوم ¯رس میں درس نظامیہ کی تکمیل کی، ۱۹۹۷ء میں ہی منظر اسلام بریلی سے دستار بندی ہوئی، ۱۹۹۸ء-۱۹۹۹ء جامعہ حضرت نظام الد + اولیاء دہلی زیر تعلیم رہے اور ۱۹۹۹ء-۲۰۰۳ء تک جامعہ ازہر میں رہ کر ثانویہ، تخصص فی الحدیث اور مذاہب ار > میں افتا کی مشق کی، ازہر میں دوران قیام امام احمد رضا بریلوی کے کئی رسالوں کی تعریب، تحقیق اور تخریج کا کام کیا- موصوف کے علمی مضامین مختلف رسائل میں چھپتے رہتے ہیں، جب کہ مختلف کتابوں کے تراجم اور ان کی تحریر کردہ تصانیف شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں-

ســـــوال:-جامعۃ الازہر سے فراغت کے ^ امریکہ کا رخ کرنے کا باعث کیا ہوا؟ اور پچھلے تین برسوں سے امریکہ رہنے کے ^ ایک ازہری ہونے کی حیثیت سے آپ اپنی دینی وعلمی سرگرمیوں سے کتنا مطمئن ہیں؟

مولانا منظرالاسلام ازہری:-امریکہ رخ کرنے کے دو بنیادی اسباب ہیں، پہلی وجہ، علمی، فکری اور دعوتی ہے، دوسری وجہ ادارتی اور معاشی،، جامعۃ الازہر میں تعلیم کے دوران ،اساتذہ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بڑی خوش اسلوبی سے روشنی ڈالتے تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، عقیدہ سے لے کر فلسفہ تک کے تمام موضوعات میں ایک بات کا خاص لحاظ کیا جاتا تھا کہ موضوع سے متعلق عصر حاضر کے نظریات کیا ہیں؟ ان نظریات کی تردید اکیڈمک اسلوب میں کس طرح کی جاسکتی ہے؟ -رپ اور امریکہ میں اسلام کے خلاف روز بروز جنم لینے والے نئے الحادی ا ° رکو خاص طور پر سامنے رکھا جاتا تھا، دوران لیکچر اساتذہ ان موضوعات پر c ونقاش کو پسند کرتے تھے، میں یہ سوچتا تھا کہ موقع ملے تو ضرور اس الحادی معاشرہ کو دیکھنا چاہیے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جن چیزوں کو میں کتابوں میں پڑھ رہا ہوں اور جن ا ° روخیالات کا میرے اساتذہ ذکر رہے ہیں ان کو براہ راست دیکھنے اور سمجھنے کا موقع مل سکے گا اور اپنی بساط کے مطابق ایسے بگڑے ہوئے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش Ì کی جائیگی، مگر یہ سارے خیالات اس وقت دم توڑ دیتے جب اپنے ظاہری اسباب پر نظر پڑتی، کیونکہ امریکہ میں رہنے والے کسی عالم د + سے میرے ایسے تعلقات نہیں تھے جس کی بنیاد پر مجھے امید کی کوئی کرن نظر آتی، اس لیے اس خیال کو دل سے نکال کر پھینک دیتا، مگر g ری شریف کی حدیث: **الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وماتناكر منها اختلف**- کے تحت جب ازل میں ہی طے ہو چکا تھا کہ ہماری ملاقات ایسے ملکوں سے یقیناً ہوگی تو میرے پروردگار نے ہی اس کے لیے سبب Ì پیدا کیا اور ایک اجنبی توسط سے جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ امریکہ سے دعوت نامہ آیا ہے تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا، ضروری کارروائی کے ^ الحمدللہ مجھے بڑی آسانی سے ویزا مل گیا اور میں اکتوبر

۲۰۰۴ء میں امریکہ پہنچ گیا-دوسری طرف جامعۃ الازہر سے فراغت کے ^ ہندوستان میں علمی اور ادارتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کا جذبہ Ì ہر وقت کچوکے لگاتا رہتا تھا، ہندوستان جیسے ملک میں جہاں پہلے ہی سے درجنوں نہیں بلکہ سیکڑوں خیراتی ادارے مسلمانوں کی توجہات کے مرہون منت ہیں اس زمین پر اپنی فکر کو عملی جامہ پہنانا ,, ہر مجھے آسان نہیں لگ رہا تھا قادر مطلق نے میری مدد فرمائی، اور مجھے امریکہ پہنچنے کا موقع عطا فرمایا، گرچہ یہاں پہنچ کر Ì مجھ جیسی طبیعت رکھنے والوں کے لیے اس فکر کی تکمیل مشکل ہی ہے تاہم اللہ تعالی کی ذات سے کامل یقین ہے، غرضیکہ یہی دو بنیادی اسباب ہیں جو امریکہ آنے کا باعث ¶ -

جو کچھ میں نے اپنے اساتذہ کی زبان سے سنا تھا، اور جن چیزوں کو عربی زبان میں پڑھا تھا، ان سب کو یہاں قریب سے دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، ابتداء میں کیلیفورنیا کے مشہور شہر سانفرانسیسکو میں رہا، جغرافیائی اعتبار سے اس شہر کو پوری دنیا میں اور خاص طور پر امریکہ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، سمندر، سبز پہاڑ، شفاف چشمے جہاں ایک طرف اہل نظر کے لیے دعوت نظارہ ہیں وہیں بدقسمتی سے اوباش خیالی اور الحادی فکر میں Ì یہ شہر اپنی نظیر آپ ہے، پہلے سے موجود مختلف اسلامی تنظیموں سے میں نے را , کیا، ان کے طریقہ کار کو سمجھنے کی کوشش کی، پھر اپنے طور پر میں نے تبلیغی مہم کا آغاز کیا، کسی نئے ملک اور نئی قوم کے درمیان پہنچ کر اپنے کاز سے فوراً مطمئن ہوجانا کوئی آسان کام نہیں، دعوت وتبلیغ کا میدان کوئی Majic stick نہیں ہے کہ ہلاتے ہی اندر کا جن باہر آکر پلک جھپکتے ہی سارا کام انجام دیدے اور انسان اپنی کوششوں سے مطمئن ہوکر بیٹھ جائے، اس لیے ازہری ہونے کی حیثیت سے میں اپنی دینی اور علمی سرگرمیوں سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوں، البتہ جس نہج پر میں اپنی ازہری فکر کو بروے کار لانے کی کوشش کر رہا ہوں توفیق ایزدی شامل رہی تو یقیناً مجھ جیسے درجنوں داعیان اسلام کے سکون کا باعث بن سکے گی-

ســـــوال:-دیکھا گیا ہے کہ -رپ وامریکہ کا رخ کرنے والے اکثر اہل علم دعوت وتبلیغ کے نام پر سفر کرنے کے ^ وہاں اپنی سرگرمیوں کو امامت تک محدود کردیتے ہیں، آپ

ان سے مختلف کیسے رہے اور آئندہ کے لیے آپ خود سے کیا توقع رکھتے ہیں؟

مولانا منظر الاسلام ازہری: -آپ اور آپ جیسے 1 سارے ملت کا درد رکھنے والوں کا مشاہدہ یقیناً درست ہے کہ -رپ اور امریکہ میں دعوتی کام انجام دینے والے عام طور پر اپنی سرگرمیوں کو امامت تک محدود کر دیتے ہیں، اب میرا مشاہدہ سماعت کیجئے! دراصل -رپ و امریکہ کا سفر کرنے والے علما دو طرح کے ہیں، پہلی قسم میلادی، نیازی، تعویذاتی اور آسیبی علما کی ہے، جبکہ دوسری قسم میں باوقار فاضل علما کرام ہیں، پہلی قسم کے جو علما ہیں وہ برطانیہ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ، امریکہ وغیرہ محض کسی خاص تعلق، دوستی، رشتہ داری کی وجہ سے آ گئے ہیں، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی زمین پر وہ ۔ ری تھے تو کسی طرح امریکہ یا -رپ پہنچ گئے، یہ زیادہ تر اپنے اوقات کا استعمال جھاڑ پھونک، دعا تعویز، ٹیوشن پڑھانے، اردو بولنے والوں کے گھروں میں جا کر میلاد خوانی کرنے اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں کرتے ہیں، اصل میں یہ لوگ مقصد علم ہی سے نا آشنا ہیں، اس لیے صحیح علم تک ان کی رسائی Ĩ نہیں ہو سکی اور جب علم حقیقی تک نہیں پہنچ سکے تو وہ امریکہ کیا چاند پر Ĩ پہنچ جائیں تو کسی آسیب زدہ ہی کہ تلاش میں رہیں گے، ان لوگوں کا ماننا ہے کہ مسجد یا سینٹر کی طرف سے جو ذمہ داری ملی ہے وہی دراصل کام ہے، یعنی پانچ وقت کی نماز پڑھا دینا، بچوں کو ایک گھنٹہ پڑھا دینا یہی اصل ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ جو اوقات ہیں ان میں دعا تعویذ کرنا اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں، اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو امامت تک ہی محدود رکھا، امریکہ کیوں آئے اس کا انہیں علم ہی نہیں، ان کے پڑوس میں کوئی ملحد Ĩ رہتا ہے، یا کوئی ایسا شخص ہے جو اسلام سمجھنے میں دلچسپی رکھتا ہے اس سے وہ کوئی سرو کار Ĩ نہیں رکھنا چاہتے، بڑے بڑے انگریز اسکالرز جو مسلمان ہوئے ان کے نظریات کیا ہیں؟ وہ اسلام کو کس طرح دیکھتے ہیں؟ اس جانب کبھی انہوں نے توجہ ہی نہیں کی، اگر کبھی کسی نے ان کی مجلس علم (آسیبی مجلس) میں کسی نئے مسلم اسکالر کا ذکر چھیڑ دیا تو ایک لفظ میں C کا دروازہ بند کر دیتے ہیں کہ وہ بدعقیدہ ہے-

دوسری قسم کے جو علما ہیں، فاضلانہ کردار، عالمانہ وقار اور فکری بلندی کے مالک ہیں،

انہیں اپنے مقصد کا خوب پتہ ہے، اس کے حصول کے لیے وہ پیہم کوشش Ĩ کرتے رہتے ہیں، ان کے نزدیک تبلیغی سرگرمیوں کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کا طریقہ خود مختار ادارہ کی موجودگی ہے (جو کسی حد تک درست Ĩ ہے)، اس کے لیے انہوں نے ادارتی کام کی ذمہ داری سنبھال لی ہے، جس کی وجہ سے علمی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود وہ علمی سرگرمیوں سے کٹ گئے-

جہاں تک میرا مسئلہ ہے تو مجھے فطری طور پر درس نظامی کے پہلے سال سے ہی لکھنے اور مطالعہ کرنے سے جنون کی حد تک دلچسپی تھی، ¯رس میں تعلیم کے دوران جب اپنے اساتذہ کو کسی اہم مسئلہ پر بڑی بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرتا دیکھتا تھا تو میرے دل میں ان کتابوں کو جلد از جلد سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، ایک مرتبہ میرے استاذ مفتی قاضی فضل احمد مصباحی کا ایک غیر مقلد سے فاسق کی نماز جنازہ سے متعلق تحریری مناظرہ شروع ہوا، حوالہ اور مصادر کی تلاش میں تفسیر، حدیث، رجال کی بڑی بڑی کتابوں کو سامنے رکھ کر اس کا جواب لکھتے تھے، میں 1 شوق سے ان کتابوں کو اٹھاتا تھا، میں ابتدائی درجہ کا طالب علم ہونے کی وجہ سے صرف کتابوں کو لانے اور لیجانے کا کام ہی کر سکتا تھا، ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے امام فخر الد + رازی کی تفسیر کبیر لانے کو کہا، میں نے کتاب لاتے ہوئے ایک بار کھول کر دیکھا تو صرف اتنا سمجھ میں آیا کہ اس مسئلہ میں سولہ بحثیں ہیں، ہر C کے دس پہلو ہیں، مجھے یہ بات 1 پسند آئی، جب حضرت مفتی صاحب حوالہ تلاش کر چکے تو میں دیر تک کتاب ہاتھ میں لیے الٹتا رہا، اللہ تعالی سے دعا کرتا رہا کہ جلد مجھے Ĩ یہ کتاب سمجھنے کا موقع عطا فرما، ٹھیک یہی خیال رجال کی کتابوں کو Ĩ ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھنے میں ہوا، فراغت کے ^ جامعہ حضرت نظام الد + اولیاء میں داخلہ ہو گیا (وہ Ĩ ایک دلچسپ واقعہ ہے) وہاں ادیب عصر مولانا مقبول صاحب مدظلہ العالی سے کم و بیش چھ مہینے استفادہ کیا، ان چھ مہینوں میں ان سے مقالہ نگاری کا ڈھنگ سیکھنے کا خوب موقع ملا، پھر اللہ تعالی نے مجھے الازہر شریف جانے کی سعادت بخشی، میں نے اپنا تمام مقصد پڑھنے اور لکھنے پر صرف کیا، اس سے میرے دل میں مطالعہ اور تحریر کی محبت راسخ ہوتی گئی، چونکہ میں نے اپنے مقصد کی

تعیین پڑھنے کے زمانہ میں ہی کرلی تھی اس لیے امریکہ جیسے علم خور ملک میں سب سے پہلے میں نے سینٹر کی ذمہ داری کے علاوہ مطالعہ اور تحریر کا وقت نکالنے کی کوشش کی، گرچہ شروع میں کچھ دنوں تک میں Ì علم سے کٹا رہا مگر اس دوران میرا ضمیر مجھے بار بار ملامت کرتا رہا ،اس لیے جلد ہی میں نے مطالعہ کرنے اور حاصل مطالعہ کو قید تحریر میں لانے میں کامیاب ہوگیا، بحمدہ تعالی اس وقت میں اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود روزانہ کم از کم چالیس سے پچاس صفحات کا مطالعہ کرتا ہوں، کبھی موضوع زیادہ دلچسپ رہتا ہے تو ایک ساتھ پوری کتاب پڑھ لینے کا شرف Ì مل جاتا ہے، یہ سب میرے پروردگار کا فضل، بزرگوں کی عنایتیں، والد + کی دعائیں اور اساتذہ کی محنتوں کا نتیجہ ہے، آئندہ Ì اپنے پروردگار سے یہی دعا کرتا ہوں کہ میری اس دلچسپی کو برقرار رکھے اور مجھے اسلام کی خدمت کا خوب سے خوب موقع عطا فرمائے-

سوال:- ہندوستان سے مصر اور وہاں سے پھر امریکہ جانے کے ^ آپ اپنی دعوتی واسلامی سوچ میں کس طرح کی تبدیلی محسوس کرتے ہیں؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:- جب میں ہندوستان میں تھا تو میری Ì فکر عام طلبہ کی طرح تھی، کبھی یہ سوچتا تھا کہ ایک اچھا مفتی بننا ہے، کبھی خیال پیدا ہوتا تھا کہ مناظر بن جانا زیادہ اچھا ہوگا، کئی بار یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی میدان میں کامیابی نہیں ملی تو جعلی سند حاصل کرکے پیر بن جاؤں گا مگر میری یہ تمام فکر , اس وقت دم توڑ دیتیں جب میرے والد محترم (اطال اللہ عمرہ) خط لکھ کر یا ہر دو تین ماہ ^ مدرسہ میں آکر یہ کہتے کہ آپ کو جامعۃ الازہر جانا ہے، جب سے میں نے شعور کی منزل میں قدم رکھا تھا اس وقت سے ہی والد صاحب کی یہ بات میرے کانوں سے ہر وقت ٹکراتی رہتی تھی، جس کی وجہ سے میرے اندر سوچنے کا جذبہ بیدار ہوا، پھر جب الازہر شریف پہنچا تو پیر بننے کا خیال تو پہلے ہی دم توڑ چکا تھا، عالمی سطح پر دعوتی کام کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا، وہاں Ì والد صاحب کے خطوط میری فکر کو مہمیز دیتے رہے، ہمیشہ ان کی تلقین ہوتی تھی کہ عالمگیر فکر رکھنا ہے، کبھی وہ بڑے بڑے علما، مشائخ اور دانشوران کی مثالیں Ì پیش کرتے تھے، آج جبکہ میں امریکہ پہنچ چکا ہوں تو Ì ان کی

رہنمائی میرے لیے مشعل راہ ہے، قیام مصر کے دوران جو کچھ میں نے پڑھا، سنا تھا اس کا ہر وقت یہاں مشاہدہ ہوتا ہے، اس کو علمی اور دعوتی انداز میں بروئے کار لانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں، میں نے مصر میں کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے کسی چرچ میں Ì جاکر لیکچر دینا پڑیگا، یا جب پیغمبر اسلام کی ذات مقدس پر حملے ہوں گے تو امریکہ کی کسی - نیورسٹی میں منعقد سیمینار میں رسول کر *ﷺ کے اخلاق کریمانہ کے پیش کرنے کا موقع ہاتھ آئیگا، بحمدہ تعالی یہاں اس طرح کے مواقع خوب ملتے ہیں، اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حقائق کو دوٹوک الفاظ میں اجاگر کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں-

سوال:- ۹/۱۱ کے ^ امریکہ میں اسلام کا فروغ، عصر حاضر کا ایک گرم موضوع C ہے، اس حوالے سے آپ کے خیالات کیا ہیں؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:- یہ سچ ہے کہ نائن الیون کے ^ قلمکاروں نے اس موضوع پر گرما گرم C شروع کر رکھی ہے، مگر صداقت سے کہیں زیادہ مبالغہ ہے، یہ ٹھیک ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی سوج بوÚ، تنظیمی ڈھانچہ کے قیام کا شعور ضرور تیزی سے بڑھا ہے، مگر ایسا Ì نہیں ہے کہ ۲۰۰۱ء اور ۲۰۰۲ء کے دوران ڈیڑھ لاکھ امریکی مسلمان ہوگئے، ایک اندازہ کے مطابق نائن الیون سے پہلے ہی سالانہ پچاس ہزار امریکیوں کا اسلام قبول کرنا C یا جاتا ہے، نائن الیون کے ^ اس تعداد میں اضافہ یقیناً ہوا ہے، مگر مسجد اور اسلامک سینٹر کا رخ کرنے والے تمام امریکی اسلام ہی قبول کرنے جاتے ہوں ایسا Ì نہیں، ہاں اسلام سمجھنے کا شعور، قرآن پڑھنے کا رجحان، نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مطالعہ کی طرف توجہ (بالخصوص کاربٹون ایشو کے ^) ضرور بڑھا ہے، میں ان لوگوں میں سے نہیں جو ریت پر محل تعمیر کرکے حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور قوم کو خوش فہمی کی È ل بھلیوں میں رکھ کر فکری شعور کو پروان چڑھنے سے پہلے ہی کچل ڈالتے ہیں-

سوال:- روزنامہ ٹائمز آف انڈیا اشاعت ۲۶ر جولائی ۲۰۰۷ء کی ایک سروے رپورٹ ہمارے سامنے ہے، اس میں C یا گیا ہے کہ 60% امریکی اپنی آنے والی نسل کے تئیں تشویش میں مبتلا ہیں، صرف 30% ان کی بہتر زندگی کی امید رکھتے ہیں، اور 4% ایسے

ہیں جن کا کہنا ہے کہ آنے والے دن موجودہ حالات پر رہیں گے، اس حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے؟ امریکی معاشرہ نفسیاتی طور پر کس رخ پر جارہا ہے؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:- روزنامہ ٹائمز آف انڈیا کا سروے اپنی جگہ درست ہے، امریکی معاشرہ 1 تیزی سے انحطاط کی طرف بڑھ رہا ہے، اس کے متعدد اسباب ہیں، مثلاً صلہ رحمی کا فقدان، باہمی محبت کی کمی، والد + کی نافرمانی، اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ امریکی قانون کے مطابق اٹھارہ سال کے ^ آزاد ہوجاتا ہے، والد + اس پر کچھ جبر نہیں کرسکتے، جس کا خطرناک اثر معاشرہ پر یہ پڑ رہا ہے کہ a والد + کے سامنے بے حیائی میں مصروف رہتے ہیں، والد + اشک ۰ نے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتے۔

شادی کا رسم ختم ہوتا جارہا ہے، عورت ومرد غیر شرعی تعلق کو ترجیح دیتے ہیں، ولدالزنا کی کثرت ہے، ستر کی دہائی میں تو شادی اور طلاق کا تھوڑا 1 رواج ì تھا، مگر آج تشویش کی حد تک اس میں کمی واقع ہوچکی ہے، اس سے معاشرہ پر نفسیاتی دباؤ بڑھ رہا ہے، امریکہ کی مشہور مصنفہ Maggie Gallagher نے اپنی کتاب Abolotion of marriage مطبوعہ مئی ۱۹۹۶ء میں اس خدشہ کا اظہار ì کیا ہے۔

سوال:- ۹/۱۱ سے اب تک پچھلے سات سالوں سے امریکہ مسلسل دہشت گردی مخالف مہم میں لگا ہوا ہے، اس سے قطع نظر کے یہ مہم ہر طرح فلاپ ہے، سوال یہ ہے کہ امریکی ادیب، صحافی، لیڈر اور عوام اس مہم کو اب کس نظر سے دیکھ رہے ہیں اور اس مہم سے صدر بش کے امیج پر کیا اثر پڑا ہے؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:- حقیقت یہ ہے کہ امریکی عوام صدر بش کی موجودہ پالیسی سے سخت نالاں ہیں، خاص طور پر تجارتی طبقہ صدر بش اور ان کی پالیسی سے مطمئن نظر نہیں آتا ہے، دنشوران، صحافی، سیاسی لیڈران سے لے کر عوام تک کی یہی خواہش ہے کہ صدر بش کی war and terror پالیسی صحیح نہیں، آجکل تو کانگریس میں بڑی زور وشور سے اس بات پر C جاری ہے کہ فوج کو جتنی جلد ہوسکے عراق سے واپس بلالیا جائے، جبکہ صدر بش اسے اپنی انا کا مسئلہ سمجھتے ہیں اور کانگریس کی قرارداد کو ویٹو کردیتے ہیں، New

Yourk Times کے اے جائزہ کے مطابق جو جولائی ۲۰۰۷ء میں کرایا گیا ہے، ۵۱ فیصد لوگ عراق جنگ کے مخالف نظر آتے ہیں، اور مئی ۲۰۰۷ء میں ۶۱ فیصد لوگوں کی رائے تھی کہ امریکہ کو عراق سے باہر آجانا چاہیے- مذکورہ اخبار کے سروے کے مطابق جو جون ۲۰۰۷ء اور جولائی ۲۰۰۷ء میں کیا گیا، جس میں یہ پوچھا گیا تھا کہ عراق میں امریکی جنگ کی وجہ سے دہشت گردی بڑھ رہی ہے یا اس میں کچھ کمی آرہی ہے؟ جون میں ۵۱ فیصد نے کہا کہ دہشت گردی میں اور اضافہ ہورہا ہے، ۱۷ فیصد کا کہنا تھا کہ دہشت گردی میں کمی آرہی ہے، ۲۴ فیصد کا کہنا تھا کہ دہشت گردی پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑا، ۸ فیصد نے کہا کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں-

جولائی کے سروے کے مطابق ۴۴ فیصد لوگوں کا ماننا تھا کہ دہشت گردی بڑھ رہی ہے، اٹھارہ فیصد لوگوں کا کہنا تھا کہ دہشت گردی کا خاتمہ ہورہا ہے، ۲۷ فیصد کا ماننا تھا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے، ۱۱ فیصد کا کہنا تھا کہ نہیں معلوم-

ایک اور سوال کہ اس جنگ سے کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ کے جواب میں ۳۶ فیصد لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ جنگ مفید ہے، ۶۳ فیصد لوگوں کا کہنا تھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، ایک فیصد کا کہنا تھا کہ مجھے نہیں معلوم-

اپریل ۲۰۰۳ء میں اسی سوال کے جواب میں ۷۰ فیصد لوگوں کا کہنا تھا جنگ کرنا مفید ہے، ۲۷ فیصد کا خیال تھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، ۲ فیصد کا کہنا تھا کہ مجھے نہیں معلوم-

اس سے صدر بش کی حیثیت بری طرح متاثر ہوئی ہے، اس کا اندازہ مذکورہ اخبار کے اس سروے سے لگایا جاسکتا ہے جو جولائی ۲۰۰۷ء میں اس اخبار نے کیا ہے، اس کے مطابق ۲۹ فیصد کا ماننا تھا کہ صدر بش جو کر رہے ہیں وہ صحیح ہے، ۶۴ فیصد کا کہنا تھا کہ یہ غلط ہے، ۷ فیصد کا کہنا تھا کہ مجھے نہیں معلوم-

دسمبر ۲۰۰۵ء میں ۴۰ فیصد کا کہنا تھا کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں، ۵۳ فیصد کا ماننا تھا کہ ان کا یہ قدم غلط ہے، ۷ فیصد کا کہنا تھا کہ مجھے معلوم نہیں- دانشوروں کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں صدر نکسن کے ساتھ جب Water gate Scandal کا معاملہ ہوا تھا تو انہوں نے صرف اسلیے

استعفی دے دیا تھا کہ لوگ ان سے 1 زیادہ بدظن ہو چکے ہیں، صدر بش کا گراف اس سے کہیں زیادہ گھٹ گیا ہے-(ABC NEWS January 2007)

سوال :-امریکہ کے اندر مذہبی آزادی کی کیا صورت حال ہے؟ کیا وہاں پر مسلم پرسنل لا کا کوئی تصور موجود ہے؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:-امریکہ ایک جمہوری ملک ہے، یہاں ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے طریقہ پر عبادت Oلانے کی پوری اجازت ہے، جمعہ، عید + اور دیگر مذہبی پروگرام مسلمان آزادی کے ساتھ مناتے ہیں، کمپنیوں میں کام کرنے والے لوگوں کو عام طور پر جمعہ کی نماز کے لیے چھٹی آ مل جاتی ہے، البتہ مسلم پرسنل لاء کا یہاں کوئی تصور نہیں-

سوال:-امریکہ میں مسلم دعاۃ ومبلغین اور علما وقائد + کی سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور امروز وفردا پر نظر کرتے ہوئے آپ ان سے کس طرح کی جدوجہد کا تقاضا کر , گے؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:-امریکہ میں دعوتی کام کرنے کے چار پلیٹ فارم ہیں، مساجد، اسلامک اسکول، اسلامک سینٹرز اور تنظیم ،تنظیم کی مختلف شکلیں ہیں ،کچھ تنظیمیں ملکی سطح پر ہیں، کچھ صوبائی سطح پر، کچھ کی سرگرمیاں علاقہ تک ہی محدود ہیں اور کچھ اسٹوڈنس کی تنظیمیں ہیں جو - نیورسٹیوں میں کام کرتی ہیں، دعوت کی یہ تمام شکلیں دو قسموں میں منحصر ہیں، ایک وہ لوگ ہیں جن کا مقصد امریکی باشندے اور غیر مسلمان نہیں (بلکہ انہیں اس کا احساس ہی نہیں) بلکہ اپنے ہم ملک، ہم زبان، ہم خیال لوگ ہیں، اس قسم کے دعاۃ کا تعلق زیادہ تر ہندو پاک سے ہے، اس کی اصل وجہ ان مدعو کی زبان اور فکر سے نا آشنائی ہے (جو کہ دعوت کا اساسی پہلو ہے) دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ہم مذہب کے ساتھ ساتھ امریکیوں پر زیادہ توجہ مرکوز کرتا ہے، یہ عام طور پر عرب دعاۃ ہیں، غیر مسلموں سے میل جول، انہیں اپنے پروگراموں میں بلانا، ان کے پروگراموں میں جا کر اسلام کی تشریح کرنا، چرچوں میں جانا، قرآن کر *تقسیم کرنا، سیرت پر لکھی گئی کتابیں تقسیم کرنا، ان کا عام طریقہ کار ہے جو 1 حدتک مؤثر آ ہے-

موجودہ حالات کے پیش نظر میرے خیال میں دوسرا طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے،

امریکی 1 سادہ لوح ہوتے ہیں، اخلاق اور کردار سے انہیں 1 جلدی متاثر کیا جا سکتا ہے، وہ عام طور پر ہٹ دھرم نہیں ہوتے، ایسے ماحول میں صوفیۂ کرام کی سخت ضرورت ہے جن کی شکل دیکھ کر لوگ اسلام قبول کر لیں-

سوال:-ذرائع ابلاغ سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ زمانہ میں امریکہ میں تصوف اور روحانیت کو 1 زیادہ فروغ مل رہا ہے، آپ کے نزدیک اس بات کی کیا حقیقت ہے؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:-تصوف کی جہاں تک بات ہے تو آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ پوری دنیا میں روحانیت کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا ہے، یہاں امریکہ میں عرب مشائخ ،oo% ترک مشائخ اور نیو مسلم امریکی اس طرف 1 تیزی سے بڑھ رہے ہیں ،رومی کی امریکہ میں مقبولیت سے متعلق میرا ایک مضمون جام نور میں شائع ہو چکا ہے، حضرت رومی کی کتاب پڑھ کر امریکی اسلام سے 1 زیادہ قریب ہوتے ہیں، یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ ہندوستان جہاں کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنی ایک نگاہ سے لاکھوں دلوں کو ایمان کی دولت عطا کر دی تھی اور صحراء افریقہ میں جو کام مرابطین کی جماعت نے کیا، ٹھیک اسی کام کو ماضی قریب میں سری لنکا کے ایک صوفی منش درویش بابا عبدالرحیم نے انجام دیا، بابا عبدالرحیم سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھنے والے بزرگ تھے، ظاہری خدوخال اور شکل وصورت سے درویشی پھوٹتی تھی، ,, ہر کالے رنگ کے (جیسا کہ سری لنکا کے باشندے عام طور پر ہوتے ہیں) مگر بلال حبشی کا اثر ان کے قلب وجگر میں بسا ہوا تھا، انہیں اپنی علاقائی زبان تامل کے علاوہ کوئی دوسری زبان آ نہیں آتی تھی، مگر ان کے دل کی زبان سے جو بات نکلتی تھی سننے والے انگریز کے دل میں اتر جاتی تھی، ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو اور دل موہ لینے والی بات ہی کی وجہ سے امریکہ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری روبرٹ مولر نے انہیں خصوصی دعوت دے کر بلایا تھا اور اسلام کی آفاقی دعوت اور امن وامان کے پیغام سے متعلق کچھ گزارشات آ کی تھی، جو امریکیوں کے دلوں میں گھر کر گئی، پھر تو بابا عبدالرحیم کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے، ایک دو درجن نہیں سیکڑوں یہود-ں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، سری لنکا واپس چلے گئے ت حلقہ

بگوشوں کو راحت نصیب نہیں ہوئی ،اتنے مصر ہوئے کہ پھر یہاں آ کر ہی آباد ہونا پڑا، ۱۹۸۶ء میں آپ کا وصال ہوا، جاں نثاروں نے ٹھیک اسی طرح مزار کی تعمیر کی جیسا کہ ہند وپاک میں مزرات گنبد کے ساتھ تعمیر کیے جاتے ہیں اور امریکہ کے صوبہ Philadelphia میں آج تک آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے، مجھے ذاتی طور پر جولائی ۲۰۰۶ء میں زیارت کا شرف ملا ہے، میں نے ان لوگوں سے بات آ کی جنہیں ان کے قدموں میں بیٹھنے کا شرف ملا ہے، بابا عبدالرحیم فلوشپ کے نام سے انہوں نے ایک تنظیم —ئی ہے، جس کا کام تصوف کا فروغ، پیغام اسلام کی ترویج واشاعت، سالانہ عرس اور لٹریچر کی طباعت ہے، کانگریس لائبریری سے آپ کے اکثر ملفوظات چھپ کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں-اس میں کچھ شک نہیں کہ آج آ اسلام کی تبلیغ کا صحیح کام صوفیۂ کرام ہی انجام دے رہے ہیں-

سوال:-رؤیت ہلال اور اس طرح کے دوسرے مسائل کے حوالے سے امریکی علما اور مسلمانوں کا نظریہ وعمل کیسا ہے؟ خصوصا علماے اہل سنت کا عمومی رویہ کیسا ہے؟ اگر اس حوالے سے امریکی مسلمانوں کے لیے کچھ ''خاص عذر'' سمجھتے ہیں تو ان کی وضاحت کر , ؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:-رؤیت ہلال سے متعلق امریکہ میں چار ادارے ہیں ،ایک یہاں کی سب سے بڑی تنظیم اسنا ہے، جو سعودی عرب کا ترجمان ہے، انہوں نے سعودی کیلینڈر کی روشنی میں اپنا ایک کیلینڈر ترتیب دے رکھا ہے چاند دیکھنا کوئی ضروری نہیں سمجھتے ، بلکہ اس کے عبادت ہونے کا آ انکار کرتے ہیں، جبکہ ان کے کیلینڈر کو خود سعودی ماہر + نے چیلنج کر رکھا ہے-

دوسرا ادارہ د - بند -ں کا ہے، جو امریکہ کے بڑے بڑے صوبوں میں موجود ہے، یہ لوگ حنفی اصول کو ہی سامنے رکھ کر فیصلے کرتے ہیں مگر کبھی کبھی سعودی مصلحت آ ان کے آڑے آجاتی ہے تو اس جماعت کے بڑے بڑے قاضی آ Under the Table سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور غلط Ò نی سے باز نہیں آتے ،جیسا کہ گذشتہ عید میں ہوا-

تیسرا ادارہ علما اہل سنت کا ہے، جو چاند کے معاملہ میں بڑا محتاط رویہ رکھتا ہے اور شہادت

ورؤیت پر ہی اس کا پورا دارومدار ہے، ہم لوگ یہاں ٹیلیفونک گواہی کو آ تسلیم کر لیتے ہیں اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں متعدد ٹیلیفون کو استفاضہ کے حکم میں مان کر چاند کا اعلان کر دیا جاتا ہے، مولانا قمر الحسن بستوی صاحب جو کہ جماعت کے قاضی ہیں، ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں کہیں چاند نظر آجاتا ہے اس علاقہ کے کسی سنی عالم کو اپنی قضاء بذریعہ ٹیلیفون تفو ! کر دیتے ہیں، وہ عالم وہاں موجود لوگوں سے گواہی لیکر اعلان کر دیتا ہے-

ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد کرنے کی کئی وجوہات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ امریکہ 1 بڑا ملک ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں ہوائی جہاز سے گھنٹوں لگ جاتے ہیں، مختلف صوبوں کے مابین تین تین گھنٹوں کا فرق ہے، یہ اور اس طرح کی دیگر شرعی وجوہات کے پیش نظر ٹیلیفون کی خبر کو معتبر مان لیا گیا ہے-

چوتھا ادارہ ماہر + ہیئت اور ڈاکٹروں کا ہے، یہ لوگ سائنس کو وسیلہ کی حیثیت دیتے ہیں، اپنے علم کی روشنی میں امکان رؤیت کا اعلان پہلے ہی سے کر دیتے ہیں، رؤیت نہ ہونے پر یہ علما کی موافقت کرتے ہیں، انہوں نے اپنی تنظیم میں د - بندی اور سنی دونوں ہی علما کو شامل کر رکھا ہے اور دونوں کے مشورہ سے فیصلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ گرچہ منجھے ہوئے سائنٹسٹ ہیں مگر ان کی تنظیم ا آ ابتدائی مرحلہ میں ہے، مئی ۲۰۰۷ء میں ان لوگوں کے ساتھ کیلیفورنیا میں منعقد ایک نیشنل سیمینار میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا، جس میں مولانا زرقانی صاحب آ شریک تھے، ذاتی طور پر میں ان کے طریقہ کار سے متفق ہوں اور میرے نزدیک اختلاف کو حل کرنے کا یہ 1 آسان ذریعہ ہے-

سوال:-جام نور کے حوالے سے آپ کے جذبات کیا ہیں؟

مولانا منظر الاسلام ازہری:-جام نور اہل سنت وجماعت کا معیاری اور مقبول تر + رسالہ ہے، اس کے قارئین باشعور ہیں، گزشتہ کئی سالوں سے آپ کی ادارت میں کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے، مختلف حلقوں سے خراج تحسین آ حاصل کر رہا ہے، میں ہمیشہ اسے ترقی کے بام عروج پر دیکھنا چاہتا ہوں، اللہ تعالی اس کی عمر دراز فرمائے-□□□

(شمارہ ستمبر ۲۰۰۷ء)

مفتی محمد نظام الد + رضوی

صدر: شعبۂ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

حسب ونسب اور مال ودولت سے تو 1 سے لوگ پہچانے جاتے ہیں، مگر اپنی ذاتی خوبیوں اور علمی لیاقتوں کے سبب شہرت ومقبولیت 1 کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے- محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الد + رضوی کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنے علم وفکر کے سبب پہچانے جاتے ہیں- آپ ضلع کشی نگر (- پی) کی ایک پسماندہ وغیر معروف بستی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے حصول کے ^ ہندوستان کی مایۂ ناز درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور حاضر ہوئے اور وہیں سے ۸۰ء میں معقولات ومنقولات سے فراغت حاصل کی، اس کے ^ دوسالوں تک شارح g ری مفتی محمد شریف الحق امجدی سے فقہ وافتا میں خصوصی استفادہ کرتے رہے- ۸۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے منصب تدریس وافتا پر فائز ہوئے اور تادم تحریر تربیت افتا، فتویٰ نویسی اور درس نظامیہ کی منتہی کتابوں کی تدریس میں مصروف ہیں- آپ ''مجلس شرعی'' مبارک پور کے ناظم ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ کے شعبۂ افتا کے صدر ہیں- آپ نے دہلی، ممبئی، حیدرآباد اور علی گڑھ کے دسیوں دینی، علمی اور سماجی سمیناروں میں شرکت فرمائی اور اپنی گراں قدر علمی مباحث سے غالب ونمایاں رہے- آپ کی نوک قلم سے درجنوں علمی وتحقیقی کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں، جن میں عصمت انبیا، مشینی ذبیحہ مذاہب ار > کی روشنی میں جدید بینک کاری اور اسلام، شیئر بازار کے مسائل اور لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم، نے رخاص ارباب علم و دانش سے سند قبول اور داد وتحسین حاصل کی ہیں- ذاتی حیثیت میں مفتی صاحب خلیق وملن سار، متواضع اور متحمل و بردبار ہیں- ان کی سادگی، شرافت اور شیر ، گفتاری ہر شخص کو پہلی ہی نظر میں اپنا اسیر —لیتی ہے-

سوال:- عصر حاضر میں جب کہ ہر صبح نت نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں، فقہ وافتاء کی اہمیت وضرورت کس قدر بڑھ گئی ہے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:- فقہ وافتاء کی ضرورت ہر دور میں تھی اور آج ہے لیکن آج کے دور میں اس کی ضرورت 1 زیادہ بڑھ چکی ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس شعبہ میں قحط الرجال پڑا ہوا ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ طرح طرح کے دینی، مذہبی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی اور عصری مسائل نہ تھمنے والے طوفان کی طرح سب کو اپنے گھیرے میں لیتے جارہے ہیں- جن شخصیات سے ان مسائل کے شرعی حکم یا حل کے اظہار کی توقع ہوسکتی تھی وہ ایک تو گوناں گوں مصروفیات کے ہجوم میں گھری ہوئی ہیں، دوسرے سہولیات اور وسائل کی بڑی حد تک کمی ہے، کچھ اور اسباب ہیں جن کے باعث تمام نو پیدا مسائل پر گہری نظر، ان کے حقائق، مضمرات اور منافع ومضار کا وسیع مطالعہ، پھر کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے شرعی احکام کی تحقیق وتنقیح، وغیرہ میں دشواری پیش آرہی ہے، ان تمام مشکلات کا جائزہ لینے کے ^ گیارہ سال پیشتر جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں ''مجلس شرعی'' کا قیام عمل میں آیا تھا جس کے زیر انتظام عظیم الشان پیمانے پر فقہی سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں اور نو پیدا مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ فقہا کی ٹیم تیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ ممکن حد تک ضرورت کی تکمیل ہوسکے، الحمدللہ! یہ کوشش بارآور ہورہی ہے-

اس امت کو ''خیر امت'' کا اعزاز اس لیے بخشا گیا کہ یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی ہے، ارشاد باری ہے ''**کنتم خیر امة اخرجت للناس تأ مرون بالمعروف و تنهون عن المنکر**'' جوامتیں لوگوں میں ظاہر ہوئیں ان میں تم سب سے بہتر امت ہو، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو- (سورہ آل عمران: ۳، آیت: ۱۱۰) یہ فریضہ زیادہ تر فقہ وافتاء کے ذریعہ انجام پاتا ہے اس لیے اس کی ضرورت و اہمیت زیادہ ہے-

سوال:- آج کل مدارس میں جو فقہ کی تعلیم ہورہی ہے، آپ کی نظر میں وہ کہاں

تک اطمینان j ہے؟ اور آپ کی رائے میں فقہ کی تعلیم کیسی ہونی چاہیے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:-سوال کے پہلے جز کے متعلق فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: ''آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں Ï دا4 نہیں ہوتا''-(فتاویٰ رضویہ،ص:۵۶۵،ج:۴)

اور دوسرے جز کے تعلق سے حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''جو کچھ اس زمانے میں مدارس میں تعلیم ہے وہ ظاہر ہے، اول تو درس نظامی جو ہندوستان کے مدارس میں عموماً جاری ہے اس کی تکمیل کرنے والے Ï 1 قلیل افراد ہوتے ہیں، عموماً کچھ معمولی طور پر پڑھ کر سند حاصل کر لیتے ہیں اور اگر پورا درس پڑھا تو اس پڑھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اب اتنی استعداد ہوگئی کہ کتابیں دیکھ کر، محنت کر کے علم حاصل کر سکتا ہے ورنہ درس نظامی میں دینیات کی جتنی تعلیم ہے ظاہر ہے کہ اس کے ذریعہ سے کتنے مسائل پر عبور ہو سکتا ہے-ان نو آموز مولو-ں کو ہم خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ تکمیل درس نظامی کے ^ فقہ واصول وکلام وحدیث وتفسیر کا بکثرت مطالعہ کر , اور د + کے مسائل میں جسارت نہ کر , ، جو کچھ د + کی باتیں ان پر منکشف ہو جائیں ان کو 0ن کر , اور جہاں اشکال پیدا ہو اس میں کامل غور وفکر کر , کہ علم کی بات پوچھنے میں کبھی عار نہ کرنا چاہیے''(۰ رشریعت،ص:۱۴۰،حصہ۱۵،حج کا 0ن)

سوال:- پھر فقہ کی کما حقہٗ تعلیم جس سے طلبہ کے اندر غیر معمولی ذوق تحقیق اور جدید مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، کیا صورت ہے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:- اس کے لیے ''تخصص فی الفقہ'' کا کورس مکمل کرنا ضروری ہے-تخصیص کی وجہ سے خوابیدہ صلاحتیں بیدار ہو جاتی ہیں، دل ودماغ کے دریچے کھل جاتے ہیں اور محقق یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی اندھیرے سے روشنی کے اجالے میں آ گیا ہے اس کی افادیت واہمیت وضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سراج الامہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائج علوم وفنون کی تکمیل کے ^

اختصاص کے لیے فقہ کا ہی انتخاب فرمایا، آپ ہی کی تقلید میں میں نے جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے درجۂ اختصاص فی الفقہ میں داخلہ لیا اور آج اس کے پاس تھوڑی 1 جو کچھ Ï برائے نام فقہ کی پونجی ہے وہ اسی درجے کی برکت ہے-

سچ یہ ہے کہ صرف عمومی نصابی تعلیم کا فارغ التحصیل کسی شعبے میں کوئی بڑا قابل قدر کارنامہ نہیں انجام دے سکتا جبکہ اس شعبے کا محقق محنت اور لگن کے ساتھ کام کرے تو زمانہ کو حیرت زدہ کر سکتا ہے، ہم غیروں میں اس کی مثال پیش کر سکتے ہیں لیکن ضرورت ہے کہ ہم میں سے کچھ لائق افراد آگے بڑھیں اور خود اس کی مثال بن کر افق عالم پر نمودار ہو جائیں-

فقہی مہارت پیدا کرنے کا دوسرا ذریعہ فقہی مذاکرات کی بحثوں میں حصہ لینا ہے اس کے ذریعہ ایک اچھی ٹریننگ ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی جدید مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی قدرت Ï مل جاتی ہے-

سوال:- یہاں مدعیان اسلام کی ایک ایسی جماعت Ï ہے جو ''فقہ'' کو قرآن وحدیث سے زائد اور اس کی تعلیم کو غیر ضروری قرار دیتی ہے- یہ اعتراض کہاں تک درست ہے اور اس کا صحیح جواب کیا ہے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:-ان حضرات کی بات پر مجھے ایک شعر یاد آ رہا ہے ؎

ساغر کو گھٹا، محل کو پیمانہ سمجھتے ہیں
یہ لوگ حقیقت کو افسانہ سمجھتے ہیں

قرآن حکیم میں ہے: **وما کان المؤ منون لینفروا کآفۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طآئفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون** o اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تا کہ ''فقہ د +'' حاصل کر , اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں-(عذاب الٰہی سے احکام د + کا اتباع کر کے)

(سورۂ توبہ:۹،آیت:۱۲۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا" من یرد اللّٰہ بہٖ خیرا یفقھہ فی الدین " اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے د + کا فقیہ ¯ تا ہے-(g ری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" فقیہٌ واحدٌ اشد علی الشیطان من الف عابدٍ" ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے(جامع ترمذی)

وجہ ظاہر ہے کہ ایک شیطان ہزار عابدوں کو بہکا سکتا ہے لیکن ہزار شیطان مل کر Ì ایک فقیہ کو نہیں بہکا سکتے-

آیۃ کریمہ اور احادیث نبویہ سے روز روشن کی طرح ''فقہ د +'' کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہر انصاف پسند مسلمان کر سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے کہ اس اعتراض کی حیثیت کیا ہے اور اس کا سبب کیا ہے، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن حکیم کی جملہ آیات اور احادیث نبویہ پر ایمان رکھنا فرض ہے-

فقہ کے دلائل چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس- اجماع اور قیاس کی حجت کا ثبوت Ì کتاب وسنت سے ہے جس کو علما نے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے-

سوال:- حدیث میں اختلاف رائے کو رحمت کہا گیا ہے-مگر ہمارے یہاں اسے تنقیص اور زحمت تصور کیا جاتا ہے، آخر کیوں؟ آخر اس تصور میں تبدیلی کس طرح ممکن ہے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:- انہیں نرمی کے ساتھ سمجھایا جائے کہ دلائل اور نیک نیتی کی بنیاد پر فروعی مسائل میں اختلاف جائز ہے، بلکہ حدیث پاک میں اسے امت کے لیے رحمت C یا گیا ہے، ہاں! جو مسئلہ ضروریات د + سے ہو یا اجماعی ہو، یا کتاب وسنت میں اس کی صراحت ہو، یا کم از کم ائمہ ار › کے نزدیک متفق علیہ ہو اس میں اختلاف جائز نہیں کہ دراصل یہی اختلاف زحمت ہے، عوام یہ سمجھتے ہیں کہ مطلقاً ہر اختلاف مذموم ہے اس لیے ان کی تفہیم ضروری ہے-

سوال:- کچھ عرصہ قبل آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جائز ہونے پر اپنی تحقیق پیش

فرمائی تھی، جو کتابی شکل میں ''لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم'' کے نام سے شائع ہوئی، اس پر علما اور عوام کی جانب سے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:- الحمد للہ! برصغیر اور -رپ وامریکہ میں اس کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے، ہر چہار سمت سے اس کی ستائش اور پذیرائی ہوئی، کتنے علما اسی موقف کے حامی ہو گئے اور کچھ علمائے کرام نے اختلاف رائے Ì کیا-

سوال:- انہوں نے غیر علمی انداز میں جس طرح آپ کی تحقیق پر دشنام طرازی کی اور طوفان کھڑا کیا، اس سے آپ کو نہیں لگتا کہ اجتہاد اور تحقیق کا دروازہ دانستہ طور پر ہمارے یہاں بند کیا جا رہا ہے؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:- میں نے اجتہاد کا دروازہ کھولا ہی نہیں کہ کسی کو اسے بند کرنے کی ضرورت پیش آئے- واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں شروع سے ہی فقہائے اہل سنت کے درمیان دلائل کی ¯ پر اختلاف رہا ہے، جواز کے قائلین میں مبلغ اسلام حضرت علامہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ سیدی اعلیٰ حضرت اور دوسرے کئی اجلہ علما سر فہرست ہیں، ہم نے اس باب میں انہی کا دامن تھام لیا اور ایسے فقہی، فروعی، نو پیدا اختلافی مسئلے میں اس کی شرعاً اجازت ہے کہ کسی ایک طبقہ علماء کا موقف اختیار کیا جائے، اس سے عیاں ہے کہ ہم نے نہ اختلاف کیا ہے اور نہ یہ میری اپنی ذاتی رائے ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کثیر مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے تلامذہ نے اختلاف کیا اور آج انہی تلامذہ کے 1 سے اقوال پر بے شمار علما کا عمل وفتویٰ ہے اور ان کی طرف امام اعظم سے اختلاف کا کسی کو شبہہ اور وہم تک نہیں ہوتا-

سوال:- بریلی کی ''شرعی کونسل'' نے اپنے حالیہ سیمینار میں کچھ نرمی برتی ہے اور جم غفیر ہونے کی صورت میں مکبر کے ساتھ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کو جائز قرار دیا ہے، اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اب Ì آپ مطلقاً لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے قائل ہیں یا مکبر کے ساتھ؟

مفتی محمد نظام الد + رضوی:- شاید آپ نے میری کتاب ۱۹۸۹ء کے ^ نہیں پڑھی اس میں یہ نرمی Ì ہے اور مکبر رکھنے کی ہدایت Ì -□□□ (شمارہ جنوری ۲۰۰۵ء)

مولانا وارث جمال قادری

صدر: آل انڈیا تبلیغ سیرت، ممبئی

ملک کی صنعتی راجدھانی عروس البلاد ممبئی پوری دنیا میں اپنی مختلف خصوصیات کی وجہ سے جانا جاتا ہے- اس کی ایک بڑی خصوصیت مذہبی مزاج اور روحانی روایات واقدار کے ساتھ گہری وابستگی آ ہے-جب اسلاف Üاری پورے ملک کو گھن کی طرح کھا رہی تھی ، اہل سنت و جماعت کے قد * مسلک کو اسی سرزمین نے مادی توانائی فراہم کی-بیسو , صدی کے نصف آخر میں جن اکابر علما نے اس سرزمین کا رخ کیا اور اس کی زرخیز -ں سے مذہب ومسلک کی کشت ویراں کی آÖری کی، ان میں مولانا وارث جمال قادری (پیدائش غالباً ۱۹۵۰ء) کا نام آ 1 نمایاں ہے- الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے معقولات ومنقولات سے فراغت کے ^ممبئی پہنچے، ۱۹۷۸ء سے آل انڈیا تبلیغ سیرت سے وابستہ ہوئے اور نہایت سرگرم عمل رہے- آج ممبئی کی سرزمین پر جو لوگ فصلیں کاٹ رہے ہیں، شاید ان میں 1 کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کو اگانے میں حضرت سید العلما مولانا آل مصطفےٰ مارہروی کی ’سنی جمعیۃ العلما‘ اور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی کی ’آل انڈیا تبلیغ سیرت‘ کا نمایاں کردار رہا ہے-مولانا وارث جمال قادری آل انڈیا تبلیغ سیرت کے بینر تلے مختلف سیاسی ، سماجی ، مذہبی اور ملی کاموں میں پیش پیش رہنے کے علاوہ اپنی تصنیفات ’بھیگی پلکوں کا بوÜ‘، ’کیا اسلام میں بریلوی کوئی فرقہ ہے؟‘، ’امام شعر وادب‘، ’اسلام اور شادی‘، ’جہان حیرت‘، ’انوار کنز الایمان‘ وغیرہ سے آ جانے جاتے ہیں- آج ممبئی میں مذہبی سرگرمیوں کی جگہ شخصی رقابتیں پروان چڑھ رہی ہیں، ایسے میں آج ضرورت ہے تفکر وتدبر کی، جہد وعمل کی اور پیش رفت کی-لیکن یہاں تو ہر کوئی شا کی ہے-

سوال: -آل انڈیا تبلیغ سیرت سے آپ کب وابستہ ہوئے اور کس طرح اس کے منصب صدارت تک پہنچے؟

مولانا وارث جمال قادری: -آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئی میں ۱۹۷۸ میں قائم ہوئی - اس سے پہلے یہ تنظیم ملک کے دوسرے حصوں میں تو تھی مگر ممبئی میں نہیں تھی- اس سے پہلے یہاں سنی جمعیۃ العلما تھی مگر حضور سید العلما سید آل مصطفےٰ مارہروی کے وصال کے ^ یہ زوال پذیر ہوگئی تھی اور جس طرح دوسری تنظیموں کا حشر ہوتا ہے یہ آ سمٹ کر رہ گئی، اس کی وجہ سے علما اور ذمہ داروں نے حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی علیہ الرحمہ پر دباؤ ڈالا اور اصرار کیا کہ ممبئی کے اندر آ آل انڈیا تبلیغ سیرت کا قیام عمل میں لایا جائے- چنانچہ حضرت مجاہد ملت ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے لیے تیار ہوگئے اور ۱۹۷۸ء میں اس کا پہلا اجلاس ممبئی میں ہوا جس میں خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی آ شریک ہوئے اور اس کی غرض وغایت کے حوالے سے خطاب فرمایا- میں آ اس اجلاس میں شریک تھا اور اسی وقت سے میں آل انڈیا تبلیغ سیرت سے نہ صرف وابستہ رہا بلکہ اس میں سرگرم عمل آ رہا- اس وقت آل انڈیا تبلیغ سیرت کے بینر تلے 1 سے مذہبی وسماجی کام ہوئے ، پھر جب حضرت مجاہد ملت کا وصال ہوگیا تو یہ تنظیم سردمہری کا شکار ہوگئی اور ایک عرصہ تک سناٹا چھایا رہا- پھر بابا کی تحریک پر اس کا احیا کیا گیا-تبلیغ سیرت کو بابا ہی فائنانس کرتے تھے- اس سے بڑے بڑے لوگ وابستہ ہوئے اور ہر طبقہ کے لوگ اس سے جڑ کر کام کرنے لگے- احیا کے ^ حضرت مولانا سید محمد ہاشمی میاں کو جنرل سکریٹری اور مولانا عاشق الرحمٰن الہ آبادی کو صدر ¯ یا گیا- مجھے نائب صدر یا جوائنٹ سکریٹری کا عہدہ دیا گیا، اس کے ^تبلیغ سیرت میں نئی جان پڑ گئی- اسی زمانہ میں میرٹھ، ملیانہ، سیتا مڑھی اور ملک کے دوسرے حصوں میں فسادات برپا ہوئے ، ان فسادات میں تبلیغ سیرت نے ریلیف کا کام بڑے پیمانے پر کیا- ¸ گل پور فساد میں اس زمانے میں ۹ / لاکھ روپے کا سامان اور پیسہ متاثرہ افراد تک پہنچایا گیا- اس وقت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ ¸ گل پور

میں کیمپ لگائے ہوئے تھے-تبلیغ سیرت کی ساری گاڑیاں انہیں کے کیمپ کے پاس خالی کی گئیں اور انہی کے ہاتھوں تمام سامانوں کی تقسیم کا عمل ہوا- میرٹھ اور ملیانہ کے فسادات میں تو تبلیغ سیرت کی طرف سے مولانا سید سراج اظہر صاحب اور احسان اللہ پہلوان کے ساتھ میں خود آ گیا تھا- خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے سماجی اور رفاہی کام بڑے پیمانے پر آل انڈیا تبلیغ سیرت کے ذریعے ہوا- پھر اس کے ^ میرٹھ، ملیانہ اور ملک کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کے قتل عام کا سیاسی جواب دینے کے لیے آل انڈیا تبلیغ سیرت نے کانگریس کو منھ توڑ جواب دیا- حضرت علامہ سید حامد اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں کانگریس کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی- اس کا اثر یہ ہوا کہ ۱۹۷۹ء میں دہلی سے کانگریس بے د4 ہوگئی اور جنتا دل اقتدار میں آ گئی- چونکہ جنتا دل کو تقویت پہنچانے میں ہمارا عملاً حصہ تھا، اس لیے اس کا اثر یہ ہوا کہ اس وقت دہلی میں علماے اہل سنت کا اثر ورسوخ اور عمل د4 بڑھ گیا تھا- اس کے گواہ مولانا یٰسین اختر مصباحی اور دوسرے لوگ ہیں جو اس وقت دہلی میں موجود تھے-

۱۹۹۰ء میں جب پوری دنیا عراق کے خلاف متحد ہوگئی تھی اس وقت آل انڈیا تبلیغ سیرت نے اعلانیہ عراق کی حمایت کی، اس پر 1 سے اخبارات نے واویلا آ مچایا- اس وقت عراق کی حمایت میں آل انڈیا تبلیغ سیرت نے جو کچھ کیا اس کی روداد 1 طویل ہے- نہ اس کے لیے وقت ہے اور نہ گنجائش، ہم نے اسے الگ سے کہیں لکھا ہے- اس وقت جو اور 1 سے کام ہوئے ان میں ایک بڑا کام یہ آ ہوا کہ کئی بار ہمارا عراق کا دورہ ہوا، دو بار میں خود آ شریک رہا اور وہاں پر پہلی بار عالمی سطح پر اہل سنت و جماعت کا تعارف امام احمد رضا قادری بریلوی کے حوالہ سے کرایا گیا- وہاں بین الاقوامی کانفرنس میں ۷۰ رممالک کے نمائندے شریک تھے- علما، ماہر +تعلیم، وزراے اوقاف، سفرا کے سامنے مقالہ پڑھا گیا اور اس طرح پہلی بار اعلیٰ حضرت اور ان کے ا° رکا تعارف عالم عرب اور عالم اسلام میں شاندار طریقے پر کرایا گیا- فتاویٰ رضویہ کی جلد اول جو زیادہ تر عربی مشمولات پر مشتمل ہے اور الدولۃ المکیہ کا عربی نسخہ ہم لوگ ساتھ لے گئے تھے، ہم نے مندوبین میں انہیں تقسیم کیا-

حالات چوں کہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، جہد وعمل میں سردی وگرمی آتی رہتی ہے- چنانچہ پھر ایک وقت آیا جب آل انڈیا تبلیغ سیرت کی سرگرمیوں میں جمود آ گیا- اس چیز کو حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا اور انہوں نے مجھے خط لکھا کہ میں ممبئ کے راستے سے کیرالا جارہا ہوں، ایک رات ممبئ ٹھہروں گا، تم مجھے ممبئ سینٹرل سے لے لو، مجھے تنہائی میں چند گھنٹے تمہارے ساتھ گفتگو کرنی ہے- سوئے اتفاق کہ حضرت کا خط مجھے نہیں موصول ہوسکا اور میں حضرت کو لینے نہیں جاسکا- جب حضرت ممبئ آ گئے تو انہوں نے مولانا معین الحق علیمی سے مجھے فون کرایا اور کہلایا کہ حضرت علامہ آپ کو یاد کررہے ہیں- میں نے حضرت سے فون پر بات کی تو حضرت نے ناراضگی کا اظہار کیا- میں نے معذرت کی اور C یا کہ حضرت کا خط مجھے موصول نہیں ہوسکا تھا- حضرت نے کہا کہ تم فوراً میرے پاس آؤ، مجھے 1 ضروری بات کرنی ہے- یہ ۱۹۹۳ء کے ممبئ فسادات کے ^ کا زمانہ تھا- میں نے کہا کہ اتنی رات میں آنا میرے لیے اچھا نہیں ہے- شہر کے حالات بہتر نہیں ہیں- حضرت میں صبح سات W آپ کی خدمت میں حاضر آ جاؤں گا اور آپ کے ساتھ ہی ایئر پورٹ چلوں گا، اس طرح پانچ چھے گھنٹے کا وقت مل جائے گا-

الغرض میں صبح کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا- حضرت نے فرمایا کہ دیکھو اپنی جتنی تنظیمیں تھیں ان میں سے اکثر درگور ہوچکیں، ‰ بستر مرگ پر ہیں تو ‰ زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہیں- آل انڈیا تبلیغ سیرت آ سرد پڑی ہوئی ہے- اس وقت جماعت کے اندر تنظیمی، سیاسی اور سماجی سطح پر مکمل جمود ہے- غیروں کے پاس متعدد تنظیمیں ہیں اور بااثر ہیں- مگر اپنی جماعت کے پاس کچھ آ نہیں ہے- میں چاہتا ہوں کہ جماعتی سر بلندی کے لیے ایک بار اپنی تمام توانائیوں کو نچوڑ کر رکھ دوں اور جماعت کے لیے کچھ کر ڈالوں، اس کے لیے تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا- تم آل انڈیا تبلیغ سیرت کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ایک ہنگامی میٹنگ بلاؤ اور تم لوگوں کے سامنے میری بات رکھو اور اس کی ضرورت کا انہیں احساس دلاؤ، تاکہ سیاسی سطح پر جماعت کے وجود کو ثابت کیا جاسکے-

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ C نا چاہوں گا کہ ہمارے یہاں تمام تر سیاسی سر

گرمیوں کو شجر ممنوعہ سمجھا جاتا ہے- ایسے میں حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی بصیرت کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ انہوں نے آل انڈیا تبلیغ سیرت کے دستور میں ایک کالم یہ Ì رکھا کہ اس تنظیم کو سیاست حاضرہ سے تعلق رہے گا- یہ عملی سیاست میں حصہ تو نہ لے گی لیکن باہر سے عام مسلمانوں کے اور جماعت اہل سنت کے مفاد میں سیاسی سطح پر جو کچھ کرسکتی ہے، کرے گی-

خیر! علامہ کے مشورے پر میں نے بڑی ہنگامی میٹنگ کی اور علامہ کے احساس کو شرکا کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی- اس کا اثر یہ ہوا کہ اکثریتی نہیں کلی طور پر حضرت علامہ کی باتوں کی تائید کی گئی- اس میٹنگ میں براؤں شریف کے مولانا حنیف قادری رحمۃ اللہ علیہ Ì شریک تھے- انہوں نے کہا کہ حضرت علامہ ارشد القادری شہرت وعظمت کی جس بلندی پر ہیں انہیں اب کسی مزید شہرت کی ضرورت نہیں ہے- یہ علامہ کا سراپا اخلاص ہے- ان کے وجود میں تو خود ہی کئی جماعتیں گم ہیں- شہرت کے لیے انہیں آپ کی تنظیم کی ضرورت نہیں ہے- انہیں سیاسی اور سماجی سطح پر جماعت کی کس مپرسی دیکھی نہیں جارہی ہے- اس لیے وہ بے چین ہیں، ہمیں کھل کر ان کا تعاون کرنا چاہیے اور ان کی آواز میں آواز ملانا چاہیے-

میٹنگ کے ^ میں نے حضرت علامہ کو تمام باتوں سے مطلع کیا اور C یا کہ تمام لوگوں نے کلی طور پر آپ کی موافقت کی- آپ تشریف لائیے اور کام آگے بڑھائیے- اس پر علامہ نے کہا کہ آل انڈیا تبلیغ سیرت کے صدر مولانا عاشق الرحمٰن ہیں، اس لیے پہلے انہیں مطلع کیجیے اور ان کی تائید حاصل کرنے کے ^ مجھے C یئے- میں نے مولانا عاشق الرحمٰن صاحب کو رجسٹری کی لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا- ادھر تاخیر کی وجہ سے علامہ صاحب کا دوبارہ خط Ì آ گیا کہ آپ نے مجھے کوئی خبر نہیں دی- اب میں نے اس زمانے میں جب کہ فون کافی مہنگا تھا، مولانا عاشق الرحمٰن الہ آبادی صاحب کو فون کیا اور میں نے اپنے خط کے بارے میں پوچھا- انہوں نے کہا کہ ہاں! وہ آپ کا خط مل گیا تھا اور ساتھ ہی علامہ صاحب پر برس پڑے- ایسا معلوم ہورہا تھا کہ وہ 1 دنوں سے 1/2 ے بیٹھے ہوں، موقع ملتے ہی وہ بالکل پھٹ پڑے- میں نے کہا کہ آپ نے حضرت علامہ کے خلاف جتنے

چارج لگائے ہیں ان میں میری طرف سے دس چارج کا مزید اضافہ کرلیں لیکن اس کے ساتھ آپ C ئیں کہ اہل سنت و جماعت کے حوالے سے اس بندے کی جو عالمی خدمات ہیں ، کیا آپ ان کو فراموش کرسکتے ہیں- یہ شخص آج عالمی سطح پر سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی شناخت ¯ ہوا ہے اور صرف اپنی خدمات پر ¯ ہوا ہے- کیا آپ اس سے انکار کر , گے؟ اور کیا جس کام کے لیے وہ ہمیں آمادہ کررہا ہے اس کی ضرورت سے آپ انکار کر , گے؟ آپ تقویٰ اور طہارت کی بات کررہے ہیں- جماعتیں صرف تقویٰ اور طہارت سے نہیں چلا کرتیں- آپ اسے لے کر بیٹھے رہیے- مولانا اس پر 1 گرم ہوگئے اور زور زور سے مجھے ڈانٹنے لگے- میں نے کہا مولانا! میں کوئی آپ کا مرید یا شاگرد نہیں کہ آپ مجھ سے اس طرح باتیں کررہے ہیں- آپ جس جماعت کے صدر ہیں میں اس کا جنرل سکریٹری ہوں- آپ علامہ غلام جیلانی میرٹھی کے شاگرد ہیں ان کا شاگرد میں Ì ہوں- پھر کیوں آپ مجھے اس انداز سے مخاطب کررہے ہیں؟ آپ خیال رکھیں کہ میں آپ کا مرید یا شاگرد نہیں ہوں-

اس پر مولانا نے فون رکھ دیا- اب وہ دن تھا اور آج کا دن ہے- مولانا نے پھر پلٹ کر نہیں دیکھا- مولانا سراج اظہر صاحب نے انہیں کرایہ بھیجا کہ آپ ممبئی تشریف لائیں، معاملے کا تصفیہ کرلیا جائے- مولانا نے کرایہ واپس کردیا اور اور نہیں آئے- کچھ دنوں ^ یہاں کے ایک صاحب ثروت کی دعوت پر ممبئی آئے اور دو تین آدمی کو لے کر، ذمہ داران جماعت سید مثنیٰ میاں صاحب وغیرہ کسی کو Ì کوئی اطلاع دیے بغیر خود سے ہی جماعت کو منسوخ قرار دے دیا اور اپنی طرف سے ایک ایسے شخص کو جماعت کو سپرد کردیا، جو جماعتی مفاد کے سخت خلاف تھا اور موصوف اخبارات میں خبر چھپوا کر واپس ہوگئے- اس کی وجہ سے بڑی مشکلات پیدا ہوگئیں- مجھے پھر اخبار کو یہ Ò ن دینا پڑا کہ مولانا نے اپنی طرف سے جو انتخاب کیا ہے، یہ غیر جمہوری اور خلاف دستور ہے- انہوں نے نہ ذمہ داران کو اطلاع دی اور نہ وہ طریقۂ کار اپنایا جو انتخاب کا ہوتا ہے- پھر بڑی خاموشی سے میں نے جماعت کا رجسٹریشن کرایا، میں صدر ہوا اور پھر تنظیم کا کام آگے بڑھا- حج کانفرنس اور تحفظ ; ادکانفرنس کا شاندار انعقاد آل انڈیا تبلیغ سیرت کے بینر تلے ہوا لیکن 3/4 حال اس کے ساتھ یہ Ì سچائی

ہے کہ جماعت زوال پذیر ہوگئی- اب اس کے وہ مخلص افراد آ نہیں رہے اور پھر آہستہ آہستہ کافی کمزور ہوتی چلی گئی- خاص طور سے ادھر دو تین سالوں میں کوئی کام نہیں ہوا-

سوال :-آپ کی صدارت میں آنے کے ^ اس کے ذریعے کام آ ہوئے، پھر گزشتہ چند سالوں میں اس کے اندر اتنی سرد مہری کیوں آ گئی؟

مولانا وارث جمال قادری: - اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب ممبئ میں کوئی با اثر شخصیت ایسی نہیں رہی جو اختلافات کو سلجھا سکے اور حکم کا کردار ادا کر سکے- اب جو لوگ ہیں سب ایسے ہی ہیں جو ہر مسئلے میں فر& ہوتے ہیں، تو با اثر افراد کا ہمارے Ö سے اٹھ جانا نہ صرف آل انڈیا تبلیغ سیرت بلکہ پوری جماعت کے جمود اور انتشار کا سب سے بنیادی سبب ہے-آل انڈیا تبلیغ سیرت کے جمود میں کچھ اور دوسرے اسباب آ ہیں مثلاً جو لوگ اس کے خاص معاونین تھے ان میں سے کچھ کا انتقال ہوگیا، حاجی رشید طیب صاحب ترکی ہجرت کر گئے- کچھ اور لوگ آ ممبئ چھوڑ کر کہیں چلے گئے- کچھ لوگ -ں ہی سرد پڑ گئے تو اسباب وذرائع ہی ختم ہوتے چلے گئے-

سوال:-ممبئ میں تو اہل ثروت کی بڑی تعداد آج آ موجود ہے-ایسے میں اسباب وذرائع کے فقدان کی شکایت کرنا عجیب بات ہے؟

مولانا وارث جمال قادری: - جہاں تک ممبئ کی موجودہ صورت حال کی بات ہے تو آج ممبئ میں مختلف پیروں اور باباؤں کا اپنا الگ الگ حلقہ اور دائرہ اثر ہے- سب نے مرید + کا ذہن ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا ہے-سب نے اپنے مرید + کو یہ سمجھا دیا ہے کہ میرے ¯ ئے ہوئے دائرے میں رہو گے جبھی جنت میں جاؤ گے، اگر ذرا سا قدم ادھر ادھر بڑھایا کہ جہنم میں پہنچے- اب تمام ارباب ثروت صرف اپنے پیروں کے اشاروں پر چلتے ہیں- (الا ماشاء اللہ) ایک زمانہ تھا کہ ہم اپنے قلم کو چلاتے تھے اور مختلف لوگوں کے اوپر لکھا کرتے تھے-اس وقت ہم آ لائق اعتنا سمجھے جاتے تھے-اب حال یہ ہوگیا ہے کہ سب کو غوث اور قطب کہلوانا ہے-اب یہ سب ہم سے ہو نہیں پاتا-اس لیے ہم اب کسی کے لیے لائق اعتنا نہیں ہیں تو ایسے میں اب ہمیں کون تعاون کرے گا؟ اس کے علاوہ جو مسائل

ہیں وہ تو آپ سمجھتے ہی ہیں-

سوال :-اس وقت جماعتی کام کے لیے آپ بہتر طریقہ کس کو سمجھتے ہیں، انفرادی کوشش کو یا تنظیمی جدوجہد کو؟

مولانا وارث جمال قادری:-اگر آپ اجتماعیت کا انتظار کرتے رہیے گا تو پھر کوئی کام نہیں ہوگا، کیوں کہ ہمارے یہاں اجتماعیت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے-اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انفرادی سطح پر جو کچھ ممکن ہو وہ کیا جائے- ہاں! اس کے ساتھ یہ بات آ ضرور ہے کہ اجتماعیت کا جب آ موقع ملے تو اسے لبیک کہا جائے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آج تو ہر شخص اپنے انفرادی تشخص، انفرادی شناخت اور انفرادی حیثیت کو قائم کرنے کی فکر میں ہے-اسی فکر میں ہر کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ¯ نے کے لیے کوشاں ہے-جب آ اجتماعیت کی بات آتی ہے تو وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا ذاتی تشخص نہ ختم ہو جائے- اس لیے انفرادی طور پر آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کر , -امین ملت حضرت سید محمد امین میاں برکاتی نے کبھی اجتماعیت کا انتظار نہیں کیا کہ سب لوگ آ جائیں تو قدم بڑھاؤں بلکہ انفرادی حیثیت کے مدنظر وہ کام کر رہے ہیں اور وہ کامیاب ہیں-خود جام نور نے جماعت میں علمی وفکری اور صحافتی بیداری کے حوالے سے جو کچھ کیا یہ مولانا خوشتر نورانی کی انفرادی کوشش تھی- اگر وہ جماعت اور تنظیم کا انتظار کرتے تو وہ اتنا بڑا کام نہیں کر پاتے- یہی حال بدا-ں شریف کا آ ہے-مولانا اسید الحق قادری صاحب جامعہ ازہر سے واپس آئے تو وہاں سے آ مختلف علمی کام ہو رہے ہیں-ہمیں مستقبل میں ان سے بڑی امید , وابستہ ہیں-خود رضا اکیڈمی ممبئ کو دیکھیے- ایک انفرادی سوچ تھی اور اس کے تحت انفرادی کام ہوا اور 1 بڑا کام ہوا-آج اشاعتی میدان میں ہم پیچھے نہیں رہ گئے-

ویسے جماعتی برکات کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا-حدیث پاک میں آیا ہے **ید اللہ علی الجماعۃ** -لیکن آج جو حالات ہیں ان کے پیش نظر اجتماعیت کا انتظار کرنا عقل مندی نہیں ہے-انفرادی کام کرنا ہی حالات کے عین مطابق ہے-لیکن انفرادی کام کے یہ معنیٰ آ نہیں کہ آپ تنہا کام کر , ،انفرادی کام سے مراد ہے کہ جو آپ کے معتبر دست وبازو ہوں

ان کو ساتھ رکھیں اور ان کی مدد اور شرکت کے ساتھ کام کرتے چلے جائیں-

سوال:- جماعت اہل سنت میں اتفاق واتحاد کی سبیل آپ کی نظر میں کیا ہے؟

مولانا وارث جمال قادری:- جہاں تک اختلاف وانتشار کی بات ہے تو اس کے مضر اثرات جگ ظاہر ہیں- ویسے اختلاف وانتشار کی وجوہات اَ مختلف ہیں- کچھ اختلافات تو صرف اپنے قد کی پیمائش کے لیے ہیں جو یقینی طور پر قابل مذمت ہیں- کچھ اختلافات اخلاص کی بنیاد پر ہوتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ آج کے حالات میں اخلاص نام کی چڑیا ڈھونڈنے جائیے گا تو آپ یقینی طور پر نامراد رہیے گا- اب تو ہمارے یہاں اخلاص دیکھنے کو نہیں ملتا- تو جب سارے اختلافات ہی غیر مخلصانہ ہوں، اپنے قد کی پیمائش کے لیے ہوں تو ایسے میں اتفاق واتحاد کی سبیل کی تلاش واقعی 1 مشکل ہے- ایسے میں بس ایک تدÛ کارگر نظر آتی ہے- وہ یہ کہ جو لوگ جماعت کے ہر کاز کو لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر ٹھکرا دیتے ہیں، ایسے لوگوں کی 1 زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے- آپ ان کے پیچھے ہی مت پڑیے- آپ کو دینی، تبلیغی اور جماعتی حوالے سے جو کچھ کرنا ہے، خاموشی کے ساتھ کرتے رہیے، اختلافات کے گرداب سے خود کو نکالیے اور مثبت طریقے سے اپنا کام کرتے چلے جائیے-

یہاں ایک بات یہ اَ کہہ دوں گا کہ اب نوجوانوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے- ہم لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہمارے قویٰ مضمحل ہو گئے ہیں- ہم میں اب وہ پہلی سی بات نہیں ہے- اس کے برعکس جوانوں میں جوش وجذبہ ہے، صلاحیت ہے اور امنگیں ہیں- اس لیے خود انہیں آگے بڑھنا چاہیے اور جماعتی کاز کو مخلصانہ انداز میں کرنا چاہیے- اسی کے ساتھ جماعت کو تصلب کے نام پر پروان چڑھ رہے تشدد سے نجات دلانا ہوگا- جب تک نام نہاد تصلب کا خاتمہ نہیں ہوتا جماعت میں اتحاد واتفاق کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا- اتحاد واتفاق کو قائم کرنے کا ایک موثر ذریعہ یہ اَ ہے کہ ہم حکمت وتدÛ سے ہر کام کر , - ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے یہاں حکمت بالغہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے- حکمت وموعظمت کے ساتھ دعوت الی اللہ کا حکم جو ملا تھا اسے تو ہم نے عملاً منسوخ سمجھ لیا ہے- اور اس پر ظلم یہ کہ ہر حکمت وموعظت کا نام منافقت اور صلح کلیت رکھ دیا گیا ہے- اس رجحان کو اَ ختم کرنا

ہوگا اور تصلب، تشدد، منافقت اور مداہنت کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکمت ودانائی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھنا ہوگا-

سوال:- ماضی کی بہ نسبت آج جماعت میں تصنیف وتالیف کا رجحان زیادہ ہوا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کی نظر میں وہ کون سے موضوعات ہیں جن پر ہمارے اہل قلم عام طور پر توجہ نہیں دے رہے ہیں؟

مولانا وارث جمال قادری:- یقینی طور پر آج جماعت میں تصنیف وتالیف کا رجحان بڑھا ہے- 1 سے جوان اہل قلم سامنے آئے ہیں، جو علم وفکر اور شعور کے مالک ہیں- مختلف موضوعات پر کتابیں اَ آرہی ہیں- مگر اس کے باوجود یہ اَ سچ ہے کہ موضوعات کے انتخاب میں جتنا تنوع ہونا چاہیے وہ نہیں ہے- خصوصاً سیرت اور تصوف وغیرہ پر جیسا کام ہونا چاہیے ہمارے یہاں نہیں ہو رہا ہے- حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری نے ضیاء النبی لکھ کر سیرت پر زبردست کام ضرور کیا جو جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ہے مگر ایک ہی کتاب لکھ دینے سے سیرت پر کام ختم نہیں ہو جاتا- ہماری مخالف جماعتیں ہر دن الگ الگ جہت سے سیرت پر کتابیں لکھ رہی ہیں، جب کہ ایسا رجحان ہمارے یہاں نہیں پایا جا رہا ہے- اس لیے ہمارے اہل قلم کو اس جانب اَ توجہ دینی چاہیے-

سوال:- مذہبی صحافت کے ماضی وحال پر آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

مولانا وارث جمال قادری:- سچ تو یہ ہے کہ ماضی میں ہمارے یہاں مذہبی صحافت نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں، کبھی اپنے شوق کی تسکین کے لیے تو کبھی اپنی عقیدت کی تسکین کے لیے کوئی پرچہ نکال لیا اور خود ہی پڑھ لیا- لوگ مجھے اچھا کہیں یا برا، سچائی یہی ہے کہ مذہبی صحافت کا پہلا نقش علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے جام نور نکال کر پیش کیا اور مولانا خوشتر نورانی نے اسی جام نور کا تجدید واحیا کر کے مذہبی صحافت کو بلندی پر پہنچایا- اس بات کا اَ برملا اعتراف ہے کہ جام نور نے صحافت کا پختہ رنگ دیا، جس سے پہلے سے نکل رہے 1 سے رسالوں نے خود کو رنگا، اپنے اندر اصلاح لانے کی کوشش کی- نیز جام نور کے اثرات سے دوسرے متعدد نئے رسالے اَ نکلنے لگے- یہ سب جام نور کے اثرات ہیں جن کا

اعتراف صاف دلی سے کیا جانا چاہیے- جام نور کی سب سے نمایاں اور قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس نے توسع اور وسعت نظری کا ½ پور مظاہرہ کیا اور کمال یہ کہ پورے تصلب اور پختہ نظری کے ساتھ کیا-

سوال:- کیا موجودہ حالات میں تبلیغ واشاعت کے لیے الکٹرانک میڈیا کے استعمال کو آپ ضروری سمجھتے ہیں اور کیا اس سلسلے میں آپ کے کچھ تحفظات أ ہیں؟

مولانا وارث جمال قادری:- بالکل ضروری سمجھتے ہیں اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ آپ کا دشمن جس معیار کا ہتھیار استعمال کر رہا ہو اسی انداز کا ہتھیار آپ کو أ اختیار کرنا پڑے گا- اب لوگوں نے طویل داستان اور ناول پڑھنا چھوڑ دیا- کتابیں پڑھنے کی فرصت نہیں- اب تو لوگ اخبارات اور میگزین + أ بمشکل تمام پڑھتے ہیں ادھر الیکٹرانک ذرائع ابلاغ کے بڑھتے ہوئے اثرات کا عالم یہ ہے کہ وہ گھر گھر بلکہ ہر ہر کمرے میں دا 4 ہے- مخالفین اسلام اس کا استعمال بڑے پیمانے پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کر رہے ہیں، اس کے مسموم جراثیم سے نئی نسل کو X نا حقیقت یہ ہے کہ ناممکن ہے- ایسے میں زہر کا تریاق أ اگر اسی فارم میں دیا جائے تو بڑی حد تک اس کی کاٹ ہو سکتی ہے اور جہاں تک یک طرفہ مخالفت اور اس پر اصرار کی بات ہے تو یہ ایسے ہی ہے کہ دشمن بندوق لے کر سامنے آئے اور اس کے مقا » کے لیے کوئی غلیل اٹھانے کا مشورہ دے- برقی ذرائع ابلاغ کی من کل الوجوہ مخالفت کرنے والوں کو گہرائی سے اس بات پر أ غور کرنا چاہیے کہ ان کے پاس برقی ذرائع ابلاغ کی زہر افشانیوں کے جواب کے لیے معقول ہتھیار کیا ہے؟

اور جہاں تک برقی ذرائع ابلاغ میں میرے تحفظات کی بات ہے تو جیسا کہ حضرت شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اشرفی صاحب نے کہا ہے کہ جو چیز ٹیلی ویژن سے باہر دیکھنا غلط ہے وہ اندر دیکھنا أ غلط ہے- اس لیے اسلامی پروگرام ¯ تے وقت ان چیزوں کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے-

سوال:- عروس البلاد ممبئی سنی مسلم صنعت کاروں کا شہر ہے اس کی آنے والی نسل أ سنی مسلمان رہے، اس کے لیے علمائے د + کو کس طرح کی کوششیں کرنی ہوں گی؟

مولانا وارث جمال قادری:- یہ واقعی 1 اہم سوال ہے- اہل نظر جانتے ہیں کہ ممبئی کے حالات اب پہلے سے نہیں رہے- حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ان بدلتے حالات میں ایک بڑا کام یہ تھا کہ لوگ مسائل پر سنجیدہ غور وفکر کرتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہے- اس وقت ممبئی میں سنی علما آپس میں ہی دست وگریباں ہیں- ادھر ذاکر نائک اور دوسرے افراد اور جماعتوں کے اثرات روز بروز بڑھ رہے ہیں، مگر ہمارے پاس وقت أ نہیں ہے کہ ان حالات پر غور کر , - یہ اہل سنت وجماعت کے لیے 1 بڑا چیلنج ہے، جس پر کشادہ دلی اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا اور علمی پیش رفت کرنا وقت کی ضرورت ہے-

ممبئی یقیناً اہل سنت سرمایہ داروں کا شہر ہے لیکن ممبئی کا موجودہ المیہ یہ ہے کہ یہاں کوئی با اثر شخصیت موجود نہیں ہے- سیاسی اور سماجی سطح پر حال یہ ہے کہ کوئی اس پارٹی کے پیچھے ,گ رہا ہے تو کوئی اس پارٹی کے پیچھے دوڑ رہا ہے- کچھ لوگ استغفر اللہ کے دائرے سے باہر نکلنا نہیں چاہتے- وہ اپنے سامنے کے چند سروں کو عالم اسلام سمجھ بیٹھے ہیں- تو ایسے مسائل پر جب تک عالمی تناظر میں غور وفکر نہیں کیا جائے گا اور کوئی لائحہ نہیں ¯ یا جائے گا، جب تک کوئی صحیح حل سامنے نہیں آ سکتا- عالمی تناظر الگ ہے اور عامی تناظر الگ ہے- چند عوام آپ کی باتوں پر نعرہ لگا د , اور چند لوگوں کو آپ توبہ کرا د , تو اس سے آپ کی انا کی تسکین تو ہو جائے گی، لیکن اسلام کا کوئی کام نہیں ہوگا- اسلام کو چہار د -ار -ں میں مقید مت کیجیے- اسلام اپنے اندر جتنی وسعت رکھتا ہے اسی وسعت نظر کے ساتھ اسلام کو سمجھیے اور دیکھیے-

سوال:-''بھیگی پلکوں کا بو لا'' آپ کی دینی قدروں کی حامل کہانیوں کا مقبول مرقع ہے، مذہبی ادب میں اس اسلوب کو اختیار کرنے کی وجہ کیا ہوئی اور آپ کی نظر میں یہ کوشش کتنی کامیاب رہی؟

مولانا وارث جمال قادری:- دراصل ہمارے نوجوانوں کو ناول اور افسانے پڑھنے میں زیادہ دلچسپی ہے- وہ کہانی کی زبان میں بات سمجھنا چاہتے ہیں- علامہ ارشد القادری نے جوانوں کے اسی مزاج کا خیال رکھتے ہوئے اپنے رسالہ میں ''بزبان حکایت'' کے عنوان

سے مستقل لکھنا شروع کیا اور وہ کالم 1 مقبول ہوا جس کا مجموعہ ^ میں ''لالہ زار'' اور ''زلف وزنجیر'' کے نام سے شائع ہوا- میں نے آ علامہ کی پیروی میں اس اسلوب کو اختیار کیا اور مستقل کالم کے تحت استقامت میں لکھنا شروع کیا- اس کالم کی پذیرائی کا عالم یہ ہوا کہ —ل مدیر استقامت مولانا ظہیر الد + مرحوم کے اس کالم کی اشاعت سے قبل استقامت ۵/ ہزار کی تعداد میں چھپتا تھا جب یہ کالم شروع ہوا تو ۶/۵ رمہینے میں استقامت کا سرکولیشن ۱۵/ ہزار ہوگیا- آج آ ہر سال دو دو تین تین ایڈیشن اس کا آ رہا ہے- تو اس اسلوب کے اختیار کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ جو a اپنا وقت بے مقصد ناولوں کے مطالعے میں صرف کرتے ہیں وہ اس قیمتی وقت کو اسلامی کہانیاں پڑھنے میں صرف کر , اور زبان کی چاشنی کے ساتھ اعتقاد کی پختگی آ حاصل کر , -

سوال:-جن لوگوں نے آپ کی وہ کتاب پڑھی ہے ان کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ آخر آپ نے اس سلسلے کو ^ میں کیوں بند کر دیا؟ جب کہ اگر آج آ اس طرح کی تحریر , آئیں تو لوگ پسند کر , گے-

مولانا وارث جمال قادری:-ہاں! وہ سلسلہ رک گیا- دراصل مختلف اوقات میں انسان کی طبیعت مختلف موضوعات اور کاموں کی طرف مائل ہوتی رہتی ہے- انسانی طبیعت میں تلون ہے، ^ میں میری دوسری کتابیں آئیں- امام شعروادب آئی، پہلے حق اکیڈمی نے شائع کیا تھا، اب رضوی کتاب گھر سے چھپ رہی ہے- کراچی سے آ چھپی- اس کا اثر یہ ہوا کہ کراچی کی - نیورسٹی میں حدائق بخشش کو شامل نصاب کیا گیا-- نیورسٹی کے صدر شعبہ اردو کا خط آ اس حوالے سے جہان رضا لاہور میں شائع ہوا- اسلام اور شادی آ میری مقبول کتاب ہے اور آ میری کئی کتابیں اور مقالات ہیں- ۱۹۷۰ء کے دہے میں جب کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی اشرفیہ میں زیر تعلیم تھے، اس وقت میں تنہا تھا جو امام احمد رضا کے حوالے سے تحریری دنیا میں نمائندگی کر رہا تھا- جہان حیرت کے نام سے آ میرا ایک مقالہ خاصا اہم ہے- انوار کنز الایمان آ ۱۶۰ رصفحات پر مشتمل ہے- ایک زمانے میں چھپی اور پھر ناپید ہوگئی- اعلیٰ حضرت اور کنز الایمان پر میرا ایک مقالہ

استقامت میں چھپا تھا جس پر مولانا اسلم بستوی مرحوم نے مجھے مبارک باد دی اور انہی کی تحریک پر پھر میں نے اسے کتابی شکل دی- پھر ^ میں جب میدان میں مجھ سے اچھا لکھنے والے کئی ایک صاحب قلم آ گئے تو اپنے اندر تکان کا احساس ہونے لگا اور تحریر وقلم کی طرف توجہ کم ہوگئی- چوں کہ یہ خوشی آ تھی کہ چلو اب میدان تحریر مالا مال ہوگیا، اس سے پہلے جو احساس محرومی تھا وہ ختم ہوگیا اور یک گونہ طمانیت کا احساس آ گیا- پھر ایک وجہ یہ آ رہی کہ میں پہلے آزاد تھا، اب ہمارے اوپر اتنی ذمہ داریاں آ گئیں کہ میرے پاس وقت آ نہیں رہا-

سوال:-پچھلے کچھ سالوں سے مخالفین اہل سنت نے ہمیں 'بریلوی' سے متعارف کرا کے عالم عرب میں یہ تاثر دینا چاہا کہ ہم اہل سنت و جماعت، قادیانیت کی طرح کوئی جدید فرقہ ہیں، اس پر آپ نے ''کیا اسلام میں بریلوی کوئی فرقہ ہے؟'' لکھ کر اس بے بنیاد الزام کا جواب دیا، لیکن آخر کیوں کچھ اپنے ہی لوگوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی؟

مولانا وارث جمال قادری:- یک مختصر گروپ ہے جو اس احساس سے نہ خود نکلنا چاہتا ہے اور نہ دوسروں کو نکلنے دینا چاہتا ہے، اس نے اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو اپنی روزی روٹی کا ذریعہ ¯ کیا ہے، ان کو یہ غلط احساس ہوگیا ہے کہ جب تک ہم خود کو 'بریلوی' کہتے رہیں گے جبھی تک ہمارا پیٹ 1/2 لے گا- حالاں کہ یہ ان کی غلط نفسیات ہے- میں نے تو اپنی کتاب میں متعدد دلائل دیے ہیں اور بریلوی کہلانے کے نقصان کو اجاگر کیا ہے- میرے پاس مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا قادری کا ارشاد گرامی آ محفوظ ہے، آپ نے ۱۹۶۰ء کے پاسبان کے کسی شمارے میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''بریلوی'' وہابی ملا عنہ کا دیا ہوا لفظ ہے جس کو سختی سے مسترد کیا جانا چاہیے- میرے پاس یہ قیمتی حوالہ موجود ہے اور ان شاء اللہ اپنی کتاب کی اگلی اشاعت میں اس کو شامل کروں گا- اس سلسلے میں ہماری ایک بات ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو کسی خطے میں محدود کرنے کی O ئے عالمی سطح پر مسلمانوں کی نمائندگی کی فکر کرنی چاہیے-□□□

(شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء)

مولانا یٰسین اختر مصباحی

بانی و مہتمم: دارالقلم، دہلی

مولانا یٰسین اختر مصباحی ان چند مخلص علما میں سے ہیں جو داد و صلے سے بے نیاز علمی وفکری سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔موصوف ا تقریباً ۳۰ رسالوں سے نہایت بے نیازی کے ساتھ اپنے فکر وقلم کے ذریعے ملت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔۱۹۷۰ء میں آپ کی فراغت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے ہوئی، پھر ندوۃ العلما لکھنو سے دوسالہ کورس ''الاختصاص فی الادب العربی'' کی تکمیل کی، اس کے ^ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ہی ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۲ء تک تدریسی خدمات انجام د , پھر سعودی عرب چلے گئے جہاں ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک ڈیفنس منسٹری میں ملازمت کی، مگر جب دل کو اطمینان نہیں ہوا تو ہندوستان واپس ہوئے اور دہلی کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز ¯ یا، جس کے نتیجے میں دارالقلم کے نام سے تصنیف و تالیف کا ادارہ قائم کیا، ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ء تک اپنی ادارت میں ماہنامہ 'حجاز جدید' نکالا، مذکورہ رسالے کے ^ تقریباً ۷ رسالوں تک ماہنامہ 'کنزالایمان' دہلی کی ادارت فرمائی، بے شمار مضامین و مقالات لکھے اور تقریباً دو درجن سے زائد کتابیں تصنیف و تالیف کیں، جن میں 'تعارف اہل سنت' اور 'امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔خصوصاً ۱۸۵۷ء سے متعلق متنازع مسائل پر جس فاضلانہ انداز میں متعدد کتابیں تحریر و تدو + کی ہیں، وہ جماعت اہل سنت کی طرف سے فرض کفایہ کی ادائیگی کا درجہ رکھتا ہے۔موصوف کی علمی وفکری اٹھان سے متاثر ہوکر علامہ سید محمد بن علوی مالکی مکۃ المکرّمہ نے انہیں سند حدیث کی تحریری اجازت عطا فرمائی اور ںون ممالک بالخصوص پاکستان، لیبیا، ساؤتھ افریقہ اور برطانیہ کے مختلف عالمی کانفرنسوں اور سمیناروں میں ا مدعو کیے گئے۔

سوال:- مسلم معاشرے کو مذہبی صحافت سے کوئی دلچسپی یا لگاؤ کیوں نہیں ہے؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مذہب کی طرف ہمارے قارئین کی اتنی توجہ نہیں ہے جتنی توجہ سیاسی صحافت کی جانب ہے۔سیاست اس وقت کا سب سے زیادہ دلچسپ، گرم اور ہر لحاظ سے مفید موضوع ہے، اس لیے اس کی طرف 1 زیادہ توجہ ہوتی ہے اور مذہب میں چوں کہ پابندیاں ہیں، خود عمل کرنے اور کرانے کی ترغیب ہوتی ہے، اس لیے معاشرہ میں اس کا التزام کم کیا جاتا ہے، جس کا اثر صحافت پر ا پڑا ہے۔مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے اس کی زیادہ دلچسپی کتابوں سے ہے اور کتابوں کے ذریعہ ہی وہ اپنا ذوق پورا کرتا ہے۔مذہبی صحافت یعنی مذہبی اخبارات ورسائل کے مطالعے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کا شعور اتنا بالغ نہیں ہے اور ہمارے ذمہ داروں نے ا کما حقہ اس کی طرف توجہ نہیں دلائی کہ مذہبی صحافت نہایت ضروری اور اہم چیز ہے۔دوسری زبانوں کے مقا » میں اردو زبان مطلقاً صحافت ہی میں کمزور ہے۔اگر اس کی سرپرستی کی جائے تو مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تجارتی ہر طرح کی معلومات ہوں گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی اردو زبان کا تحفظ اور ' کا ایک انتظام ا ہوگا۔اس سلسلے میں ہم لوگوں کو اپنے طور پر ایک تحریک کی شکل میں کوشش کرنی چاہیے تاکہ عوام اردو اور مذہبی صحافت کی طرف زیادہ سے زیادہ راغب ہوں اور وقت کی جو ضرورت ہے اس کی تکمیل کر , ، کیونکہ میڈیا اس زمانے میں اپنی بات دوسروں تک پہنچانے، انہیں متأثر کرنے، دوسرے لوگوں کو عام مسلمانوں کے تعلق سے غلط فہمیوں کے ازالے، دیگر شعبوں کی معلومات حاصل کرنے اور دوسروں تک اپنی معلومات پہنچانے کا نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مجموعی طور پر اردو زبان کافی کمزور ہے اور اس کی نسبت سے مذہبی صحافت اور زیادہ کمزور ہے، کیوں کہ ہمارا انحصار جو کچھ ہے وہ ریڈرشپ (Reader ship) پر ہے اور ریڈرشپ کی کمزوری کا انجام مذہبی صحافت کو ا بھگتنا پڑ رہا ہے۔چوں کہ مذہبی صحافت میں شرعی نقطۂ نظر سے 1 ساری پابندیاں ہیں اور

اشتہارات وغیرہ کے اندر ہمارے تحفظات ہیں ان کی وجہ سے ہماری بنیاد کمزور رہتی ہے اور معاشی طور پر وہ صحیفے جو مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی اشاعت مخصوص اور مختصر ہوتی ہے- ان سب باتوں کی طرف قوم Ì توجہ کرے، صحافی Ì توجہ کر , اور قائد + Ì توجہ کر , تب کوئی بات بن سکتی ہے-

سوال:- کامیاب اور صحت مند صحافت کے لیے کن امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے؟ کیا انہیں مذکورہ چیزوں پر توجہ دی جائے جوا Ì آپ نے Ò ان فرمائی ہے یا پھر کچھ اور؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- مضامین کا انتخاب اس طور پر ہو کہ مذہبی طبقہ مجموعی طور پر مطمئن اور متاثر ہو اور مضامین دونوں طرح کے ہونے چاہئیں، معیاری Ì ہوتا کہ ہر طبقہ متأثر ہو سکے اور دوسرے طبقے کے لوگ جن کو مذہب سے کم دلچسپی ہے، پڑھ کر کے متاثر ہو سکیں- یہ Ì ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کے اندر مطالعے کا شوق پیدا کیا جائے تو اس کا Ì فائدہ مذہبی صحافت کو پہنچے گا- اشتہارات کا خانہ تو مذہبی صحافت کے لیے لگ بھگ صفر ہے، حکومت کا جو شعبہ ہے وہ مذہبی رسائل کو اشتہارات دینے میں بے رخی برتتا ہے اور جو کمپنیاں ہیں وہ Ì بے رخی برتتی ہیں، لیکن پھر Ì مشکل حالات کے باوجود جیسے ہر شعبے میں انسان کوشش کرتا ہے تو کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے اس طرح اگر کوشش کی جائے تو پرائیویٹ قسم کے ہی سہی کچھ اشتہارات مل سکتے ہیں، اس کے لیے اصحاب خیر کو توجہ دلائی جائے تو وہ Ì اس میں معاون ہو سکتے ہیں- ریڈرشپ کو Ì مضبوط کیا جائے اور اشتہارات کے شعبے کو Ì مضبوط کیا جائے تو یہ سب باتیں مل کر کے مفید اور کارگر ثابت ہو سکتی ہیں- قرآن اور حدیث کی روشنی میں موجودہ مسائل کا حل پیش کیا جائے، بزرگوں سے را , اور تعلق کی طرف ان کو متوجہ کیا جاتا رہے اور عصری ایجادات کے سلسلے میں Ì ان کو معلومات دی جاتی رہے، اس طرح کی جو جائز چیز , ہیں انہیں ان کی طرف پیش کیا جائے- عصری ایجادات یا عصری علوم یا عصری فنون جو Ì اسلام اور انسانیت کی خدمت کے لیے مفید ہوں اور جن کو Ì C نے، سمجھانے اور پیش کرنے کی ضرورت ہو وہ پیش کیا جائے- یہ تو اسلام کا مزاج ہے اور اس کا سلسلہ پہلے ہی سے چلا آ رہا ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہوگی، بلکہ ایسا ہوتا ہی

آیا ہے- ہر دور میں اس دور کی جو جائز چیز , Ì مفید رہی ہیں خواہ وہ اسلام کے لیے ہو، انسانیت کے لیے یا مسلمانوں کے لیے ان کو ہمارے اسلاف نے اپنایا ہے اور ان کا استعمال کیا ہے- ہمیں Ì استعمال وانتخاب اور اختیار کے شعبے میں اپنے اسلاف ہی کے نقش قدم کو اپنانا چاہیے-

سوال:- مذہبی صحافت کی اثر اندازی میں علماے کرام کی کتنی اہمیت ہے؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- علماے کرام ہی کے ذریعے مذہبی صحافت مجموعی طور پر جاری اور باقی ہے- مذہبی صحافت کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو نمایاں قسم کے جو لکھنے والے ہیں وہ زیادہ تر مذہبی شخصیات ہی ہیں، کیونکہ ان کا مذہبی مطالعہ Ì اچھا ہوتا ہے اور قارئین اور عوام پر ان کا اثر Ì ہوتا ہے- جس طرح سے پریشانی اور بدحالی کے باجود علماے کرام نے مدارس کو باقی رکھا ہے، اسی طرح سے مذہبی صحافت کو Ì باقی رکھا ہے- اس شعبے میں انھیں نہ تو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور نہ اصحاب ثروت کی، جو کچھ ہے وہ عام قارئین کی رفاقت اور خریداری کی شکل میں تعاون ہے- اس لیے مشکل ہی سے یہ گاڑی چل رہی ہے اور بیشتر علماے کرام ہی اس کو چلا رہے ہیں، لیکن 3/4 حال یہ گاڑی چل رہی ہے اور ان شاء اللہ چلتی رہے گی-

سوال:- ہمارے علما میں تحریری ذوق وصلاحیت کا بالکل فقدان ہے جب کہ مدارس سے فارغ ہونے والے بیشتر علما میدان خطابت میں اپنی قسمت آزما رہے ہیں، اس کا ذمہ دار آپ کس کو مانتے ہیں؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- تحریری اور قلمی خدمات کا سلسلہ شروع ہی سے جاری ہے- کسی Ì دور میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ علما نے تحریر وتصنیف اور قلمی خدمات کی جانب توجہ نہ دی ہو- کم اور بیش ہو سکتا ہے اور فیصد کی کمی ہو سکتی ہے، لیکن یہ سلسلہ شروع ہی سے جاری ہے- اب رہا سوال کہ اس کا ذمہ دار کون ہے تو اس کو میں ایک مثال کے ذریعے بہتر طریقے پر سمجھا پاؤں گا: کسی مارکیٹ میں جس مال کی زیادہ سپلائی اور مانگ ہوتی ہے، وہ مال زیادہ تیار ہوتا ہے اور فیکٹری کا مالک اس کو زیادہ ¯ نا چاہتا ہے- تحریر اور تصنیف کا معاملہ یہ ہے کہ

اب سے دس سال پہلے تک علما نے کتابیں لکھیں، لیکن لکھنے کے ^ سب سے بڑا مسئلہ ان کے سامنے یہ ہوتا تھا کہ چھپے کیسے اور کتاب چھپ گئی تو اس کی نکاسی کیسے ہو؟ مگر بفضلہ تعالیٰ اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں، کتابیں اب کافی تعداد میں لکھی جا رہی ہیں اور ان کی اشاعت ï ہو رہی ہے- خطابت اور تحریر کا جب موازنہ کر , گے تو ایک چیز جو ا2/1کر آئے گی وہ 1 اہم یہ ہوگی کہ لکھنے والے کو نذرانے یا معاو 2 کی شکل میں کوئی چیز نہیں ملتی ہے جب کہ مقرر ایک دو گھنٹے کی تقریر کرتا ہے تو فوراً اسے خاطر خواہ معاوضہ مل جاتا ہے- ظاہر ہے کوئی مذہبی انسان ہو یا دنیادار سب کو اپنی معاشیات کے استحکام کی کم سے کم ضرورت کی حد تک فکر رہتی ہے، وہ اس کی طرف توجہ کرنے کے لیے مجبور ہوتا ہے- اس طرح آپ بنیادی طور پر معاشیات ہی کو ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں- اس کے علاوہ تقریر کی مانگ ï مارکیٹ میں زیادہ ہے اور نکاسی ï ہے- چونکہ تقریر کی نکاسی زیادہ ہے اور تحریر کی اس کے مقا » میں 1 کم ہے، نکاسی ہے ï تو اس میں کوئی مادی فائدہ نہیں، جب کہ تقریر کی نکاسی ï ہے اور اس کا مادی فائدہ ï ہے- ان دونوں باتوں کی وجہ سے نو فارغین کی تقریر کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے-

سوال:- ماہنامہ ''حجاز جدید'' ایک زمانے تک آپ کی ادارت میں نکلتا رہا جس نے جماعتی سطح پر ایک اچھی گرفت ï —لی تھی، پھر آخر وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے اسے بند کرنا پڑا؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- اس کی ï بنیادی وجہ مالیات ہی ہے، حجاز جدید کی اشاعت کے دوران میں کچھ دورے کرتا تھا، اس میں ممبر سازی کرتا، پھر اس ممبر سازی کے ذریعے جو رقم آتی رسالہ کی طباعت اور اشاعت وغیرہ ہوتی تھی- مجھے اس سلسلے میں کافی پریشانیاں اور دقتیں جھیلنی پڑتی تھیں، لیکن فوری طور پر جن چیزوں کا اثر ہوا، ان میں ایک یہ کہ کشمیر میں 1 اچھا خاصا رسالہ جاتا تھا، مگر وہاں کے جو حالات ہوئے ان حالات کا رسالے پر اثر پڑا اور پھر ۶ر دسمبر کا حادثہ- نومبر ۱۹۹۲ء تک رسالہ نکلا اور ۶ر دسمبر کے ^ پورے ملک کے حالات ایسے ہو گئے کہ کہیں دورہ کرنا اور دورہ کے ذریعہ ممبر — نامناسب

نہیں تھا- اسی ۶ر دسمبر کے حادثے کے نتیجے میں گویا رسالہ بند ہوا، بند ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہی فنڈ تھی، اگر وہ رہتا تو مثلاً ۶ر مہینہ میں نکالتا اور ۶ر مہینہ دورہ کر کے پھر اس کی کمی پوری کرتا تو اس کے پیچھے ï گھوم پھر کر کے وہی مالیات ہی کا معاملہ ہے-

سوال:- ہمارے قائد + اور اسلاف یکے ^ دیگرے ہم سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی باصلاحیت علما ï کم پیدا ہو رہے ہیں، ایسے میں آپ جماعت اہل سنت کو کس مقام پر پاتے ہیں؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- ہمارے اکابر اور اسلاف جن کو ہم نے دیکھا ہے وہ علم و فضل کے اعتبار سے بلند مقام پر فائز تھے- ان میں سے کم از کم میں اپنی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ میرے جو اسلاف تھے وہ لگ بھگ اس دنیا سے جا چکے ہیں- ان کے حساب سے اگر ہم اپنے آپ کو نا ï ہیں اور اپنے حساب سے ^ والوں کو نا ï ہیں تو کافی فرق معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا ï ہوتا ہے کہ جب ہم بڑوں کو دیکھ لیتے ہیں تو ان کے مقا » میں ہمیں خود ï اپنی حیثیت کچھ ï سمجھ میں نہیں آتی ہے اور ^ والوں کی ï، لیکن ایسا ï ہوتا ہے کہ ^ والے یا ہمارے جو معاصر + ہیں وہ ^ والوں کی نظر میں چونکہ اسلاف ہوں گے اس لیے یہی اسلاف ان کو ایسے نظر آئیں گے کہ وہ 1 قابل قدر ہوں اور انہیں میں سے ایسے افراد پیدا ہوں جو نمایاں تر + کام کر , - انحطاط اور زوال عصری لحاظ سے ï چلا آ رہا ہے جیسا کہ ہر تنظیم و تحریک میں ہوتا ہے، دینی تنظیموں اور دنیاوی تنظیموں میں ï - اب جماعتی اعتبار سے دیکھا جائے مثلاً آپ اعلیٰ حضرت سے شروع کیجیے تو ان کے خلفا صدر الشریعہ، صدر الافاضل، حجۃ الاسلام اور حضرت مفتی اعظم ہند وغیرہ کا مقام 1 اونچا تھا، لیکن پھر ان کے جو خلفا اور تلامذہ تھے، مثلاً محدث اعظم پاکستان، حافظ ملت، مجاہد ملت اور مفتی اعظم کانپور وہ صدر الافاضل وغیرہ کے مقا » میں کم تھے، پھر ان حضرات کے جو شاگرد تھے مثلاً حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی صاحب علامہ ارشد القادری صاحب یا مولانا عبد الرؤف بلیاوی علیہم الرحمہ وغیرہ تو وہ اپنے پہلے کے مقا » میں 1 کم تھے- اب چوتھی نسل جس میں میں اپنے آپ کو شمار کرتا ہوں یہ اپنے پہلے کے مقا » میں کم ہے- یہ انحطاط عصری

حساب سے چلا آ رہا ہے اور کچھ نظامِ قدرت آ ہے کہ کوئی آ تحریک یا تنظیم 21/تی ہے تو دور کے لحاظ سے عموماً اس میں انحطاط آتا ہے- اسی چیز کو آپ سیاسی زبان میں سمجھیں تو ۱۹۴۷ء سے لے کر اب تک کے لیڈروں کا جائزہ لیجیے، دور کے لحاظ سے ان کے معیار میں اسی حساب اور اسی انداز سے فرق ہے- اب جو کچھ آ ہے اور جیسا آ ہے انہیں میں کرنا ہے اور جو کیا جاسکتا ہے وہ ہو رہا ہے، اس کو سنوارا جائے، سجایا جائے، اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کے لیے وسائل پیدا کیے جائیں تو ان شاء اللہ اپنے دور کے لحاظ سے یہی اسلاف ہوں گے اور اپنے دور کے حساب سے کارگر اور مفید آ ثابت ہوں گے-

سوال:- آج عالمی سطح پر اسلام مخالف تحریکوں کا دور دورہ ہے جن کا تحریری اور تقریری جواب تمام مکاتبِ فکر کی تنظیمیں دیتی رہی ہیں، مگر جماعت اہل سنت کی طرف سے بالکل خاموشی چھائی ہوئی ہے اور نہ ہی سیاسی سطح پر اس کے وجود کی کوئی اہمیت ہے- ایسے میں کسی سیاسی اور سماجی تنظیم کی آپ کتنی ضرورت محسوس کر رہے ہیں جس کی نمائندگی ہمارے علمائے کرام کر , ؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- ہمارے یہاں مجموعی طور پر سیاسی اور تنظیمی اعتبار سے کافی کمزوری ہے- چند حضرات نے اگر اپنے اپنے طور پر کام کیا آ تو ہمارا جماعتی مزاج ان کا معاون نہ بن سکا- سیاسی اور تنظیمی فیلڈ میں اگر نام لیا جائے تو حجۃ الاسلام، محدث اعظم ہند، مجاہد ملت، سید العلما اور حضرت علامہ ارشد القادری یہ وہ نمایاں نام ہیں جنہوں نے اپنے اپنے دور میں اپنے اپنے انداز سے کام کیا اور کام کرنے کی کوشش آ کی اور دیگر تنظیموں سے آ ان لوگوں کا را , رہا اور ملی سیاست میں آ اپنی اپنی قیادت کا فریضہ انجام دیا، لیکن جیسے دیگر تنظیمیں 1 زیادہ عوامی سطح پر کام کرتی ہیں یا خواص علما کی سطح پر اس طرح ان کی پذیرائی نہ ہو سکی جیسی ہونی چاہیے تھی- کسی تنظیم کی ضرورت کے احساس کا جہاں تک سوال ہے اس کی ضرورت محسوس آ کی گئی ہے اور آج آ محسوس کی جارہی ہے- یہ کام ہونا چاہیے، لیکن اقدام کی اور عمل کی جہاں تک بات ہے اس میں کافی دقتیں ہوتی ہیں- ہمارے سنی عوام کا مزاج کچھ اس طرح سے بن گیا ہے یا¯ دیا گیا ہے کہ وہ ملی سیاست اور تنظیم کو

1 زیادہ کار ثواب نہیں سمجھتے ہیں، دیگر نفل اور مستحب کاموں میں جو ان کا ذوق وشوق ہوتا ہے وہ اس طرح کے کاموں میں نظر نہیں آتا- کچھ تعاون بھیڑ کی شکل میں ضرورت اور مواقع کے لحاظ سے تو کر دیتی ہے لیکن کوئی آ تنظیم اور تحریک اپنے متعلقہ سہولیات کے بغیر نہیں چل سکتی مثلاً آفس اور دیگر سہولیات کے ساتھ صوبوں اور اضلاع میں ممبر سازی ہو، میٹنگ اور جلسے وغیرہ کرنے کے لیے فنڈ ہوں، اخباری ٥نات دینے اور اخبارات کو متوجہ کرنے کے لیے جو آج طریقے ہیں ان کو استعمال کیا جائے تو کام ہو سکتا ہے اور عوام کے مالی تعاون کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا ہے- ہمارے علاوہ دیگر جماعتوں میں جو تنظیمیں کام کر رہی ہیں انہوں نے اپنے عوام کا آ اس طرح کا مزاج ¯ یا ہے جس کا انہیں فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور ایک 1 بڑی بنیادی چیز یہ ہے کہ ان کو ۵۰% چندا ایسے ذرائع سے فنڈ آ مل جاتا ہے جو ہم کو نہیں مل سکتا- اس کی وجہ سے ان کو اور زیادہ کامیابی حاصل ہو جاتی ہے جو ہمیں میسر نہیں- تو یہ کمی ہے اس کا ازالہ ہونا چاہیے اور اس کی جانب چند تنظیمی اور تحریکی مزاج رکھنے والے حضرات نے ہمیشہ توجہ کرائی ہے، لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی ہے-

سوال:- آپ تقریباً دو دہائیوں سے تصنیف وتالیف کے ایک عظیم مرکز ¯ م دار القلم کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، مگر کیا وجہ ہے کہ عملی طور پر آج آ اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا ہے؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- ہاں! منصوبے کے مطابق تو واقعتاً دار القلم اس طرح سے اپنا کام ا آ شروع آ نہیں کر سکا ہے جس طرح سے ہونا چاہیے، اس میں آ ایک رخ یہ ہے کہ ہمارے سنی عوام مسجد اور مدرسے کے نام پر تو آسانی سے تعاون کر دیتے ہیں، لیکن قلمی اور تحریری کام کے لیے ان کا تعاون حاصل کرنا 1 مشکل کام ہے، یہی وجہ ہے کہ ''المجمع الاسلامی'' جس کو میں نے اور میرے چند ساتھیوں نے مل کر قائم کیا تھا، جس کے قیام کو آ تقریباً ۲۶ رسال ہو گئے، مگر وہ آ اس طرح سے کام نہ کر سکا جیسا کرنا چاہیے تھا اور یہی حال دار القلم کا ہے جو دہلی میں اس کی دوسری شکل ہے- عوام کو دار التصنیف اور دار القلم وغیرہ سے رغبت نہیں ہوتی ہے- جب رغبت نہیں تو پھر ان کا مالی تعاون آ نہیں ہوتا اور کوئی

آ کام بغیر عوام کے مالی تعاون کے نہیں کیا جاسکتا - دوسری وجہ کا تعلق میری شخصی کمزوری سے ہے- وہ یہ کہ جس طرح دوسرے 1 سے لوگ چندہ کر لیتے ہیں اور کسی سے آ کسی انداز میں مانگ لیتے ہیں، اس طرح سے میں نہیں کر پاتا ہوں، دوسرے لفظوں میں مجھے چندہ کرنے کا فن نہیں آتا ہے-

سوال:- یہ کہاں تک درست ہے کہ ماہنامہ ''کنزالایمان'' کا وجود آپ کے اداریہ پر انحصار کرتا ہے؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- ہاں! اکثر لوگوں کے ذہن میں اس طرح کی باتیں ہیں، وہ کہتے ہیں اور زبانی طور پر یہ تأثر آ دیتے ہیں- ایک حد تک یہ صحیح آ ہے کہ کسی آ میگز + اور رسالے میں اصل چیز اداریہ ہی ہوتا ہے، اسی سے رسالے کا رخ متعین ہوتا ہے اور رسالے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، لیکن آپ کو یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ ''کنزالایمان'' رضوی کتاب گھر کا رسالہ ہے اور رضوی کتاب گھر ہی اس کو نکالتا ہے، میں اس کا صرف مدیر اعلیٰ ہوں تو ہر کام مجھے اپنی مرضی سے کرنا آ نہیں چاہیے- رضوی کتاب گھر ایک تجارتی ادارہ ہے ساتھ ساتھ اس نے ایک تبلیغی اور صحافتی کام آ شروع کیا ہے، اس لیے مجھے دیکھنے کے ساتھ ساتھ رضوی کتاب گھر کو آ دیکھنا ضروری ہے اور دونوں کو ملا کر دیکھا جائے گا تو بات سمجھنے میں 1 آسانی ہوگی- اداریہ کو آپ -ں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خواص کے لیے ہے اور باقی مضامین عوام کے لیے ہیں اور خواص وعوام کو ملا کر ہی گاڑی چلائی جاسکتی ہے-

سوال:- قارئین ماہنامہ جام نور کے لیے آپ کی طرف سے کوئی پیغام؟

مولانا یٰسین اختر مصباحی:- ماشاء اللہ ماہنامہ جام نور کے جتنے آ شمارے اب تک نکلے ہیں وہ ہماری نظر سے گزرے ہیں اور اطمینان j ہی نہیں بلکہ حوصلہ j اٹھان ہے، جام نور کو آپ صحافتی معیار کے لحاظ سے 1 ٹھیک ڈھنگ سے چلا رہے ہیں- آپ اپنے معیار کو آ دیکھیں، قوم کے معیار کو آ دیکھیں اور اس کو سمجھیں- بنیادی حلقہ چوں کہ آپ کا اہل سنت وجماعت کا ہے اس لیے سنی عوام کیا چاہتے ہیں اس کو آ سامنے رکھیں اور آپ کیا چاہتے ہیں اس کو آ سامنے رکھیں، دونوں میں ہم آہنگی ہونی چاہیے- قارئین کا فرض یہ ہے

کہ وہ (جام نور جو پرانا آ ہے اور نیا آ) کا خریدار بن کر کے اس کو تقویت پہنچائیں- ظاہر سی بات ہے اس کو تقویت پہنچانے کی جہاں اصحاب قلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مضامین ومقالات اور تحریروں کے ذریعے اس کو تقویت پہنچائیں وہیں بلکہ اس سے کہیں بڑی ذمہ داری سنی عوام کی ہے کہ خود خریدار بنیں اور دوسروں کو آ خریدار —ئیں- مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ مستقبل میں یہ ایک اچھا اور مؤثر رسالہ ثابت ہوگا- دور جدید کے جو تقا 2 ہیں ان پر ہم سب کو نظر رکھنی چاہیے اور جائز ذرائع اور وسائل کا استعمال کر کے سنیوں کو، سنی رسالوں کو اور سنی اصحاب قلم کو مل جل کر اسلام اور سنت کا پیغام پہنچانا چاہیے، دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیے- اس سلسلے میں اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ مثبت سوچ کے ساتھ ساتھ رسالے کا انداز داعیانہ ہونا چاہیے اور بوقت ضرورت مناظرانہ انداز کی آ ضرورت ہے، لیکن عمومی لحاظ سے دعوت کا پہلو نمایاں ہو-❑❑❑

(شمارہ اپریل ۲۰۰۳ء)